



رسول الله  
صلى الله عليه وآله وسلم

کی خارجیہ پیامی

اسد سلیم شیخ



رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خارجہ پالیسی

اسد سلیم شیخ

نگہ میں پبلی کیشنز، لاہور

297.63 Sheikh, Asad Saleem  
Rasool Allah(Sallalloho-Alaihi wa  
Sallam) / Asad Saleem Sheikh.- Lahore :  
Sang-e-Meel Publications, 2018.  
238pp.  
1. Muhammad (pbuh) - Islam.  
1. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/ مصنف سے باقاعدہ  
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی  
کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2018ء

افضال احمد نے  
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور  
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-3152-3

ISBN-13: 978-969-35-3152-7

**Sang-e-Meel Publications**

25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN  
Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101  
<http://www.sangemeel.com> e-mail: [smp@sangemeel.com](mailto:smp@sangemeel.com)

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

رحمۃ للعالمین حضرت محمد علیہ السلام کے نام

جن کے تشکیل کردہ بین الاقوامی اصول

آج بھی اُمتِ مسلمہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں

صغیرہ علیہ



## فہرست

7	ابتدائیہ	1
11	باب ۱۔ بعثتِ نبویؐ کے وقت عالمی نظام کے خدوخال	2
24	باب ۲۔ عالمی لیڈر کی شرائط اور حضرت محمد ﷺ	3
30	باب ۳۔ رسول اللہ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول	4
42	باب ۴۔ ہجرت: رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کی بنیاد	5
60	باب ۵۔ رسول اللہ کی سفارتی حکمت عملی	6
89	باب ۶۔ رسول اللہ کے سیاسی و فوجی اتحادات و معاہدات	7
130	باب ۷۔ رسول اللہ (ﷺ) کی جنگی سرگرمیاں	8
181	باب ۸۔ رسول اللہ کی خارجہ سیاست کے اقتصادی پہلو	9
200	باب ۹۔ رسول اللہ اور عالمی امن کا قیام	10
225	حبشہ کی دوسری ہجرت کے شرکاء کے اکثر نام	11
227	مہاجرین مدینہ کے بعض نام	12
229	بیعتِ عقبہ ثانی کے شرکاء کے نام	13
231	غزوہٴ اُحد میں ستر شہداء کے نام	14
233	قریش کے مقتولین کے نام	15
233	غزوہٴ خندق کے شہداء کے نام	16

234	غزوہ خیبر کے شہداء کے نام	17
234	جنگِ موتہ کے شہداء کے نام	18
235	پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں تباہی کے اعداد و شمار	19
237	انسانی حقوق کا عہد آفرین چارٹر ”خطبہ حجۃ الوداع“	20



## ابتدائیہ \_\_\_\_\_!

اسلام کے ظہور میں آنے تک بالیقین دو ہی اصول تھے جن کی بناء پر نوع انسانی آپس میں متحد ہوئی۔ ایک تو جغرافیائی اتصال تھا اور دوسرا نسلی قرابت۔ اسلام نے اپنی وسیع النظری کے تحت ربط و ضبط انسانیت کی ان شکلوں کو رد نہیں کیا بلکہ اس خطرے کے پیش نظر کہ اپنی حدود سے متجاوز نہ ہو جائیں ان کی قدر و قیمت گرا دی اور انہیں صرف پہچان ”لِيتَعَارَفُوْا“ تک محدود کر دیا۔ وطن جہاں آدمی رہے یا خون کا رنگ جو انسان کی رگوں میں دوڑے اسلام کی نظر میں عزت کا نشان نہیں۔ عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے جسے جدید نظریے کی روشنی میں نفسِ امارہ پر قابو پانے کی صلاحیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا کہ تم آپس میں پہچانے جاؤ مگر درحقیقت معزز تم میں وہی ہے جو پرہیزگار ہے“۔ (۱۳:۴۹)

حضور ﷺ نے فرمایا:

”جس نے عصبیت کی طرف بلا یا وہ ہم میں سے نہیں۔“  
اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دنیا میں بھیجتے وقت یہی پیغام دیا تھا کہ وہ کسی مخصوص گروہ کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو خدا سے ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

”ہم نے تم کو دنیا کے آگے گواہی دینے والا، سعادتِ انسانیت کی خوشخبری دینے والا، اللہ کی طرف اس کے بندوں کو بلانے والا اور دنیا کی تاریکیوں کے لئے ایک چراغِ نور بنا کر بھیجا“۔ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

”کیا ہی بابرکت رات ہے جس نے اپنے بندے پر

الفرقان نازل کیا تاکہ وہ قوموں کو اور ملکوں ہی کیلئے نہیں بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کیلئے ڈرانے والا بنے۔“

چنانچہ بر بنائے رسالت رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کو دعوتِ اسلام دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ یوں تو آغازِ کار سے ہی رسول اللہ نے اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔ آپ کی دعوت ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کے لئے تھی، آپ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی وہ مختلف تھے۔ تاہم جب تک آپ کا قیام مکہ میں رہا اسلامی تعلیمات کا اثر محدود پیمانے پر ظاہر ہوا۔ لیکن جب آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ تعلیمات عالمگیر حیثیت اختیار کر گئیں۔ ہجرت کے باعث ہی مسلمانوں کے لئے سیاسی نظامِ مملکت کو تشکیل دینا ممکن ہوا اور مختلف جنگی مہمات میں امراء کا تقرر، غیر ممالک میں مختلف مقاصد کی غرض سے سفیروں کا تقرر، کاروبارِ مملکت کے لئے مشاورتی اجلاس، ملکی قوانین کا اجراء اور نفاذ اور سیاسی نظام کی صورت گری سے ایک ایسا ریاستی نظام وجود میں آیا جس کی مضبوط بنیادوں پر رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک مضبوط اجتماعی قوت بنا دیا۔ ریاست کا یہ اندرونی استحکام رسالتِ مآب کے لئے خارجہ مقاصد کے حصول کے لئے انتہائی سود مند ثابت ہوا۔ کیونکہ کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہوا کثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تاریخِ عالم اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود و نصاریٰ اور خود انصار کے دو گروہوں اوس و خزرج کی پرانی عداوت کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار تھی۔ دفاعِ مدینہ کے لئے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے۔ چنانچہ رسالتِ مآب نے سب سے پہلے یہی کارنامہ سرانجام دیا کہ تمام فریقین کو ایک معاہدہ پر متفق کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں امن کی زندگی بسر کرنے کے علاوہ قوت و طاقت اور وسائلِ عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس ملک کے عوام کی صلاحیت کا معیار کیا ہے اور کیا وہ کوئی واضح نصب العین رکھتے ہیں؟ علی الرغم اس بات کے کہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیشِ رسول کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت صرف اس جیش پر آپ اعتماد کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے دلوں میں عقیدہٴ راسخ پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ یہ لوگ اس عقیدے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے

تھے۔ ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین تھا جو بالکل صاف اور واضح تھا اور مسلمان اس کے تحفظ اور دفاع کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے۔ مسلمانوں کا یہ جذبہ ایثار و قربانی رسول اللہ کی سیاستِ خارجہ میں کامیابیوں کا ایک بہترین اصول قرار پایا۔

مسلمانوں کو جنگ کی اس لئے اجازت دی گئی کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے، دین کی آزادی برقرار رہے اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی حفاظت کا سروسامان بہم پہنچ سکے۔ اول تو آپ نے بلا جواز جنگ سے ہمیشہ گریز کیا اور ان راستوں کو پسند فرمایا جو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھا کہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپ نے اسے فوری قبول فرمایا۔ چنانچہ رسالتِ مآب نے جتنے غزوات لڑے یا سرایا ارسال فرمائے وہ تمام کے تمام دفاعی نوعیت کے تھے اور ان کا مقصد اسلامی ریاست کا دفاع، تبلیغِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں کی بیخ کنی اور فتنہ و فساد کا خاتمہ تھا۔ آپ نے اپنی جنگوں میں نہ صرف کامیابیاں حاصل کیں بلکہ دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی بدل کر رکھ دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے کہ جو آج بھی احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔

آپ نے بے گناہوں کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ عورتوں بچوں اور معذوروں کو بھی تحفظ فراہم کیا۔ اسلام سے پہلے اسیرانِ جنگ کے متعلق دو ہی متفقہ فیصلے تھے ایک قتل دوسرا دائمی غلام، تیسرا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ رسول اللہ نے جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکمتِ عملی اپنائی کہ ان کو قتل کیا گیا نہ ایذا پہنچائی گئی بلکہ ان سے بہتر سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں۔

رسالتِ مآب نے سیاستِ خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنے کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی کیونکہ جنگ و جدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ پرسکون فضا میں دعوتِ حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔ معاملات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں۔ پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لئے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا، توازنِ قوت کو سمجھنا، شرائط کے فوری اور دور رس نتائج پر نظر رکھنا ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محسنِ انسانیت نے اس دائرہ کار میں حد درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کا نمونہ پیش فرمایا۔ خصوصاً بیزنطینی سلطنت کے قریب بسنے والے عیسائی قبائل کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو ریاستِ نبوی کے زیر اثر لانا حضور کی سیاستِ خارجہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے رومی سلطنت کے منطقہ اثر میں

گہرے شگاف پڑ گئے جن کی وجہ سے صفر ۱۱ ہجری میں اسامہ بن زیدؓ کی وہ مہم بالآخر حضرت ابو بکرؓ کے دور میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی جسے ابتدائی طور پر رسول اللہ نے روانہ فرمایا تھا۔ اور پھر آگے چل کر اسی بنا پر بلادِ روم میں اسلام کے اثر و نفوذ، توسیع و اشاعت اور فتوحات کے دروازے کھل گئے اور اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا۔

اسلامی ریاست کی طرف سے رسول اللہ نے کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم عسکری مہموں کے دوران فرمائی تھی۔ ۳ھ (۶۲۵ء) میں جب بنو نضیر کے غزوہ کے دوران رسول کریم نے حضرت محمد بن مسلمہ اوس کو سفیر بنا کر بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ ان کے معاملے میں رسول اللہ کے فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ رسول اللہ نے اپنے عہد میں مختلف سفیروں کو مختلف اغراض و مقاصد کے لئے روانہ فرمایا۔ زیادہ اہم سفارتیں صلح حدیبیہ کے بعد پڑوس ملکوں کی طرف دعوتی خطوط دے کر روانہ کی گئی تھیں۔ سیاسی طور پر ان سفارتوں کا مقصد یہ تھا کہ پڑوسی شاہان وقت کو اسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت اور صلح کے لئے آمادہ کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا دروازہ کھلے تو دوسری طرف تصادم و جارحیت کے امکانات یا خطرات میں کمی پیدا ہو۔ جن ملکوں اور قوموں کے سربراہوں اور فرمانرواؤں کو خطوط بھیجے گئے چند ہی برسوں میں وہاں اللہ کے آخری نبی ﷺ کا لایا ہوا حیات بخش نظام زندگی پوری طرح غالب ہو کر رہا۔ اس طرح ان مقدس اور بابرکت خطوط نے اس لشکر کے ہر اول دستے کی حیثیت اختیار کر لی جس نے کفر و باطل، ظلم و جور اور انسانیت کش قوتوں کے غرور کو پاش پاش کر کے امن و عافیت، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا علم بلند کیا۔ ان دعوتی خطوط لکھنے اور بھیجنے کے لئے وقت کا انتخاب ان کی عبارت میں اختصار، ایجاز، مکتوب الیہم کے ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی حالات کا لحاظ اور موزوں ترین سفیروں کا چناؤ ایسی باتیں ہیں جنہوں نے ان خطوط میں زبردست انقلاب آفرین قوت تاثیر پیدا کی اور یہ سب باتیں رحمتہ للعالمین کی قائدانہ صلاحیتوں اور مدبرانہ قابلیتوں کا معجزانہ شاہکار ہیں۔ گویا حضور اکرم ﷺ نے اپنی خارجہ حکمت عملی میں جو جو اقدامات فرمائے وہ آپ کے بے مثال تدبیر و فراست اور آئین جہانبانی کے آئینہ دار تھے اور آپ کے یہ روشن اور درخشاں پہلو آج بھی مسلمان ممالک کے لئے بین الاقوامی تعلقات میں بہترین قابل عمل نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ مسلمان ممالک کے باہمی ”انتشار اور نفاق“ کے خاتمہ کی ضمانت بھی ہیں! \_\_\_\_\_

اسد سلیم شیخ (اعزازِ فضیلت)

## باب ۱

## بعثتِ نبویؐ کے وقت عالمی نظام کے خدو خال

بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی مذہبی، سیاسی و جغرافیائی حالت:

بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں کی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالت کیا تھی؟ رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی ان حالات میں کس طرح تشکیل پائی؟ کون سے اصول ٹھہرے؟ کیا ترجیحات قائم ہوئیں؟ اور پھر ان ترجیحات کو کس طرح مقاصد کے قالب میں ڈھالا گیا۔ ان تمام عوامل کا جائزہ لینے کے لئے ظہورِ اسلام کے وقت عالمی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں دنیا آج سے بہت کم تھی۔ نہ امریکہ کے دونوں براعظم دریافت ہوئے تھے اور نہ آسٹریلیا سے لوگ واقف تھے۔ افریقہ کے بڑے حصہ پر تاریکی کا تسلط تھا اور ایشیا و یورپ کے انتہائی شمالی علاقے بھی انسانی دسترس سے باہر تھے۔ البتہ، عرب، چین، ہندوستان، وسط ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، مغربِ اقصیٰ، حبشہ، نیز جنوبی یورپ کے کچھ ممالک یونان، اطالیہ، فرانس، اسپین اور وسطی و شمالی یورپ کے چند علاقے ضرور ایسے تھے جہاں آفتاب تمدن ضو فگن تھا۔ لیکن روم و فارس ہی اس دور کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں۔ دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان کی ماتحتی میں تھیں۔ خود عرب کے اندر ساحلی علاقوں پر کئی ریاستیں بیزنطینیوں (رومیوں) کی باجگذار بنی ہوئی تھیں۔ ان دونوں طاقتوں میں برسوں سے محاذ آرائی چلی آرہی تھی۔ کئی خونریز جنگیں ان کے درمیان ہو چکی تھیں۔ کبھی ایک کو غلبہ حاصل ہو جاتا تو کبھی دوسری فتح سے ہمکنار ہوتی۔ یہ لڑائیاں انہی تک محدود نہ رہتیں بلکہ ان کی طفیلی ریاستوں کو بھی ساتھ شریک ہونا پڑتا۔ اس وجہ سے اپنے وقت کی یہ دونوں بڑی طاقتیں رو بہ زوال تھیں۔ تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور علوم و فنون کے مرکز سمجھے جانے کے باوجود اندرون خانہ جنگی کی حالت رہتی۔

بیزنطینی سلطنت کا اصل الاصول بادشاہت تھا۔ بادشاہ کے اختیارات غیر محدود تھے اور وہ تمام سیاسی اور مذہبی عہدوں کا سرچشمہ تھا۔ سلطنت کا تمام طرزِ عمل شاہی طرز کے تابع اور تمام تنظیمات کا تعلق بادشاہ سے ہی تھا اسی لئے جو ادارے مثلاً امراء کی مجلس (Senate) یا مجلسِ جمہوریہ (Concilium)

(Plabis) بظاہر جمہوری نظر آتے ہیں وہ بالکل مصنوعی تھے۔ بادشاہت صرف ایک مخصوص گروہ، جماعت اور وطن کے اندر محصور تھی۔ حکمرانوں کی یہی وہ مخصوص جماعت تھی جس کی خاطر داری سلطنت کا مقصود تھی۔ اسی لئے رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے کہ

”جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں رومی سلطنت انسانوں سے ظلم و زیادتی کے ذریعے ناجائز فائدہ اٹھا کر انسانوں کی مخصوص جماعت حکمرانوں کی راحت رسانی اور عیش و آرام کا سامان فراہم کرتی تھی۔ چنانچہ عوام پر ٹیکسوں کی اتنی بھرمارتھی کہ اہل ملک اپنی حکومت پر غیر ملکی حکومت کو ترجیح دینے لگے تھے۔ بار بار انقلاب اور بغاوتیں ہوتی تھیں۔ صرف ۵۳۳ء کے ایک فساد میں قسطنطنیہ کے تیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔“ (۱)

قبائلی اور علاقائی تقسیم نے خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت جسے سب پر حاوی اور غالب ہونا چاہیے تھا، کمزور ہو چکی تھی۔ اس صورتِ احوال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سردار اپنے رقبے اور منطقے کی توسیع کی فکر میں رہنے لگا اور ایک دوسرے کے علاقوں پر بھی دست درازی کرنے لگے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو اس درجہ زور پکڑ چکے اور طاقتور ہو چکے تھے کہ مرکزی حکومت سے بھی کبھی کبھی بھڑ جاتے تھے یا بغاوت کر کے اپنی آزادی اور خود مختاری کے پرچم لہرانے لگتے تھے۔ رومی غسانوں اور دوسرے عرب قبائل پر، اپنی جنوبی حدود کے تحفظ اور حمایت پر بھروسہ کرتے تھے اور جنوب مشرقی حدود فارس کی حد تک چلی گئی تھی۔ عہدِ نبویؐ کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں یعنی رومیوں سے مصر اور شام وغیرہ تک چھین لئے تھے مگر ۶۷ھ یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں (نینوی) موصل کے میدان میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ ان کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ایران سنبھل نہ سکا۔ قسطنطنیہ کے رومی (بیزنطین) اس فتح سے کیا فائدہ اٹھاتے جبکہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے ایک طرف ملک کو تباہ و تاراج کر دیا تھا تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں ناقابلِ بیان تھے۔ عیسائی فرقوں اور جماعتوں میں شدید اختلافات و نزاعات پیدا ہو چکے تھے جن سے عوام و خواص سب متاثر تھے۔ چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں شام و عراق کے عیسائیوں اور مصر کے عیسائیوں کی جنگ پورے شباب پر تھی۔ یہ جنگ حضرت مسیح کی حقیقت و ماہیت کے موضوع پر ہو رہی تھی اور اس کی وجہ سے مدارس، کلیسا اور گھر سب متحارب کیمپوں میں تبدیل ہو گئے تھے جو ایک دوسرے کی تکفیر میں مشغول اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دو مذہبوں یا مخالف قوموں کی

جنگ ہے۔ اس کی وجہ سے عیسائیوں کو اس کی فرصت نہ تھی کہ عالمگیر فساد کے انسداد اور اصلاح احوال کی کوشش کرتے اور انسانیت کو فلاح و نجات کا پیغام دیتے۔ (۲)

اسی طرح یورپین قومیں جو شمال و مغرب کے اندر دور تک آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھیں جو آپس میں جنگوں میں مشغول تھیں۔ ایرانی سلطنت (رومۃ الکبریٰ سے علیحدگی کے بعد) اپنے رقبہ، ذرائع آمدنی اور شان و شوکت میں زیادہ بڑی تھی۔ اپنے عروج کے زمانہ میں اسیر یہ، خوزستان، میڈیا، فاس، آذربائیجان، طبرستان، سرخس، مرجان، کرمان، مرو، بلخ، صغد، سیستان، برات، خراسان، خوارزم، عراق اور یمن سب اس کی قلمرو میں شامل تھے۔ چھٹی صدی تک ایران کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ پورا ملک ان سلاطین کے رحم و کرم پر تھا جو موروثی طور پر تخت و تاج کے مالک بنتے تھے اور خود کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اگر ایک خاندان میں کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاج شاہی پہنا دیتے تھے۔ پھر تماشا یہ کہ تخت شاہی پر نصب و عزل کا یہ کھیل اس شان سے کھیلا جاتا تھا کہ اس میں کسی اصول اور ضابطے کی قید اخلاق و کردار کی کوئی پابندی، رشتہ و علاقہ کی کوئی پرواہ، چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز اور جلال و حرام جائز و ناجائز اور حق و ناحق کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ بس فکر صرف تخت کی اور ہوس محض اقتدار کی تھی اور مقصد صرف یہ تھا کہ اقتدار و حکومت حاصل ہو جائے خواہ اس کے لئے کوئی بھی راستہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اور خواہ اس کے لئے اپنے دشمنوں سے ہی مدد کیوں نہ مانگنی پڑے۔ اسی لئے ہرمز سوم (۳۵۷ء تا ۳۵۹ء) کے مقابلہ پر اس کے بھائی فیروز اول نے (۳۵۹ء تا ۳۸۳ء) تاتاریوں (سفید ہن قبائل) سے مدد مانگی تھی۔ اور جب قباد اول (۳۸۷ء تا ۵۳۱ء) نے مزدکی مذہب کی سرپرستی قبول کی تو ملک میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا جس کے نتیجے میں قباد کو تخت سے معزول کر دیا گیا اور اس نے قید سے بھاگ کر تاتاریوں کے پاس پناہ لی اور بالآخر ان ہی کی مدد سے دوبارہ تخت نشین ہوا۔ اس اقتدار کی خاطر بلاش (۳۸۳ء تا ۳۸۷ء) کو معزول کیا گیا۔ اسی تخت کی ہوس میں نوشیرواں سے (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) دعویٰ سلطنت کے قتل کی حرکت قبیلہ سرزد ہوئی۔ اسی کے لئے ہرمز چہارم اور خسرو پرویز (۵۹۰ء تا ۶۲۸ء) قتل ہوئے اور ارد بن شیر بن شیر یہ بمشکل ڈیڑھ سال حکمران رہا۔ شہر براز (یا شہریار) صرف چار دن حکومت کے مزے لوٹ سکا۔ اس کی جانشین بوران بنت کسریٰ پرویز صرف ایک سال چار ماہ تک بادشاہت کر سکی۔ ان حوالوں سے واضح ہو جانا چاہیے کہ سلطنت فارس پر فائز فرمانرواؤں کا <sup>مط</sup> نظر کیا تھا۔ ملک کی تمام دولت اور وسائل پر حکمران طبقہ قابض تھا وہی اس سے استفادہ کر رہا تھا۔ تفریح و تفریح اور دولت مند بنانا ان کی زندگی کا اہم حصہ بن چکا تھا۔ عورت کو ذاتی ملکیت بنا لیا گیا تھا۔ دوسری طرف غریب عوام پر ٹیکسوں کا اتنا بوجھ ڈال دیا گیا تھا کہ وہ سخت مفلوک الحال اور مویشیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

ایرانیوں کے نزدیک مذہب چند رسموں اور قدیم روایات سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا اور وہ بھی کئی فرقوں میں بٹا ہوا تھا۔ آتش پرستی ملک کے طول و عرض میں عام تھی۔ (۳)

ہندوستان کی حالت بھی روم و ایران سے کچھ کم نہیں تھی چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان اجتماعی طور پر تاریک اور بدترین دور سے گزر رہا تھا۔ عہدِ نبویؐ سے پہلے وسط ایشیاء کے سفید خاں (Huns) خانوادے کی حکومت تھی۔ مگر ولادتِ نبویؐ سے پانچ سال پہلے (۵۶۵ء) دریائے جیحون پر اس حکومت کو شکست ہوئی۔ پھر تھانیسر کے راجہ کا چھوٹا بیٹا ہرس (زمانہ ۶۰۶ء تا ۶۴۸ء) شمالی ہند کا مالک بنا۔ آسام، بنگال، نیپال، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ اس نے رفتہ رفتہ فتح کئے۔ مگر ۶۱۰ء میں ہجرتِ نبویؐ سے کچھ پہلے چلو کیا خاندان کے راجہ پی کے سن دوم نے اسے دریائے نر بردا پر شکست دے دی۔ اپنی رعایا کو اس نے آرام طلب بنا لیا تھا۔ اس کی موت کے ساتھ اس کی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا اور پھر صدیوں تک تباہ کارانہ خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ (۴)

ہندوستان اپنے پڑوسیوں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی برادری میں طبقاتی عدم مساوات اور انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز میں بہت آگے تھا۔ ملک کے باشندوں کو چار واضح طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ آخری طبقہ مظلومیت اور پستی کی آخری منزلوں میں جا پہنچا تھا۔ باقی تینوں کی خدمت کرنا اور ان کو آرام و راحت پہنچانا ان کا مذہبی فریضہ اور مقدر بن چکا تھا۔ بے حیائی اور عیاشی ان کی عبادت گاہوں تک جا پہنچی تھی۔ عورت کی کوئی قیمت اور عزت و عصمت باقی نہ رہی تھی۔ شوہر اپنی بیوی کو جوئے میں ہار جاتا تھا۔ شوہر کے مرنے پر اس کی بیوی کو بھی زندہ درگور کر دیا جاتا۔ بتوں کو ہندوستان میں خدا مانا جاتا اور ان کی پوجا کی جاتی۔ اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ بت پرستی اس زمانہ میں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک دنیا بت پرستی میں غرق تھی۔ عیسائیت، سامی، بدھ مت گویا بتوں کی تعظیم و تکریم میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لیکن ہندوستان میں صورتحال کچھ زیادہ سنگین تھی۔ عہدِ نبویؐ کے وقت گویا ہندوستان بد امنی اور مکمل انتشار کا شکار تھا۔ اس میں سینکڑوں ریاستیں تھیں جو اکثر برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ ایک ہندو مصنف اپنی کتاب ”Popular Hinduism, the Religion of the masses“ میں رقمطراز ہے:

”خدا سازی کا عمل یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ مختلف زمانوں میں اس خدائی اکاڈمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ



ہو گیا کہ اس کا شمار مشکل ہے۔ ان میں بہت سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کے معبود تھے جن کو ہندو مذہب کے دیوتاؤں اور خداؤں کے ساتھ شامل کر لیا گیا تھا۔ ان کی کل تعداد تیس ملین (۳ کروڑ) بتائی جاتی ہے۔ (۵)

روم، ایران، اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا ان کی حکومت شخصی، استبدادی اور موروثی تھی۔ بادشاہ ان کا فرمانروا مطلق تھا۔ اس کو تمام اختیارات حاصل تھے۔ اس کے باوجود بعثت نبوی سے قبل چین میں سلطنت کو استحکام حاصل نہ ہو سکا۔ خانہ جنگیاں معمول بن چکی تھیں اور بیرونی حملہ آوروں نے پورے نظام سیاست کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

جہاں تک دوسرے ممالک کے حالات کا تعلق ہے۔ کمبوڈیا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ بعثت رسول کے وقت وہاں کھمبر خاندان کی حکومت تھی۔ جو ۶۰۰ء سے ۱۳۰۰ء تک قائم رہی۔

مصر سلطنت بازنطینی کا ایک حصہ تھا۔ جب ایرانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا انہوں نے قبطیوں سے فیاضانہ سلوک کیا جو بازنطینی حکومت کے مذہبی مظالم سے تنگ آچکے تھے۔ ایرانیوں نے قبطیوں میں ایک شخص کو ان کا حکمران بنا دیا جسے مقوقس کا خطاب دیا گیا۔ ایرانیوں کو جب نینوا کے مقام پر ہرقل کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی تو وہ مصر بھی خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ غالباً یہی دور تھا جب رسول خدا نے قبطیوں کے سردار کو خط لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

حبشہ کا علاقہ یمن کے قریب تھا اور باب المندب کی تنگ کھاڑی اسے یمن سے جدا کرتی تھی۔ ظہور اسلام سے بہت پہلے مکہ سے حبشہ کے نہایت قریبی اقتصادی تعلقات قائم تھے۔ حبشہ بھی اس وقت سلطنت رومہ کے زیر اثر تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں جب یمن میں حمیر خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو حبشہ کے باشندوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور اکسوم کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اس وقت سے یہاں بھی عیسائیت کو قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ کی ولادت اور بعثت کے وقت یہاں عیسائیت رائج تھی اور یہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔

یورپ میں اسپین کی حالت بالخصوص نہایت ابتر تھی۔ امیر جنہیں رومی شہنشاہوں کے ماتحت اعلیٰ مناصب اور عہدے حاصل تھے کی دولت و ثروت اور اعلیٰ معیار زندگی کے مقابلے میں عوام الناس کی حالت نہایت شکستہ اور قابل رحم تھی۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ وحشی اقوام کے حملوں نے ملک میں اور زیادہ ابتری پھیلا دی تھی۔ انہوں نے ہر طرف قتل عام کا بازار گرم کر دیا اور ہزاروں عورتوں بچوں اور پادریوں کو غلام بنا لیا۔ ابن خلدون کے مطابق اسپین کے ملکوں میں سے شیشوط

رسول اللہ کا ہم عصر تھا۔ رسول اللہ کی بعثت کے وقت جزائر برطانیہ متعدد آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ جن پر مختلف بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ سیاسی، اخلاقی اور روحانی پستی پورے ملک میں تھی۔ باقی یورپ تمدن سے قطعاً نا آشنا تھا۔ وحشی اور غیر مہذب قبائل براعظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اب جہاں تک مشرق اور وسط ایشیا کی دوسری قوموں کا تعلق ہے تو ان کا حال برا تھا۔ نہ کوئی علمی دولت ان کے پاس تھی نہ کوئی نظام سیاست ان کے ہاں موجود تھا۔ فی الحقیقت یہ قومیں (مغل، ترک، جاپانی وغیرہ) اپنے عبوری دور میں تھیں اور جاہلانہ بت پرستی سے نکل کر تمدن کی طرف آرہی تھیں۔ چند قومیں اور ایسے بھی تھیں جو اس وقت تک شہریت اور زندگی کی ابتدائی منزل میں تھیں اور عقلی و تمدنی حیثیت سے ان کا دورِ طفولیت تھا۔ اور وہ مغربی قومیں بالکل شمال و مغرب میں آباد تھیں، جہالت و ناخواندگی کا شکار اور خونریز جنگوں سے زار و نزار تھیں اور جنگ و جہالت کی پیدا کی ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ ان ممالک میں اب تک علم و تمدن کی صبح رونما نہ ہوئی تھی۔ مشہور انگریز مصنف H.G. Wells نے دنیا کی اس سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

”اگر کوئی سیاسی پیشین گوئی صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجے پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا۔ مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا اور نہ اتحاد، باز نطنی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں، ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا“ (۶)

رسول اللہ کی پیدائش کے وقت عرب کی ملکی اور اخلاقی حالت یہ تھی کہ جنوب پر سلطنت حبش، مشرقی حصہ پر سلطنت فارس اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔ پورا عرب ایک وحدت کی بجائے کئی خود مختار قبیلوں میں منقسم تھا جو اکثر باہم برسر پیکار رہتے۔ نسلی اور قبائلی عصبیت کی بناء پر لڑی جانے والی خونریز جنگیں کئی کئی سال تک جاری رہتیں۔ قافلوں کو لوٹنا اور بے گناہوں کو و تیغ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت نہ تھی۔ آدمی جتنی چاہتا شادی کرتا تھا۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا ان کا معمول بن چکا تھا۔ جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی۔ عرب کے مختلف اطراف میں مختلف حکومتوں اور سلطنتوں کے تعلق کی وجہ سے تمام ملک میں مختلف مذاہب اور بھی پائے جاتے تھے یہودی، عیسائی اور صابی مذاہب کے لوگ بھی تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کی بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔

عرب صحیح دینی شعور سے بھی محروم تھے۔ (۷)

جہاں تک عرب کے محل وقوع کا تعلق ہے کرہ ارض کے نقشہ پر دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایشیا و یورپ و افریقہ کے چار براعظموں کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں فلسطین و شام، مشرق میں حیرہ، دجلہ و فرات اور خلیج فارس، جنوب میں بحر اوقیانوس، ہند اور خلیج عمان اور مغرب میں بحیرہ احمر واقع ہیں۔ جنوب و مغرب میں دریا اور شمال و مشرق میں صحرا اور خلیج فارس نے اس کے ارد گرد ایک قدرتی معیار کھینچ دیا ہے۔ اس کا طول دو ہزار پانچ سو کلومیٹر اور عرض دو ہزار کلومیٹر ہے۔ اس وسیع و عریض ملک میں ایک دریا بھی نہیں ہے۔ جزیرہ نمائے عرب اپنی ہمسایہ حکومتوں کے استعمار اور مذہبی اثرات سے کافی حد تک محفوظ رہا تو اس کی ایک وجہ اس کا جغرافیہ اور وسعت بھی تھی۔ عرب میں قوافل کی آمد و رفت کے لئے دورا ہوں کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ایک راہ وہ جو خلیج فارس اور دجلہ سے گزر کر صحرائے شام کی راہ فلسطین پہنچتی ہے اور دوسری جو بحیرہ احمر کے قریب سے گزرتی ہے۔ مشرق و مغرب کے درمیان تجارت عرب کے زیادہ انہی راستوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ (۸)

ملوکیت اور بادشاہی کا رواج عرب کے متعدد علاقوں میں بہت مدت سے چلا آ رہا تھا اور ظہور اسلام کے وقت بھی بادشاہتیں اور حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں۔ مختلف قبائل نے خود مختار اور آزاد چھوٹی شہری مملکتیں بھی قائم کر رکھی تھیں۔ چنانچہ مکہ، مدینہ، یبوع، جرش، عدن، صحار، دبی، یمامہ، دومۃ الجندل، فدک، ایلہ اور مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جاسکتی تھیں۔ البتہ مکہ کی شہری ریاست کو دیگر شہری ریاستوں پر اس لئے برتری حاصل تھی کہ شاہراہ تجارت پر واقع تھی اور اس کی ایک دینی حرمت بھی تھی۔ عوام قریش کا احترام بھی کرتے تھے کہ یہ بیت اللہ الحرام کے پڑوسی ہیں۔ ان پر پیش قدمی کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ ان کی تجارت بھی محفوظ تھی کیونکہ بدو بھی ان پر غارت گری نہیں کرتے تھے۔ اس طرح عرب ایک ایسی سرزمین تھی جہاں نہ تو کوئی مرکزی حکومت تھی اور نہ عرب معاشرہ کسی ایک بالاتر قوت و اختیار سے متعارف تھا۔ وہاں کے بسنے والے بے قید آزادی کے سوا اطاعت کی روش سے ناواقف تھے۔ اتحاد، یگانگت اور وحدت ملی پارہ پارہ تھی۔ ہر طرف انتشار اور قبائلی جنگوں کے غیر منقسم سلسلے جاری تھے۔ قبیلہ، قبیلہ کے مقابل طبقہ، طبقہ کے مقابل اور فرد فرد کے مقابل کھڑا تھا اور ایک ناقابل علاج انفرادیت اہل عرب کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

یہ تھے بعثت نبوی کے وقت دنیا کے ممالک کے مکمل حالات جو بلاشبہ ایک ایسے عالمی نظام کا نتیجہ تھے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر مبنی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پورے عالم میں بد امنی اور فساد پھیلا ہوا تھا۔ ملکوں کے ان مکمل حالات جن کا تذکرہ اوپر کر آئے ہیں سے اس عالمی نظام کے خدو خال بالکل واضح

ہو جاتے ہیں جو رسول خدا کی بعثت کے وقت دنیا کے اندر رائج تھا۔ یہ خود خال درج ذیل ہیں۔

## ۱۔ دو طاقتی نظام

مروجہ عالمی نظام کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ دنیا کا توازن اس وقت کی دو بڑی سلطنتوں روم اور فارس سنبھالے ہوئی تھیں۔ یہی اپنے وقت کی طاقتور سلطنتیں شمار ہوتی تھیں۔ توازن طاقت کے نظریہ کے تحت عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب دنیا کے اندر مقابلے و آشتی میں رہتی ہے۔ لیکن روم و فارس مقابلے کی ملکیتیں ہونے کے باوجود دنیا میں امن قائم رکھنے میں ناکام رہیں۔ ان دونوں کی محاذ آرائیوں کے نتیجے میں کئی خونریز جنگیں ہو چکی تھیں۔ یہ لڑائیاں پھیل کر ان کی طفیلی ریاستوں تک پہنچ چکی تھیں۔ اس طرح بڑی طاقتوں کی یہ خانہ جنگی پورے عالمی امن کو تباہ کئے ہوئے تھی۔

## ۲۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

یہ عالمی نظام دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر مبنی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی تھی اور جس معاشرے میں دولت کی گردش رک جائے اور وہ چند ہاتھوں میں مجتمع رہے تو اس معاشرے میں امیر و غریب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے سبب ایک محدود طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن دیگر عوام غربت و افلاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک وہ وقت آتا ہے کہ معاشی طبقہ داریت معاشرے کے امن کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔

## ۳۔ نسلی و لسانی امتیازات

اس نظام کا ایک خاصہ یہ تھا کہ یہ نسلی و لسانی اور قبائلی امتیازات و تعصبات پر مبنی تھا۔ اس نظام نے ایک ہی آدم کی اولاد کو مختلف قسم کے طبقات میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔ حالانکہ توریت کی گرمی بھی انسان دیکھ چکا تھا، زبور کی شاعری بھی سن چکا تھا اور انجیل کی نرمی کو بھی اس نے محسوس کر لیا تھا۔ وید کی تقسیم انگیزی کا تجربہ بھی انسان کر چکا تھا۔ کنفیوشس کی تعلیم بھی رائج ہو چکی تھی۔ کاوٹیلیا کی ارتھ شاستر، ارسطو کی پالیٹکس، مہا بھارت اور الیڈ واڈیو جیسے کتابیں بھی لکھی جا چکی تھیں لیکن دنیا میں امن قائم نہ ہو سکا تھا اور نہ انسان کو انسانیت بخشی جاسکی تھی۔ کیونکہ یہ تمام کوئی ایسا نظریہ ہی نہ دے سکے جو انسان کی عظمت پر پورا اترتا۔ بلکہ قسم قسم کی طبقہ داریت اور عصبیتیں پیدا کر کے رکھ دی تھیں جن کی بناء پر ہمیشہ انسانوں کے درمیان نفرتیں پیدا ہوئیں اور امن عالم تباہ و برباد ہوا۔

ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں کو کوئے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے۔ اسی بناء پر عربی، عجمی کا فرق پیدا ہوا۔ فرانسیسی تاریخ دان موسیو سیدو کے مطابق ”عربوں کو کلام میں حسن و خوبی پیدا کرنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کو اپنی زبان پر بجا طور پر ناز تھا۔ اور اسی خوش بیانی میں وہ باہم غالب و مغلوب ہوا کرتے تھے۔“ عام انسانوں کا فطری مزاج ہے کہ نہ دوسرے کا احسان یاد رکھتے ہیں اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف بھولتے ہیں۔ اگر ان کے اندر عفو و درگزر سے کام لینے کا حوصلہ نہ ہو تو یہ مزاج انتقام در انتقام کے طویل سلسلے کو جنم دیتا ہے۔ عہد نبویؐ کے آغاز پر عرب کے قبائل کی جنگوں کا ایک سبب نہ ختم ہونے والا یہی جذبہ انتقام تھا۔ اس کی ایک جھلک عرب شاعر کے اس شعر سے بھی نظر آتی ہے۔ (ترجمہ)

”میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس کے سردار بہادروں

کی اس پکار پر ہاں قبیلہ و نسب کو بچانے والے کہاں ہیں

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔“

عرب قبائل میں ہی نہیں بلکہ ایران و روم کی ہزار سالہ کشمکش اور ہندوستان میں برہمن اور بدھ مت کی کشمکش بھی ایسی ہی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان کو ہر طرح سے ایذا رسانی پہنچائی گئی۔ مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مسلمانوں کی جائیداد تک ضبط کر لی گئی۔ پھر انتقام کے جذبہ کے تحت بدر، احد اور خندق میں آنحضرتؐ اور آپؐ کے رفیقوں کو نیست و نابود کر دینے کی غرض سے مدینہ پر چڑھ دوڑے۔

## ۴۔ عدم مساوات

اس عالمی نظام کا ایک عنصر یہ تھا کہ یہ عدم مساوات پر مبنی تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ میں وہ طبقے ہمیشہ باغیانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جن کے ساتھ غیر مساوی اور ظلم و ستم کا سلوک روا رکھا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہمیشہ بغاوت جنم لیتی ہے۔ نبوت محمدؐ کے وقت پورے عالم میں کسی نہ کسی طرح سے ایک ہی آدم و خوا کی اولاد کو مختلف درجات میں تقسیم کر کے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ یہی خرابی اس وقت کے عالمی نظام کا ایک لازمی حصہ بن چکی تھی۔ ہندوستان میں جب آریہ حملہ آور پنجاب سے آگے بڑھے تو ان کے مذہبی طبقات نے مفتوحہ آبادی کو الگ تھلگ رکھنے کے لئے نہایت سخت قواعد وضع کئے۔ اگر مفتوحہ آبادی کا کوئی فرد فاتح طبقے کے کسی شخص کو چھو لیتا تو اس کو مذہباً ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ

ذاتوں کے مذہبی رسوم و شعائر شودروں کے لئے بالکل ممنوع تھے۔ شودروں کو یہ اجازت تو ضرور تھی کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی یاد میں قربانیاں کریں لیکن ان مراسم میں کوئی شودر حصہ نہیں لے سکتا تھا اور اگر لیتا تو اسے سخت سزاؤں کا موجب قرار دیا جاتا تھا۔ ایران میں شاہی خاندان، مذہب کے نمائندوں اور بعض اوپر والے طبقوں کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے کر واضح طور پر دو طبقے پیدا کر دیئے گئے تھے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ زن و مرد کے درمیان عدم مساوات بھی موجود تھی۔ جو عرب کے اندر ہندوستان کے اندر بھی شدت سے رائج تھی۔ روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی۔ عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا کوئی حصہ معاشرت میں نہ تھا۔ قانون یونان میں انہیں کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا۔ ایران میں مرد ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی اور قانونی گرفت سے آزاد تھا اور وہ خون کے قریب ترین رشتوں سے شادی کر سکتا تھا۔ یہاں عورتوں کو گھروں میں بالکل مقفل رکھا جاتا تھا اور انہیں کسی حالت میں باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ الغرض عورت ہر جگہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی تھی اور اس کی حیثیت مرد کے ہاتھوں محض ایک کھلونے کی سی تھی۔ مرد و زن میں شدید عدم مساوات کا یہ عنصر عالمی امن کے قیام کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

## ۵۔ مذہبی عدم رواداری اور فرقہ واریت

عہد نبویؐ کے آغاز کے وقت جو بین الاقوامی نظام رائج تھا اس کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ اس بناء پر وہ اپنے سوا باقی تمام مذاہب اور فرقوں کو جھوٹے اور نجات کے لئے قطعاً ناموافق سمجھتے تھے۔ بلکہ کئی ایک مذاہب کسی اجنبی کو اپنے اندر آنے کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔

مذہب کونسل اور پیدائش سے محدود کر دیا گیا تھا۔ قسطنطین پہلا بازنطینی فرمانروا تھا جس نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ اس بادشاہ نے یہودیوں کے متعلق یہ قانون وضع کیا کہ اگر کوئی یہودی کسی ایسے شخص کو پتھر مارے یا اس کی زندگی خطرے میں ڈالے جس نے یہودی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی ہو تو ان تمام لوگوں کو زندہ جلا دیا جاسکتا ہے جو ایسی کارروائی میں شریک ہوں۔ اس کے بعد ایک قانون یہ وضع کیا گیا کہ کوئی عیسائی یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتا۔ مرنے سے چھ ماہ قبل قسطنطین نے ایک اور قانون کے ذریعے یہودیوں کو ممانعت کر دی کہ وہ کسی عیسائی کو غلام نہ رکھیں۔ یمن میں زونو اس کے ہاتھوں میں عیسائیوں کو کس طرح تہ تیغ کیا گیا۔ قرآن میں اصحابِ اخدود کا قصہ بیان کر کے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

”خندق والے ہلاک ہو گئے اس حالت میں کہ اوپر سے ان پر آگ جلا دی گئی۔ آگ جلانے والا طبقہ خندق کے کنارے پر کھڑا ہوا ان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ مومنوں کے ساتھ انہوں نے جو بے رحمانہ سلوک کیا اس سے خود ان کے دل بھی متاثر ہوئے۔ دشمنوں کا ان مومنوں پر الزام یہ تھا کہ وہ عزیز و حمید خدا پر ایمان کیوں لے آئے؟“ (سورۃ البروج: ۸-۴)

واقعہ یہ تھا کہ ایک پاکباز مسیحی ”قیمیون“ روم سے ہجرت کر کے نجران میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ قیمیون کے تبلیغ کے اثرات کے نتیجے میں نجران کے باشندے مسیحیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اس وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھتی گئی تھی۔ زونو اس جو یہودی خیالات کا مالک تھا خبر ہونے پر نجران پہنچا اور لوگوں کو دین موسوی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی اس کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ لہذا اس نے انتقاماً خندق کھودنے کے احکام صادر کئے، جب اس کام سے فراغت ہوئی تو خندق آگ سے بھر دی گئی۔ بعد ازاں زونو اس کے حکم سے ایک ایک عیسائی کو گرفتار کر کے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ جو عیسائی آگ میں جلنے سے بچ گئے انہیں بے دردی سے تہ تیغ کیا گیا۔ عیسائی نذر آتش یا تہ تیغ ہوئے ان کی تعداد کسی بھی صورت میں بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ اس کا بدلہ لینے کیلئے شہنشاہ روم جیٹیسین کے کہنے پر شاہ جیش نے یمن پر چڑھائی کی تھی۔

## ۶۔ انسانیت کی تذلیل

بعثت نبوی کے وقت دنیا کی دو عظیم الشان مملکتیں یعنی فارس اور روما الگ الگ مذہب و تہذیب کی علمبرار تھیں اور دونوں حکومتوں میں وطن، قومی اور مذہبی تعصب نے شدید جذبہ منافرت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام سے قبل اور بعد ایک عرصہ تک ان میں باہم جنگ و قتال جاری رہا۔ مگر ان کے تعصب قومیت نے کچھ ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی کہ یہ لوگ حملہ و هجوم کے وقت مذہب اور اخلاق و شرافت کے تقاضوں کو بالکل بھول جاتے تھے۔ چنانچہ خسرو پرویز نے جب فلسطین پر حملہ کیا تو عیسائیوں کی عبادت گاہ کو نذر آتش کر دیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو قتل اور گرفتار کر لیا۔ فصلوں کو تباہ کرنا، باغوں کو تہس نہس اور عمارتوں کو مسمار کرنا بستیوں کو لوٹنا اور نذر آتش کر دینا ان کی لڑائیوں کا ایک ضروری جزو تھا اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں، زخمیوں، بیماروں اور مذہبی پیشواؤں کو بلا امتیاز تہ تیغ کرنا یا غلام بنا لینا ان کے ہاں بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔

جہاں تک اہل عرب کا تعلق ہے وہ فطری طور پر سخت جنگجو اور دلیر واقع ہوئے تھے اور ان میں مسلسل جنگیں جاری رہتی تھیں۔ ان میں جس طرح کے وحشیانہ اور اخلاق سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا ان کے تصور سے ہی دنیا کانپ اٹھتی تھی۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ تک چیر ڈالے جاتے۔ میدان جنگ میں ان کا مقصد پردہ دار سفید عورتیں ہوتیں یا چراگاہ سے واپس آنے والے اونٹ۔ ان کی تمام تر جنگیں لوٹ و غارت گری کیلئے ہوتی تھیں اور عورتوں کو بے پردہ کرنا، دشمن کی نعشوں کو گھسیٹنا، دشمن کے کان اور ناک کاٹ ڈالنا اور انہیں آگ میں زندہ جلانا ان کی جنگوں میں معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں۔

اسلام سے قبل کی جنگوں میں معاشی ضرورت کا پہلو زیادہ نمایاں تھا۔ چونکہ زمین عرب کی پیداوار اس کے باشندوں کیلئے بالکل ناکافی تھی اور دلیر اور تنومند انسانوں کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ممالک کے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ قدیم عرب اقوام نے اس مقصد کے پیش نظر دنیا کے بیشتر ممالک پر یلغار کی اور سخت خونریزی اور سفاکی کے بعد ان ممالک کے باشندوں کو مغلوب کیا اور وہاں عظیم الشان مملکتیں قائم کیں اور جو لوگ عرب میں رہ گئے تھے ان میں ہمیشہ قبائلی جنگیں جاری رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کی شدید معاشی ضرورت اور جنگجویانہ طبیعت کیلئے تین مہینوں (اشہر حرام) کی پابندی ناگوار تھی۔

الغرض ظہور اسلام کے وقت مختلف مذاہب بھلائی اور اخلاقی اصلاح پر مبنی نہ تھے۔ بلکہ ان تصورات کے تحت جتنی جنگیں لڑی جاتیں وہ سب قبائلی و نسلی عداوت، مال و دولت کی ہوس، وسعتِ سلطنت کی خواہش اور مذہبی تعصب کی بنا ہوتیں۔

یہ تھے عالمی نظام کے خدو خال جس کے تحت ظہور اسلام کے وقت اقوام عالم کا کاروبار زندگی چل رہا تھا۔ ان حالات میں حضرت محمد ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر یک و تنہا اٹھے۔





## حوالہ جات باب اول

- ۱- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Jutinian) بحوالہ ابوالحسن علی ندوی، "نبی رحمت" ص ۳۴
- ۲- Alfred J. Butler "Arabs, Conquest of Egypt and Last Thirty Years of Roman Dominion," (Oxford, 1902), pp. 44-45
- ۳- ایران بعهد ساسانیان، ص ۳۳۹
- ۴- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
- ۵- L.S.S.O'Malley, C.I.E.I.C.S, Popular Hinduism: the Religion of the Masses (Cambridge, 1924) pp. 144
- ۶- H. G. Wells, A Short History of the World (London, 1924) pp. 144
- ۷- رئیس احمد جعفری، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار، ص ۹۱-۹۰
- ۸- محمد حسین بیگل، "محمد رسول اللہ ﷺ"، ص ۹۳-۹۵

## باب ۲

## عالمی لیڈر کی شرائط اور حضرت محمد ﷺ

روم اور ایران کی دو بڑی ٹکراتی ہوئی تمدنی طاقتوں نے جو بحران پیدا کر دیا تھا اسے توڑنے کیلئے آپ ﷺ ایک تیسری طاقت بن کر اٹھے اور آہستہ آہستہ یہ تیسری طاقت جب اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی تو اس نے روم و ایران دونوں کو چیلنج کیا۔ دونوں کی مرعوب کن قیادتوں کے تحت الٹا دیئے اور عوام الناس کو خوفناک تمدنی تنفس سے نکال کر آزاد فضاؤں میں اڑان کا موقع دیا۔ اس طرح اولادِ آدم کے سامنے ایک راہِ نجات نکل آئی، کاروانِ زندگی جو رہزنوں کے درمیان گھرا کھڑا تھا وہ فلاح و ارتقاء کی راہوں پر گامزن ہو گیا۔ مگر یہ سب کچھ یوں ہی سرانجام نہیں پا گیا۔ اس کیلئے محسنِ انسانیت نے انسانیت کی دنیا کو طوفانی موجوں سے نکالنے کیلئے باقاعدہ ایک نظام کی بنیاد رکھی، اس کے نفاذ کیلئے حکمتِ عملی اختیار فرمائی۔ اس نظام کا دائرہ اثر کسی ایک قوم یا خطے تک نہ رکھا بلکہ اس کا پھیلاؤ تمام اقوامِ عالم اور پوری انسانیت تک پھیلا دیا۔ یوں حضرت محمد ﷺ نے اس نئے نظام کو قومی یا علاقائی حیثیت سے پیش نہیں کیا بلکہ ایک بین الاقوامی نظام کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس نئے عالمی نظام نے عالمی حالات کی سنگینی کو ختم کر کے رکھ دیا اور پورے اجتماعِ انسان کو اندر سے بدل دیا، اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ دی۔ اس طرح پوری کی پوری تبدیلی کے نتیجے میں جس کا دائرہ اثر ہمہ گیر تھا۔ شر، فساد، بد امنی اور بگاڑ کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا گیا اور انسانی زندگی کو نشاۃِ ثانیہ حاصل ہو گئی اور ایک ایسے بین الاقوامی دورِ تاریخ کا افتتاح ہوا جس میں خیر و فلاح، تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء تھا۔

بین الاقوامی سطح پر اس طرح کا عظیم ترین کارنامہ کوئی عالمی لیڈر ہی سرانجام دے سکتا ہے اور دنیا کا لیڈر ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ اس نے کسی خاص قوم یا نسل یا طبقہ کی بھلائی کیلئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی کیلئے کام کیا ہو۔ ایک محبِ وطن یا قوم پرست لیڈر کی اس حیثیت سے تو قدر کی جاسکتی ہے کہ اس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی۔ لیکن کسی غیر وطن یا غیر قوم کا وہ لیڈر بہر حال نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کی محبت، خیر خواہی اور کارگزاری سب کچھ ایک مخصوص ملک یا

علاقے سے ہو دوسرے علاقے کے لوگ اسے اپنا لیڈر کیسے مانیں گے؟ اور اپنی قوم کو دوسری سے افضل ٹھہراتا ہے اور دوسروں کو کمتر قرار دے کر اپنی قوم کی عظمت بڑھانا چاہتا ہے تو تب تو دوسری قوموں کے لوگ اُلٹا اس سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ساری قوموں کے انسان کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر صرف اس صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ اس کی نگاہ میں سب قومیں اور سب آدمی یکساں ہوں، وہ سب کا یکساں خیر خواہ ہو، اور اپنی خیر خواہی میں کسی طرح ایک دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

دوسری اہم شرط جو دنیا کا لیڈر ہونے کیلئے ضروری ہے وہ یہ کہ اس نے ایسے اصول پیش کئے ہوں جو ساری دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کرتے ہوں اور جن میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو۔ لیڈر کے معنی ہی رہنما کے ہیں۔ اس کی ضرورت ہوتی ہی اس لئے ہے کہ وہ فلاح اور بہتری کا راستہ بتائے۔ لہذا دنیا کا لیڈر وہ ہی ہو سکتا ہے جو ساری دنیا کے لوگوں کو ایسا طریقہ بتائے جس میں سب کی فلاح ہو۔

تیسری لازمی شرط دنیا کا لیڈر ہونے کیلئے ضروری یہ ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کیلئے نہ ہو بلکہ ہر حال اور ہر زمانے میں یکساں مفید ہو، یکساں صحیح اور یکساں قابل پیروی ہو۔ جس لیڈر کی رہنمائی ایک زمانے میں کارآمد اور دوسرے زمانے میں بیکار ہو اس کو دنیا کا لیڈر نہیں کہا جاسکتا۔ دنیا کا لیڈر تو وہی ہے کہ دنیا جب تک قائم ہے اس کی رہنمائی بھی کارآمد رہے۔

چوتھی اہم شرط یہ ہے کہ اس نے صرف اصول پیش کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا ہو بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں عملاً جاری کر کے دکھایا ہو اور ان کی بنیاد پر ایک جیتا جاگتا عالمی معاشرہ پیدا کر دیا ہو۔ محض اصول پیش کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر ہو سکتا ہے۔ لیڈر نہیں ہو سکتا۔ لیڈر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اصولوں کو عمل میں لا کر دکھائے۔

جو شخصیت مذکورہ چاروں شرطوں پر پورا اترتی ہے بلاشبہ وہ ہی ایک عالمی نظام پیش کرنے اور اسے نافذ کرنے کی حق دار ہو سکتی ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ چاروں شرطیں اس ہستی میں کہاں تک پائی جاتی ہیں جس نے ایک نئے اور ابدی عالمی نظام کی بنیاد رکھ کر پوری انسانیت کو امن اور چین میں رکھ دیا۔

پہلی شرط کے حوالے سے دیکھیے۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کسی قوم پرست یا محب وطن کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک محب انسانیت اور ایک عالمگیر نظریہ رکھنے والے انسان کی زندگی ہے۔ ان کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے۔ کسی خاندان، کسی طبقے، کسی قوم، کسی نسل یا کسی ملک کے خاص مفاد سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔ امیر اور غریب، اونچ اور نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، مشرقی اور مغربی، سامی اور آریں سب کو وہ اس حیثیت سے دیکھتے

تھے کہ یہ سب ایک ہی انسانی نسل کے افراد ہیں۔ ان کی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا فقرہ بھی ایسا نہیں نکلا، اور نہ ہی زندگی بھر میں کوئی کام انہوں نے ایسا کیا جس سے یہ شبہ کیا جاسکتا ہو کہ انہیں ایک طبقہ انسانی کے مفاد سے زیادہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی، اسی طرح ان کے رفقاءے کار بنے جس طرح عرب۔ اور ان کے بعد زمین کے ہر گوشے میں ہر نسل اور ہر قوم کے انسانوں نے ان کو اسی طرح اپنا رہنما تسلیم کیا جس طرح خود ان کی اپنی قوم نے۔

جہاں تک دوسری اور تیسری شرط کا تعلق ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے مخصوص قوموں اور مخصوص ملکوں کے وقتی اور مقامی مسائل سے بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی پوری قوت دنیا میں انسانیت کے اس بڑے مسئلے کو حل کرنے میں صرف کر دی جس میں تمام انسانوں کے سارے چھوٹے چھوٹے مسائل خود حل ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے

” (اے نبی) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا

کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ (۱)

” اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا

رسول ہوں۔“ (۲)

” اور اے نبی! ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر جہاں والوں کیلئے

رحمت کے طور۔“ (۳)

احادیث میں مختلف طریقوں سے حضور ﷺ کا یہ بیان ہے:

”میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“ (۴)

” پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں

تمام انسانوں کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔“ (۵)

ابتداءً ہر قوم میں الگ الگ پیغمبر آتے تھے اور ان کی تعلیم ان کی قوم ہی کے اندر محدود رہتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت سب قومیں ایک دوسرے سے الگ تھیں۔ ان کے درمیان زیادہ میل جول نہ تھا۔ ہر قوم وطن کی حدود میں گویا مقید تھی۔ اس کے علاوہ مختلف قوموں کے حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ خدا کے پیغمبر ہر قوم کو الگ الگ تعلیم و ہدایت دیں۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ آخر کار وہ وقت آیا جب نوع انسانی بچپن کی حالت سے گزر کر سن بلوغ کو پہنچنے لگی۔ تجارت و صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ قوموں کے تعلقات ایک دوسرے سے قائم ہو گئے۔ چین، جاپان سے لے کر یورپ و افریقہ کے دور دراز ملکوں تک جہاز رانی اور خشکی کے سفروں کا

سلسلہ قائم ہو گیا۔ اکثر قوموں میں تحریر کا رواج ہوا۔ علوم و فنون پھیلے اور قوموں کے درمیان خیالات اور علمی مضامین کا تبادلہ ہونے لگا۔ بڑے بڑے فاتح پیدا ہوئے اور انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر کے کئی ملکوں اور کئی کئی قوموں کو ایک سیاسی نظام میں ملا دیا۔ اس طرح وہ دوری اور جدائی جو پہلے انسانی قوموں میں پائی جاتی تھی رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی اور یہ ممکن ہو گیا کہ اسلام کے ایسے نظام کی بنیاد رکھ دی جائے جو تمام دنیا کے لئے ہو۔ چنانچہ یہ نظام آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل حضرت محمد ﷺ نے پیش کر دیا۔

آخری شرط کو لیجئے! یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے صرف تصورات ہی پیش نہیں کئے تھے بلکہ ان تصورات پر ایک زندہ معاشرہ پیدا کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے ۲۳ برس کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کو خدا کی حکومت کے آگے سِرِ اطاعت جھکانے پر آمادہ کر لیا۔ ان سے خود پرستی بھی چھڑائی اور خدا کے سوا دوسروں کی بندگی بھی۔ پھر ان کو جمع کر کے خالص خدا کی بندگی پر ایک نیا نظام اخلاق، نیا نظام تمدن، نیا نظام معیشت اور نیا نظام حکومت بنایا اور تمام دنیا کے سامنے اس بات کا عملی مظاہرہ کر کے رکھ دیا کہ جو اصول وہ پیش کر رہے ہیں اس پر کیسی زندگی بنتی ہے اور دوسرے اصولوں کی زندگی کے مقابلے میں وہ کتنی اچھی کتنی پاکیزہ اور کتنی صالح ہے۔

متذکرہ خصائل کے علاوہ چند دیگر حقائق بھی حضرت محمد ﷺ کو ایک عالمگیر شخصیت ٹھہراتے ہیں۔ ان میں ایک حقیقت کا تعلق تو مقامِ دعوت سے ہے۔ عرب باوجود بے آب و گیاہ خطہ ہونے کے اس وقت کی متمدن دنیا میں وسطی حیثیت رکھتا تھا، مشرق و مغرب اور شمال سے آنے والے تمام کاروانی راستے عرب کی سرزمین میں آ کے ملتے تھے اور مختلف ممالک کے درمیان جتنی تجارتِ خارجہ ہوتی تھی اس کا واسطہ عرب ہی کے تجارت تھے۔ عمان اور یمن، صنعاء اور مکہ، جدہ اور ینبوع، مدینہ اور دومتہ الجندل کے درمیان کاروانوں کی آمد و رفت رہتی، جو عربی رہنماؤں کے، قریش کے پروانہ ہائے راہداری اور اہم قبائل کے بدرقوں کے بغیر سلامتی سے گزر نہ سکتے تھے۔ اس طرح عرب کی سرزمین خصوصاً مکہ، طائف، مدینہ، ینبوع اور دومتہ الجندل کا رابطہ ہند، چین، ایران، عراق، مصر، روم اور حبش کے تمام علاقوں سے تھا۔ یہاں کسی بین الانسانی دعوت کا مرکز دوسرے ہر علاقے سے زیادہ کامیاب ہو سکتا تھا۔ پھر سرزمین عرب میں مکہ، مدینہ کے مقامات یہ اہمیت رکھتے تھے کہ مذہبی اور تجارتی اور تمدنی حیثیت سے ان کی قیادت کا سکہ چلتا تھا۔ عرب کا غیر متمدن اور بتلائے انتشار ہونا اور اقتصادی حیثیت سے کمزور ہونا اگرچہ کئی مشکلات کا باعث تھا مگر اس کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ یہ علاقہ بیرونی تسلط سے بھی بڑی حد تک آزاد تھا اور داخلی طور پر بھی کوئی طاقت نہ تھی جو باقاعدہ سیاسی اقتدار پورے ملک پر جما چکی ہوتی اور پھر

اقتدار، قانون اور تعلیم سے کام لے کر انسانوں کو ایک خاص نقشے پر ڈھال چکی ہوتی۔ ایسی طاقت اگر کوئی موجود ہوتی تو وہ اسی دعوتِ حق کو کچل سکتی تھی جیسے پہلے بعض ظالم بادشاہوں نے انبیاء کی دعوتوں کو تکمیل تک پہنچنے سے قبل روک دیا۔ بلاشبہ قریش کا بڑا گہرا اثر موجود تھا اور یہ پورے زور سے رکاوٹ بنا۔ لیکن قریش کو پورے عرب میں باقاعدہ سیاسی تسلط حاصل نہ تھا۔ ان کا مذہبی و تجارتی اثر کتنا بھی گہرا رہا ہو، منظم حکومت کا بدل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ نے نئے عالمی نظام کا تصور بڑی کامیابی سے نہ صرف پیش فرمایا بلکہ اس کے عملی نفاذ کا آغاز کر کے اس نظام کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی بنیادیں بھی فراہم کر دیں۔



## حوالہ جات باب دوم

- ۱۔ القرآن (سبا: ۲۸)
- ۲۔ القرآن (الاعراف: ۱۵۸)
- ۳۔ القرآن (الانبیاء: ۱۰)
- ۴۔ مسند احمد، مرویات ابو موسیٰ اشعریؓ
- ۵۔ بخاری و مسلم

## باب ۳

## رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول

## ۱۔ دعوتِ توحید

رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اولین اور بنیادی مقصد وہی تھا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔ یعنی دعوتِ توحید۔ دنیا میں حضرت محمد ﷺ تک جتنے بھی انبیاء تشریف لائے انہوں نے سب سے پہلے انسانوں کو جس بات کی طرف دعوت دی وہ یہ تھی کہ

”أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاهُ“

یعنی اس مالکِ حقیقی کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

آسمانی تعلیمات کا یہ بنیادی نقطہ ہے جسے ہر نبی اور رسول کے پیغام میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو جب جیل میں تبلیغِ دین کا موقع ملا تو جیل کے ساتھیوں کو انہوں نے سب سے پہلے جو حیاتِ افروز سبق دیا وہ یہ تھا:

”يا صاحبى السجن أرباب متفرقون خير ام الله

الواحد القهار“

”اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا یہ مختلف اور متعدد جھوٹے خدا اس

اکیلے طاقت والے سے بہتر ہو سکتے ہیں۔“ (سورہ یوسف ۱۲: ۳۹)

حضرت شعیبؑ اور حضرت ہودؑ نے قوم کو پکارا تو ان کی سب سے پہلی پکار یہ تھی:

”يا قوم اعبد الله مالكم من الہ غیرہ“

حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو ان کا اولین پیغام یہ تھا:

”ان اعبدوا الله واتقوه واطيعون“

اس کی بندگی اور اسی کی اطاعت۔



یہ وہ لازوال حقیقت تھی جسے اجاگر کرنے کیلئے انبیاء کرام کی بعثت ہوئی اور جو آدمی کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت زمانہ فطرت کی اس لازوال حقیقت سے صرف نظر کر کے تباہی کو دعوت دے رہا تھا۔ اور انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا۔ اسی حقیقت میں قرآن میں فرمایا گیا کہ

”اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے خدا نے تم کو بچا لیا۔“

حضور ﷺ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہی ٹھہرا کہ بنی نوع انسان کو ظلمت کے اندھیروں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لایا جائے۔ قرآن میں ہے:

”الف۔ لام۔ میم! یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اے رسول تم پر نازل کی ہے تاکہ تم انسانیت کو پروردگار کے حکم سے ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اس رب کے راستے کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

”وہی (اللہ ہے) جس نے اپنے رسول ﷺ کو ضابطہ ہدایت اور دین حق دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے مقابلے میں اسے (پوری انسانی زندگی پر) غالب کر دے۔ اگرچہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔“ (سورۃ الصف: ۶۱)

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے

”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،

کا پیغام انسانوں تک پہنچایا اور دعوت دی کہ خدا قانون ساز ہے اور محمد ﷺ تمام دنیا خصوصاً بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی ترسیل کیلئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ اللہ صرف ایک ہے، اس نے ہمیں بنایا ہے، وہی ہماری پرورش کرتا ہے، اسی کے حکم سے موت آتی ہے اور وہی دنیاوی زندگی کا حساب لے گا اور جیسے بھی چاہے گا سزا یا جزا دے گا۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے چنانچہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ یہ مسلک کا معاملہ ہو یا عقیدہ کا، معاشرتی رویہ ہو یا سیاسی یا کچھ اور، اپنے خالق و مالک کے احکام

کی پابندی کرنی چاہیے۔ (۱)

دعوتِ توحید کا یہ اصول رسالت مآب کی خارجہ پالیسی میں ہمیشہ اور ہر حالت میں قائم رہا۔ حج کا موقع تھا یا تجارتی میلوں کی رونق، جنگ کا پڑاؤ یا غیر ملکی وفود کی آمد ہر موقع پر اس دعوتِ حق کو لوگوں تک پہنچانا آپ ﷺ کا مقصودِ اول رہا۔ حتیٰ کہ غیر ملکی سربراہانِ مملکت کو بھی دعوتی خطوط ارسال کر کے اس ذمہ داری کو پورا فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی مقصد یعنی دعوت و توحید کے ضمن میں بعض دیگر اصول بھی متعین ہو جاتے ہیں جو دفاع اور استحکامِ ریاست کیلئے ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔

## ۲۔ دفاعِ ریاست

دنیا کی تمام ریاستیں ہر زمانے میں بیرونی حملوں سے بچاؤ کیلئے مختلف اقدامات اور بندوبست کرتی آئی ہیں۔ اس غرض سے بیرونی طاقتوں سے تعلقات جوڑے اور ان سے امداد و تعاون بھی حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی سربراہی میں قائم پہلی اسلامی ریاست شدید بیرونی خطرات سے دوچار تھی۔ قریش مکہ کی ایذا رسانیوں اور ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینہ آنے والے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا کہ مکہ والے کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں۔ ان خطرات میں نئی اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے اقدامات ناگزیر ہو گئے تھے۔ ویسے بھی نظامِ حق کی اقامت، اس کے تحفظ اور اس کے فروغ کیلئے سیاسی اور فوجی قوت کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ داخلی امن مستحکم ہو جانے کے بعد مدینہ سے باہر جن علاقوں میں سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے گزر کر عراق، شام یا مصر کی طرف آتے جاتے تھے۔ رسولِ خدا ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہمی فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔

## ۳۔ امنِ عالم

یہ بات مسلماتِ دین میں سے ہے کہ ہر دور اور ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجا گیا۔ مگر یہ سب نبی ایک خاص خطہ زمین، ایک خاص زمانے اور ایک خاص قوم کیلئے تھے، ان میں کسی کی شریعت عالمگیر نہ تھی۔ ان میں سے کسی کا پیغام سارے زمانوں کیلئے نہ تھا۔ لیکن محمد ﷺ کی نبوت اور شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی خاص زمانے یا قوم تک محدود نہ تھی بلکہ تمام بنی نوع انسان کیلئے تھی اور آنحضرت ﷺ کا مقصد بھی یہ تھا کہ ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم ہو جو امن و سلامتی پر مبنی ہو۔ کیونکہ اسلام امن کے فروغ اور سلامتی کی ترویج کو عزیز رکھتا ہے۔ قرآن میں ہے:

”اور اللہ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرما دے  
گا۔“ (۲۴:۵۵)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ امن و سلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمہارا حامی و  
مددگار ہوگا کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی  
پردہ نشین خاتون تنہا کسی محافظ و معاون کے بغیر مدینہ سے  
الحمر اکا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔ اور کوئی چور  
اور رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔ (۲)

ایک آیت مبارکہ میں قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں یہ اعلان بھی ضروری سمجھا کہ حضرت  
محمد ﷺ کی بعثت اور کتاب اللہ کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان پر سلامتی کی راہیں کھول  
دی جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

”بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب  
آچکی ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے  
طلب گار ہیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں  
سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔“ (المائدہ: ۱۵-۱۶)

اسلام کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراطِ مستقیم  
ہیں۔ اور وہ راستے جو فتنہ و فساد اور خونریزی کی طرف جاتے ہیں اللہ کے نزدیک بنی نوع انسانی کی گزرگاہ  
بننے کے قابل نہیں ہیں۔ (۳)

### ۴۔ معاہدات کا احترام

اسلام نے اس اصول پر بطور خاص زور دیا ہے کہ معاہدات کا پورا احترام کیا جائے۔ معاہدے  
پر عملدرآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اور نقصِ عہد کو بدترین عمل قرار دیا ہے  
اور اس امر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ معاہدے کا حقیقی مقصد امن اور سلامتی کو بحال کرنا ہے خواہ  
حالات کتنے ہی اضطراب انگیز اور تشویش ناک کیوں نہ ہوں اور اس بات سے خبردار کیا کہ معاہدے پر  
سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے ایمان والو! اپنے معاہدات پورے کیا کرو۔“ (المائدہ: ۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”اور تم عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ (الاسراء: ۱۷)

اور حد تو یہ ہے کہ ایک معاہدہ قوم کے خلاف مسلمان، مسلمانوں سے مدد کی اپیل کریں تو ایسا کرنے کی مجاز نہیں۔ قرآن میں ہے:

”اور اگر وہ دینی معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے ہاں اس قوم کے خلاف تم ان کی مدد نہیں کر سکتے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو!“  
(الانفال: ۷۲)

البتہ دوسرا فریق اگر معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا دشمن کی طرف سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اسلام معاہدے کو توڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن میں ہے:

”اگر آپ ﷺ دشمن سے خیانت اور بدعہدی کا اندیشہ ہو تو پھر برسرِ عام معاہدہ ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (الانفال: ۵۸)

## ۵۔ التوائے جنگ یا صلح

آپ ﷺ نے بلا جواز جنگ سے ہمیشہ گریز کیا اور ان راستوں کو پسند فرمایا جو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھا کہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ طرزِ عمل قرآن میں اس اشارہ کے بالکل عین مطابق تھا کہ

”(اے محمد ﷺ) اگر دشمن مائل بہ صلح ہو تو آپ بھی ایسا ہی کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ بلاشبہ وہ سمیع و علیم ہے، اور اگر وہ دھوکہ دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے۔ وہ خدا ہی ہے جس نے خود آپ ﷺ کی اور مومنوں کی (ایسے موقع پر بھی) مدد فرمائی۔“ (الانفال: ۶۱-۶۲)

## ۶۔ بلا وجہ تنازع سے پرہیز

تمام بنی نوع انسان بحیثیت خلقت آپس میں برابر اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی شخص یا

کوئی قوم، نسل، انسانی، رنگ یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے سے برتر نہیں ہو سکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔“ (النساء: ۱)

اسلام نسل، انسانی کی وحدت کا پیغامبر ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ایک عالمی انسانی برادری قائم کی جائے۔ لہذا بلاوجہ کسی سے تنازعہ پیدا کرنا ناجائز ہے۔ قرآن نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ یعنی!

”اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے جنگ نہیں کی۔ تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ صرف ایسے (غیر مسلم) لوگوں سے تمہیں دوستی پیدا کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی، تمہیں گھروں سے نکالا اور تمہارے بے گھر کرانے میں دشمنوں کی مدد کی اور جو بھی ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔“

(الممتحنہ: ۸-۹)

## ۷۔ حق کی معاونت اور ظلم سے اجتناب

رسول اللہ کی خارجہ پالیسی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ حق کی حمایت کی اور ظلم کی مخالفت کی۔ مسلمانوں کو جنگ کی اس لئے اجازت دی گئی کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے، دین کی آزادی برقرار رہے اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی حفاظت کا سرو سامان بہم پہنچ سکے۔ اسلام نے جہاں جنگ کی اجازت دی ہے وہاں طمع، انتقام اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی سے بھی منع کیا ہے۔ مقصد یہ کہ امن اور ”سلامتی“ برقرار رہے، حالات سازگار اور پر امن ہوں اور عدل و انصاف کے زیر سایہ آدمی زندگی گزار سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

”اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے ہو اور ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی راہ میں نہیں لڑتے ہو جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس آبادی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما دے۔“

(النساء: ۷۵)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

”خدا کی قسم، تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا ہوگا، برائی سے روکنا ہوگا، ظالم کے ہاتھ پکڑنے ہوں گے اور اسے حق کی طرف موڑ دینا اور حق پر مجبور کرنا ہوگا، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو ایک جیسا کر دے گا۔“

## ۸۔ اندرونی استحکام

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تاریخ عالم اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود و نصاریٰ اور خود انصار کے دو گروہوں اور خزر ج کی پرانی عدوت کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار تھی۔ دفاعِ مدینہ کے لئے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے۔ چنانچہ رسالت مآب نے سب سے پہلے اس کیلئے کوششیں کیں اور تمام فریقین کو ایک معاہدہ پر متفق کیا۔ اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں مامون زندگی بسر کرنے اور قوت و طاقت اور وسائلِ عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود دفاعِ وطن کیلئے سب کو متحد اور صرف واحد بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ بیرونی حملے اور غارت گری کے خلاف بھی اور داخلی اختلافات کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے میں بھی۔ علی الرغم اس بات کے کہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیش رسول ﷺ کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت اس جیش پر آپ ﷺ اعتماد کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے دلوں میں عقیدہ راسخ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ لوگ اس عقیدے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین تھا جو بالکل صاف اور واضح تھا اور مسلمان اس

کے تحفظ اور دفاع کیلئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے۔ (۴) مسلمانوں کا یہ جذبہ ایثار و قربانی رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ میں کامیابیوں کا ایک بہترین اصول قرار پایا۔

## ۹۔ فنونِ حرب کی ترقی و استفادہ

اگر کوئی مکمل اور مضبوط فوج حکومت کے پاس نہ ہو تو وہ ہر دشمن کیلئے ایک نہایت آسان شکار ہے۔ دشمن اس کے بارے میں آس لگائے رکھتا ہے اور اس کی قوت و شوکت سے خائف نہیں ہوتا، لیکن اگر ایک مضبوط اور قوی فوج موجود ہو تو دشمن اس کی سنتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنے شوقِ جور و ستم کا اسے نشانہ بنائے۔ لہذا امن و امان برقرار رہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

”ان کے مقابلے کیلئے جتنی طاقت مجتمع کر سکتے ہو کر لو۔ اور گھوڑے پالو۔ اس طریقے سے اپنے اور خدا کے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھا دو، اور اپنے ان دشمنوں کو بھی مرعوب کرو جنہیں تم نہیں جانتے خدا جانتا ہے، اور تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر کسی طرح ظلم نہ ہونے پائے گا۔“ (الانفال: ۶۰)

جنگ کے سلسلے میں اسلام نے ایک تو قوت و طاقت کے سرو سامان اور دوسرے رباط کا بندوبست یعنی اسلحہ و سامان پر زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں۔“

اس طرح اسلام اسلحہ سازی کیلئے معاملہ حربیہ کا سامان بہم پہنچانے کی بھی ترغیب دیتا ہے اور فولاد و آہن کا بطور خاص اس سلسلے میں ذکر کرتا ہے کہ عسکری اغراض کیلئے اس سے استفادہ کیا جائے۔ قرآن میں ہے:

”اور ہم نے لوہا اتارا، جس میں شریک جنگ کا (زور) بھی ہے اور لوگوں کیلئے منافع بھی، تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔ بیشک خدا قوی اور غالب ہے۔“ (الحديد: ۲۵)

رسول خدا نے فوجی تربیت کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ بہ نفس نفیس گھڑ دوڑ کے میدان میں جاتے اور جیتنے والوں میں انعامات تقسیم فرماتے۔ تیر اندازوں کو نشانہ بازی کی مشق کرائی جاتی۔ پتھر پھینکنے کی تربیت دی جاتی اور اسی طرح کے دوسرے فنون حرب میں نوجوانوں کو مہارت دلائی جاتی۔ رسول خدا ایسے مواقع پر اکثر موجود ہوتے جس سے نوجوانوں کی زبردست حوصلہ افزائی ہوتی۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ہر جنگ سے پہلے پوری طرح سامان مکمل کیا اور اپنی مادی و معنوی انتہائی طاقت اکٹھی کرنے میں کبھی تردد سے کام نہ لیا۔ اسلحہ سازی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ اشارہ فرما کر بھی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ

”ایک تیر تین مسلمانوں کے داخلہ جنت کا سبب بن جاتا ہے۔ (۱) جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کرنے والے کو (۲) بنانے والا جو اپنے عمل میں ثواب و اجر خداوندی کا یقین رکھتا ہو اور (۳) اس شخص کو جو گرے ہوئے تیراٹھا اٹھا کر، پھر تیر انداز کے حوالے کرتا ہے۔ پس تم تیر اندازی کیا کرو۔ اسپ رانی کیا کرو، اور ہاں! تمہاری تیر اندازی، تمہاری اسپ رانی سے مجھے زیادہ عزیز ہے۔“

## ۱۰۔ خبر رسائی

دشمن سے مامون رہنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنی قوت اور مواصلات کی نگہبانی کی جائے، دشمن کو معلومات حاصل کرنے سے روکا جائے۔ نیز دشمن کی فوجی تیاریوں اور سیاسی چالوں کا بھی بروقت پتہ لگایا جائے تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوجوں کی حفاظت کیلئے تمام غزوات میں انتظام کئے اور اپنی کوشش پوری طرح صرف کر دی کہ دشمن کو معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور اسی طرح وہ امن میں رہ سکیں (۵) آپ ﷺ نے اپنے تمام اعمال میں رازداری سے کام لیا اور مسلمانوں کو اپنے راز محفوظ رکھنے کی ترغیب دی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا پورا بندوبست موجود تھا۔ اسلامی مملکت کے شعبہ اطلاعات کو خاص طور پر فروغ دیا گیا۔ ملک کے اندر اور باہر نامہ نگار مقرر کئے گئے جو مکہ، نجد، طائف اور متعدد دوسرے مقامات کے اسلام کے زیر نگین آنے سے قبل بھی رسول اللہ ﷺ کو پل پل کی خبریں ارسال کرتے رہتے تھے۔



## ۱۱۔ معاشی دباؤ یا نا کہ بندی

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عناصر کا خون بہانے کی بجائے اسے بے بس کر دیا جائے تاکہ وہ تعاون کرے یا وہ مزاحمت چھوڑ دے۔ یہ کلیہ خاص طور پر قریش مکہ کے خلاف اپنایا گیا۔ مدینہ چونکہ قریش کی معروف تجارتی گزرگاہ کے سرے پر واقع تھا اور یہ سب جانتے ہیں کہ قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کو کس طرح تکلیفیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا تھا۔ آپ ﷺ نے مختلف اقدامات فرما کر قریشی کاروانوں کا راستہ بند کر دیا۔ تاکہ معاشی دباؤ میں آکر وہ مسلمانوں کی دشمنی ترک کر دیں۔

## ۱۲۔ تالیفِ قلبی

سیاسی مقاصد کیلئے مملکت کی خفیہ سروس، نو مسلموں اور غیر مسلموں کی امداد و اعانت کی گنجائش اسلام میں رکھی گئی ہے۔ قرآنی آیت میں کہا گیا ہے:

”زکوٰۃ مفلوسوں کیلئے ہے اور محتاجوں (غیر مسلموں میں) کے لئے۔ اور وہ ان کیلئے جو اس (کی وصولی) کا کام کرتے ہیں۔ اور ان کیلئے جن کی تالیفِ مطلوب ہے اور اسیروں اور غلاموں کی گردن چھڑانے (آزاد کرانے) کیلئے، اور قرضہ داروں کے قرض ادا کرنے کیلئے، اور اللہ کی راہ میں (صرف کرنے کیلئے) اور مسافروں کیلئے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا (فرض) ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“ (توبہ: ۶۰)

محسنِ انسانیت نے تالیفِ قلبی کے اصول کے تحت دشمنوں تک کی مدد فرمائی تاکہ ان میں مسلمانوں کے بھی خواہ پیدا ہوں اور مختلف مواقعوں پر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

## ۱۳۔ انسانی خون کی عزت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی جنگوں میں ہمیشہ انسانیت کے احترام کا اصول مقدم رکھا اور کسی بے گناہ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور ہمیشہ بے گناہوں کے مال اور جان کی حفاظت کے خواہشمند رہے۔ مسلمان غزوہ موتہ پر جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ

”عورتوں، بچوں، اور معذور لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، کسی

مکان کو نہ گرایا جائے، کوئی درخت نہ کاٹا جائے۔“

یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔ اسی طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے۔ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔ (۶)

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

”میں رحمت کا پیغمبر ہوں، میں جنگ کا پیغمبر نہیں ہوں۔“

### ۱۴۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری

اسلام کا بین الاقوامی قانون قاصدوں اور سفیروں کو امن دینے اور ان کی حفاظت کرنے پر مشتمل ہے، انہیں کسی حالت میں بھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی جاسکتی۔ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن النورجہ اور ابن اتال جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں کسی قاصد

کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمہیں قتل کر دیتا۔“



## حوالہ جات باب سوم

- ۱- ڈاکٹر حمید اللہ، "محمد رسول اللہ ﷺ" ترجمہ نذیر حق، نقوش - جلد ۲، ص ۵۴۴
- ۲- احمد بن حنبل، مسند احمد
- ۳- کوثر نیازی، "اسلام ہمارا دین" ص ۷۳-۷۴
- ۴- رئیس احمد جعفری، "حضور کثیت سپہ سالار" ص ۸۸-۸۹
- ۵- ڈاکٹر حمید اللہ، "محمد رسول اللہ ﷺ"، نقوش، جلد ۲، ص ۶۲۲
- ۶- ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی" ص ۲۲۴

## ہجرت: رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کی بنیاد

ساری تاریخِ انسانی نقلِ مکانی یا ہجرت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جب کبھی حالات ایک شہر، خطے، علاقے یا ملک میں ایسے سنگین ہوئے کہ وہاں کے باشندوں کی جان و مال کو شدید خطرہ لاحق ہو اور ان کیلئے اپنے ہی علاقے میں رہائش رکھنا مشکل ہو گیا تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کی طرف نقلِ مکانی کر گئے۔ ماضی میں لوگوں کی یہ نقلِ مکانی انفرادی اور اجتماعی دونوں نوعیت کی تھی۔

تاریخ میں ہجرت کے واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ نقلِ مکانی کے اسباب و محرکات اور مقاصد مختلف رہے ہیں۔ کبھی قحط اور آسمانی آفت کے خوف سے لوگ ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہوئے۔ کسی نے روزگار کی تلاش میں نئے علاقہ میں قیام کیا، کوئی سیروسیاحت کی غرض سے نکلا۔ کئی ایک غلام بنا کر دوسرے علاقوں میں فروخت کر دیئے گئے۔ کئی ایک مفتوح ہونے کے بعد جنگی قیدیوں کی شکل میں سزا کے طور پر نئے خطوں میں بسائے گئے، کئی دشمن کے خوف سے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور بعض دفعہ ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی خاطر نقلِ مکانی پر مجبور ہوئے۔

جس طرح ان ہجرتوں کے اسباب و مقاصد مختلف تھے اس طرح ان کے اثرات اور نتائج بھی مختلف تھے۔ کئی واقعات کے نتیجے میں جنگیں ہوئیں اور قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ لیکن بعض ہجرتیں ایسی بھی ہوئیں جنہوں نے انسان کی فلاح و بہبود اور تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں خاص طور پر مثبت کردار سرانجام دیا۔ ان میں سرفہرست حضرت آدمؑ کی ہجرت ہے۔ جسے ”ہبوط“ کا نام دیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو شجر ممنوعہ کو چھونے یا اس کے قریب جانے سے منع کیا لیکن شیطان کے بہکاوے میں آکر وہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی بلندیوں سے نکال کر زمین کی طرف بھیج دیا۔ یہ انسان کی پہلی ہجرت تھی جو آسمانوں سے زمین کی طرف کی گئی۔ پھر حضرت آدمؑ اور حواؑ کے اکٹھے ہونے پر انسانی زندگی کا پھیلاؤ شروع ہوا جو عقل، علم، ارادہ اور جذبات و احساسات کی بناء پر اشرف المخلوقات قرار دی گئی۔ پھر حضرت آدمؑ کی وفات کے ۱۰۵۶ برس بعد حضرت نوحؑ پیدا ہوئے۔ کئی سو سال تک قوم نے حضرت نوحؑ کی دعوتِ حق کے باوجود احکامِ الہی کی پرواہ نہ کی اور حضرت نوحؑ اور ان کے

چند پیروکاروں پر ظلم و ستم انتہا تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی اور فرمایا کہ اب اس قوم پر محنت فضول ہے، جو ایمان لا چکے سولا چکے، غرقابی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ حضرت نوح نے حکم الہی کی تکمیل کرتے ہوئے کشتی بنائی اس میں اپنے پیروکاروں سمیت سوار ہو گئے۔ پھر ہر طرف چشمے اگلنے لگے اور آسمان سے پانی برسنے لگا۔ اس طوفان و باد و باران میں قوم نوح تباہ ہوئی اور کشتی اپنے سواروں کو لے کر کوہِ جودی پر جا کر جہاں حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں نے ”سوق الثمانین“ نامی بستی قائم کی۔

حضرت نوح کی وفات کے تین سو سال بعد حضرت ابرہیم عراق میں پیدا ہوئے، جہاں بت پرستی اور شرک کا دور دورہ تھا۔ جب انہوں نے اس کے خلاف نعرہ حق بلند کرتے ہوئے توحید کی تبلیغ کی تو گھر سے نکال دیئے گئے بلکہ نمرود کی آگ میں جھونکے گئے۔ اللہ کی رحمت سے محفوظ رہے لیکن وطن چھوڑنا پڑا اور فلسطین کی طرف چلے گئے۔ پھر یہیں اہل و عیال کو چھوڑ کر دین حنیف کی خاطر مصر کی طرف ہجرت کی۔ جہاں کے بادشاہ کی بیٹی حاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسمعیل پیدا ہوئے۔ حضرت اسمعیل نے وادی غیر ذی زرع کو اپنا وطن بنایا جسے بعد میں مکہ کے نام سے عالمگیر شہرت ملی۔ پھر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی۔ بعد میں عالم اسلام کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مرکز قرار پایا۔

حضرت یوسف کے بھائی ان سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے سازش کر کے انہیں کنویں میں پھینک دیا جہاں سے گزرنے والا ایک قافلہ انہیں نکال کر مصر لے گیا اور ایک سردار کے پاس بطور غلام فروخت کر دیا۔ فلسطین سے مصر کی طرف یہ ہجرت ایک تو انفرادی تھی اور دوسرا جبری۔ اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسف پہلے قید رہے، پھر ایک وقت آیا جب وہ عزیز مصر کے وزیر مقرر ہوئے اور پھر خود حکمران بنے۔ اس کے بعد خود ان کے والدین اور بھائی بھی نقل مکانی کر کے مصر میں آ گئے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی مدد کیلئے مصر کو خیر باد کہا اور مدین میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر دوبارہ اپنی قوم کو فرعون کے ظلم و ستم سے بچانے کیلئے حکم الہی سے حضرت ہارون کے ساتھ مصر پہنچے۔ لیکن حالات پھر پریشان کن رہے اور مجبوراً اپنی قوم کو لے کر ہجرت کی غرض سے نکل پڑے۔ اس ہجرت میں لاکھوں افراد نے حصہ لیا۔ فرعون پیچھا کرتے ہوئے سمندر میں اپنے لشکر سمیت غرق ہوا۔ لیکن حضرت موسیٰ اپنی قوم سمیت سمندر پار کر گئے۔ اور صحرائے سینائی میں قیام پذیر ہوئے، پھر فلسطین میں جا کر بسے جہاں لوگوں کے نظریات، معاشرت اور سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے اور طاقتوں کے بدل کا سبب بنے۔

بعض محققین کے مطابق جب ابتدائی عربوں نے صحرا کو بطور وطن اپنایا تو رفتہ رفتہ ان کی تعداد

میں اس قدر اضافہ ہوا کہ صحرا کی بے رحم آب و ہوا اور قلیل پیداوار ان کی کفالت نہ کر سکی اس لئے ان کی کثیر تعداد نے ہلال زرخیز کی طرف ہجرت کی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس قسم کی ہجرت ہر ہزار سال بعد ہوتی تھی۔ اس قسم کی سامی النسل عربوں کی پہلی ہجرت ۳۵۰۰ قبل مسیح ہوئی۔ جس کی فاضل آبادی وادی نیل اور پھر مصر میں جا کر آباد ہوئی۔ تقریباً اسی دور میں دوسری ہجرت ہوئی جس میں ہجرت کرنے والوں نے وادی دجلہ و فرات پر قیام کیا۔ مقامی آبادی اور مہاجرین کے امتزاج سے ایک مخلوط نسل پیدا ہوئی جو تاریخ میں اہل بابل کے نام سے مشہور ہوئی۔ سامی النسل کی ایک اور ہجرت تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح ہوئی۔ ۱۵۰۰ ق م اور ۱۲۰۰ ق م کے درمیان عبرانیوں نے جنوبی شام، فلسطین اور آرمینیا کی طرف ہجرت کی، تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح میں اہل انباط نے جزیرہ نما سینائی کے شمال مشرقی علاقے کی طرف ہجرت کر کے وہاں کی وطنیت اختیار کی۔

جدید تاریخ میں بھی نقل مکانی کے کئی ایک ایسے واقعات موجود ہیں کہ جن کی بناء پر بعض اوقات ملکوں کی جغرافیائی حالت تک بدل گئی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں لاکھوں باشندے یورپی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد ہزاروں فلسطینی باشندوں کو ان کے وطن سے نکال دیا گیا جس کی بناء پر پورا مشرق وسطیٰ جنگ کی لپیٹ میں رہا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد لاکھوں مسلم باشندے ہندوستان سے نئی ریاست پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔ پاکستان کے بعض شہروں میں مہاجرین کی کثیر تعداد میں آباد کاری کے باعث آبادی کا توازن بگڑا اور مہاجرین کی تعداد مقامی آبادی سے زیادہ ہوئی تو بہت سے مسائل نے جنم لیا نتیجہ تشدد اور فسادات ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے لاکھوں رہائشیوں کی ہندوستان کی طرف نقل مکانی کا بہانہ بنا کر ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا۔ نتیجہ ایک نیا ملک بنگلہ دیش معرض وجود میں آیا۔ ۱۹۷۹ء میں عالمی طاقت سوویت یونین کی افغانستان میں براہ راست فوجی مداخلت کے نتیجہ میں لاکھوں افغان باشندے نقل مکانی کر کے پاکستان، ایران اور دیگر ممالک میں پناہ گزین ہوئے۔ پاکستان اور ایران میں بیٹھ کر ان مہاجرین نے سوویت یونین کے خلاف منظم گوریلا جنگ لڑی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت یونین کو افغانستان سے اپنی فوجیں نکالنا پڑیں۔ ممکن تھا کہ افغان باشندے اپنے ملک میں رہتے ہوئے ایک غیر ملکی طاقت کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ پاکستان اور ایران میں پناہ گزین ہو کر وہ سوویت یونین کے خلاف محاذ بنانے کی بہتر پوزیشن میں تھے۔

نقل مکانی اور ہجرت کے ان مختلف واقعات کے تاریخی پس منظر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہجرت کرنے والے علاقوں، خطوں اور ملکوں کی معاشرت، معیشت اور سیاست پر اس طرح سے اثر انداز

ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ملکوں کا جغرافیہ تک بدل جاتا ہے۔ کئی قومیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں تو کئی ایک جنم لیتی ہیں، کئی خطے برباد ہوتے ہیں تو کئی آباد۔ ہجرت کے واقعات کے تحت ان مختلف پہلوؤں کا تعلق براہ راست ملکوں کی اندرونی سیاست سے بھی ہے اور بیرونی سیاست سے بھی۔۔۔۔! اسی تناظر میں جب ہم ”ہجرتِ حبشہ“ اور ”ہجرتِ مدینہ“ کے واقعات اور عالمگیر اثرات کا جائزہ لیں گے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ دورِ نبویؐ میں واقع ہونے والی ان ہجرتوں نے کس طرح دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

### ہجرتِ حبشہ

جب حضور پاک ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور تمام اہل مکہ کو تو حید کا پیغام پہنچایا تو کفار مکہ اپنے بتوں کی مخالفت برداشت نہ کر سکے اور حضورؐ کے خلاف ہو گئے اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کون سا ایسا ظلم تھا جو ان کفار نے آپؐ پر روا نہ رکھا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ نماز کی حالت میں آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر گھسیٹا اور نیچے گرایا گیا۔ لیکن حضور ﷺ پایہ استقامت سے پیغامِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کا فرض نبھاتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض ایسی شخصیات نے اسلام قبول کیا جن کو قریش مکہ میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ اس طرح قریش نے جب محسوس کیا کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنے ظلم و ستم میں اور اضافہ کر دیا۔ ان حالات میں آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا جہاں کا عیسائی حکمران نجاشی بڑا منصف مزاج اور رحمدل تھا۔ اس جماعت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

- |      |                            |      |                              |
|------|----------------------------|------|------------------------------|
| (۱)  | حضرت عثمانؓ بن عفان        | (۲)  | حضرت رقیہؓ (جو رسول کریمؐ کی |
| (۳)  | حضرت ابو حذیفہؓ            |      | صاحبزادی تھیں)               |
| (۴)  | حضرت سہلہؓ بنت سہیل        | (۵)  | حضرت مصعبؓ بن عمیر           |
| (۶)  | حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف     | (۷)  | حضرت ابوسلمہؓ                |
| (۸)  | حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ | (۹)  | حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ جمحی   |
| (۱۰) | حضرت عامرؓ بن ربیعہ        | (۱۱) | حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ     |
| (۱۲) | حضرت ابوسبرہؓ بن ابی رہم   | (۱۳) | حضرت حاطبؓ بن عمرو           |
| (۱۴) | حضرت سہیلؓ بن بیضا         | (۱۵) | حضرت عبداللہؓ بن مسعود (۱)   |

بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت انہی لوگوں نے کی جو کمزور تھے اور جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ یہ رائے ہجرتِ حبشہ کے مقاصد کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقتاً ان

میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کی مالی حالت مستحکم تھی اور معاشرتی اور سیاسی حیثیت مسلمہ تھی۔ مہاجرین کی فہرست میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھے۔ زبیرؓ اور مصعبؓ کا تعلق خود آنحضرتؐ کے خاندان سے تھا۔ عبدالرحمنؓ بن عوف اور ابوسبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے۔ (۲)

اس سے دو پہلوؤں کا اندازہ ہوتا ہے ایک تو یہ کہ قریش کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ محض غریب اور کمزور مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا نشانہ ہر طرح کے مسلمان تھے۔ دوسرا یہ کہ حبشہ کی طرف ہجرت کا فرمان دے کر حضور ﷺ محض ایک محفوظ مامون پناہ کی تلاش ہی نہ چاہتے تھے بلکہ ان کے نزدیک ایک ایسی جماعت کی تیاری مقصد تھا جو سمندر پار جا کر حبشہ کے عوام بادشاہ اور حکومت کے طور طریقے اور مزاج کو سیکھیں اور اسلام کی مقبولیت کے لئے لائحہ عمل تیار کریں۔ اگرچہ مہاجرین کی جماعت حبشہ میں محض تین ماہ ٹھہری اور غلط خبر کی بناء پر انہیں واپس مکہ آنا پڑا۔ لیکن اس سے جو فوائد آپؐ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ حاصل ہو چکے تھے۔

انہی حالات میں مکہ سے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت واقع ہوئی۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شامل تھیں۔ قریش نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر یہ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ (۳) یہ صورت حال کفار مکہ کے لئے پریشان کن تھی۔ انہوں نے عبداللہ بن ربیع اور عمرو بن عاص پر مشتمل وفد کو قیمتی تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا اور استدعا کی کہ مہاجرین کو اپنی سلطنت سے نکال دے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور صورت حال کی وضاحت چاہی اس پر مہاجرین کے قائد جناب جعفرؓ بن ابی طالب نے یہ جواب دیا:

”اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا۔ دور ہمسایہ کی رعایت نہ تھی۔ کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا، ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا۔ جس کی حسب و نسب، سچائی و دیانتداری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو بتوں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دور رہیں، برائیوں سے بچیں، اس



نے حکم دیا کہ نماز پڑھیں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں، ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔ قوم نے جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تا کہ ہم وحدہ لا شریک کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے، تب تیرے ملک میں پناہ لینے کیلئے آئے ہیں۔“ (۴)

اس تقریر سے نجاشی بڑا متاثر ہوا اور مہاجرین کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔ قریش مکہ کے وفد نے جب نجاشی تک رسائی حاصل کی اور کہا کہ ”وہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کا عقیدہ معلوم کریں۔“

ان کا خیال تھا کہ مسلمان چونکہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھنے کی بجائے خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اس لئے نجاشی ان سے برہم ہو جائے گا۔ اس سوال پر مسلمانوں کی دوبارہ طلبی ہوئی تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔

”وہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے، اس کے رسول روح الہی اور کلمتہ اللہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو مرحمت فرمایا۔“

اس پر نجاشی نے کہا کہ ”خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا حضرت عیسیٰ ذرہ بھر بھی اس سے زیادہ نہ تھے۔“

بعد میں پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ضروری نہیں۔ بہر حال ان واقعات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار مکہ کا بھیجا ہوا وفد ناکام لوٹا اور مسلمانوں کو حبشہ میں قیام کی نہ صرف اجازت ملی بلکہ خود حاکم حبشہ نے اسلام قبول کیا اور تاحیات اس عقیدے پر قائم رہا۔ بعض مستشرقین ہجرت حبشہ کو ایک معمولی واقعہ قرار دے کر اس کا سطحی تذکرہ کرتے ہیں یا اسے ناکام قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اس ہجرت سے اسلام ایک برا عظم سے دوسرے برا عظم پہنچا۔ عرب و عجم کی تفریق ختم ہوئی اور سیاہ و سفید کا فرق مٹا۔ ان عظیم فوائد کے باوجود ہجرت حبشہ کو کس طرح ناکام قرار دیا جاسکتا ہے۔

## ہجرتِ مدینہ

دعوت و تبلیغِ اسلام اور ہجرتِ حبشہ میں آنحضرت ﷺ کو بعض اہم کامیابیاں نصیب ہوئیں اور حضرت حمزہؓ، حضرت عمرؓ ابن الخطاب، طفیلؓ بن عمرو دوسی اور ابوذر غفاریؓ جیسی ہستیاں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں تو قریش نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ کیونکہ قریش کی اکثریت تو حید سے انکار اور بت پرستی پر بضد تھی۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت فرمائی۔ کفار مکہ نے جب دیکھا کہ وہ مہاجرین جو مدینہ جا ٹھہرے ہیں آہستہ آہستہ ایک قوت بن کر ابھر رہے ہیں اور مکہ میں مسلمانوں کی تعداد ہجرت کی وجہ سے کم ہو گئی ہے تو آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبہ پر غور کرنے کیلئے دارالندوہ میں خفیہ اجلاس بلایا جس میں چند قبائلی سردار شیبہ و عقبہ، ابو سفیان، طینہ بن عدی، حارث بن عامر، نفر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، ابو جہل بن ہشام اور امیہ بن خلف وغیرہ شامل تھے۔ (۵)

رسول اللہ ﷺ کے قتل کے منصوبے، طائف کے سفر میں ایذا رسانی، شعب ابی طالب میں نظر بندی کے تین سال یہ جو کچھ ہوا بقول شبلی نعمانی ”گو نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا، لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوحؑ کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسیٰؑ کو دارورسن کا منظر پیش آیا۔ اس بناء پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں سروردو عالم (ﷺ) نے کیا کیا؟

سقراط زہر کا پیالہ پی کر فنا ہو گیا، حضرت نوحؑ نے مخالفت سے تنگ آ کر قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا، حضرت عیسیٰؑ تیس چالیس اشخاص کی مختصر جماعت کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سروردو کائنات ﷺ کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔ (۶)

حضرت خباب بن الارتؓ نے جب قریش کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ﷺ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ

”تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض

سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا، یہاں تک کہ  
شتر سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا  
کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا۔“ (۷)

حضرت محمد ﷺ مشکلات و مصائب کے حالات میں حکم الہی سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ ارشاد

ربانی نازل ہوا کہ

ترجمہ:- ”اور اے نبی دعا کیجئے کہ میرے رب مجھے داخل کر  
سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ اور مجھے نکال سچائی کے  
ساتھ نکلنے کی جگہ سے اور کسی طاقت کو مددگار بنا دے۔“

اور پھر ایک دن آیا جب آپ ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی، اسلام نہ صرف  
پورے عرب کا مذہب ٹھہرا بلکہ یمن و بحرین سے باہر حبشہ و روم تک جا پہنچا۔۔۔۔۔ ہجرت مدینہ اس منزل  
کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ہجرت مدینہ کے واقعات ہمارا موضوع بحث نہیں بلکہ حضور ﷺ کی خارجہ حکمت  
عملی کے ایک اہم پہلو کی حیثیت سے ہجرت کی اہمیت کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

حضور پاک ﷺ کے مدینہ جانے کے بعد یہ حکم عام تھا کہ جو شخص مسلمان ہو وہ مدینہ ہجرت کر  
آئے۔ ارشادِ ربانی ہوا:

”جب تک یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس  
وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔“

(النساء: ۱۱)

ایک اور جگہ ہے:

”اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو تم کو ان  
کے وراثت سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر  
جائیں۔“ (انفال)

اس حکم کے مختلف مقاصد تھے جن کے حاصل ہونے تک یہ اصول برقرار رہا۔ ہجرت کے بعد  
بھی قریش مکہ نے مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا تھا اور ان کے خلاف مختلف سازشیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ  
اہل مدینہ کو کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں۔ اس پر عمل نہ کرنے کی  
صورت میں جنگ کی دھمکی دی۔ اس صورت حال میں مدینہ پر قریش مکہ کی طرف سے حملہ کا ہر وقت خطرہ  
رہتا۔ چونکہ مدینہ کی کل دس ہزار آبادی میں سے مسلمان بمشکل پانچ سو کی تعداد میں تھے۔ اس طرح

تھوڑی سی قوت کے ساتھ مذکورہ خطرہ کا مقابلہ مشکل تھا اس لئے شہر میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کیلئے یہ تدبیر ناگزیر تھی۔ اس کے علاوہ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر نو مسلموں کیلئے اسلامی ماحول کے مطابق بہتر تعلیم و تربیت کا بندوبست ہو سکے ورنہ غیر مذہب والے ہمسائے بہلا پھسلا کر، ڈرا دھمکا کر، خانگی یا اجتماعی یا سرکاری دباؤ ڈال کر فتنے میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ خود عہد نبویؐ میں مہاجرین حبشہ میں سے کم از کم دو باجود نجاشی کی غیر متعصبانہ حکومت کے اس عیسائی ماحول میں عیسائی بن گئے تھے۔ ایک بی بی سودہ کا شوہر سکران، دوسرا ام حبیبہ کا شوہر عبید اللہ بن جحش، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی قبیلے کا وفد مدینہ آ کر اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا تو آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو مدینہ آ بسنے کی ہدایت فرماتے۔ البتہ چند قبائل کو اس شرط سے مستثنیٰ بھی رکھا گیا تھا۔ (۸) جس طرح قبیلہ مزینہ کے وفد کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

”تم لوگ اپنے ملک میں ہی رہو، اور تمہیں وہی حقوق اور وہی ثواب حاصل ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہوتا ہے۔“

کسی قبیلے کو یہ رعایت دیتے وقت یہ خیال ضرور رکھا گیا کہ یا تو اس قبیلہ کے اکثر یا تمام افراد مسلمان ہوئے ہوں۔ یا پھر وہ اپنے قبیلہ میں سیاسی طاقت رکھتے ہوں تاکہ ان کے مرتد ہونے کے امکانات باقی نہ رہیں۔ سات سال تک اس اصول کی پابندی ہوتی رہی اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ ان سات برسوں میں مدینہ کی مسلمان آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اور جب مدینہ کے یہودی قبائل کو ایک معاہدے کی خلاف ورزی کی سزا کے طور پر جلاوطن ہونا پڑا تو علاقے میں طاقت کا توازن بھی مسلمانوں کے حق میں ہو گیا۔ بالآخر نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں نکلا اور اعلان نبوی شائع ہوا کہ ”لاہجرة بعد الفتح“ فتح کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔ (۹)

گویا ہجرت کے اصول کے تحت مدینہ میں مسلمانوں کی باقاعدہ آباد کاری کی گئی۔ اس کی جدید مثال اسرائیل کی ہے جہاں جرمنی، پولینڈ، آسٹریا، چیکوسلواکیہ، روس اور برطانیہ سے لاکھوں یہودیوں کو لاکر بسایا گیا اور ان کی قوت کو یکجا کیا گیا۔

## ہجرت کی عالمگیر اہمیت

### ۱۔ عالمی امن

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت تمام دنیا نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کا شکار تھی بلکہ ایک نسل کے لوگ بھی باہم برسرِ پیکار تھے۔ یہ مرض مدینہ میں بھی موجود تھا۔ جہاں اوس و خزرج دو قبائل آباد تھے

اور اکثر گتھم گتھارہتے تھے۔ گردونواح میں یہودیوں کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ بھی آباد تھے۔ یہ بھی اوس و خزرج سے عداوت رکھتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کے مدینہ ہجرت کر آنے کے بعد نہ صرف یہ گروہ باہم متحد ہوئے بلکہ مہاجرین کو بھی انصار کے ساتھ بھائی بھائی کے روحانی رشتوں میں منسلک کیا۔ اس طرح مدینہ کی بستی میں ہمیشہ کیلئے امن قائم ہو گیا۔ جب حالات ذرا سنبھلے تو حضور ﷺ نے انصار اور مدینہ کے یہودیوں سے میثاق کے نام سے ایک معاہدہ امن کیا جس میں طے پایا کہ

۱۔ یہودی یا مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی بیرونی حملہ کی صورت میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی مدد کریں گی۔

۲۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۳۔ ایام جنگ میں یہودی بھی اخراجات جنگ برداشت کریں گے۔

۴۔ مدینہ پر حملے کی صورت میں دونوں مل کر دفاع کریں گے۔

حضور پاک ﷺ کی خارجہ پالیسی میں یہ معاہدہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو ایک ایسی مرکزی قوت کا موقع ملا جس نے آگے چل کر فتح و نصرت کے دروازے کھول دیے۔ یہودیوں اور انصاریوں کو جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کا پابند بنا کر قریش مکہ کی طاقت کا بہتر طور پر مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ اگرچہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کے نتیجے میں یہودیوں کو مدینہ خالی کرنا پڑا تھا۔ مسلمانوں کو بہر حال یہ فائدہ ہوا کہ ان کی توجہ دوسرے بڑے دشمن کی جانب مرکوز ہو گئی۔۔۔۔۔ عالمی امن کیلئے کیا جانے والا یہ معاہدہ مدینہ ہجرت کر آنے کے نتیجے میں ہی ممکن ہوا۔ (۱۰)

## ۲۔ اسلامی مملکت کا قیام

ہجرت مدینہ کا اہم ترین سیاسی فائدہ یہ پہنچا کہ پہلی اسلامی مملکت معرض وجود میں آئی جس کے سربراہ خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ اس اسلامی ریاست کے تحت کیا عالمگیر تبدیلیاں وجود میں آئیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال فوری اثرات یہ نکلے کہ مسلمان قریش کے مقابلے میں ایک سیاسی قوت بن کر سامنے آئے اور اس قوت کے ساتھ وہ دشمنان اسلام کا سیاسی اور دفاعی لحاظ سے بہتر طور پر مقابلہ کر سکتے تھے۔ یثرب کو دفاعی حیثیت سے پورے حجاز میں ایک مرکزی مقام حاصل تھا۔ یہ قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ تجارتی منڈی بھی تھی۔ اس دور کے تین مشہور تجارتی راستے اس کی زد میں آتے تھے۔ قریش نے یثرب کے بعض قبائل کو بے جا طور پر اپنا مخالف بھی بنا لیا تھا جبکہ اس کے برعکس حضور ﷺ نے معاہدہ مدینہ کی صورت میں انہیں اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ مدینہ کا سیاسی اختیار حاصل کر لینے کے بعد قریش کے تجارتی

راتے بھی حضور ﷺ کی زد میں آتے تھے۔ اگر اتنے فاصلے پر قریش جنگ کیلئے آتے تو ان کیلئے سامان رسد کی فراہمی اور پسپائی کی صورت میں دور دور تک پاؤں جمانے کی کوئی جگہ موجود نہ تھی۔ غرض رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت ایک ایسا دفاعی اقدام تھا جس کے بعد اسلامی جماعت خود بخود جنگی پوزیشن اختیار کر کے کامیابی تک پہنچ سکتی تھی۔ (۱۱) جنگ بدر میں یہ کامیابیاں حاصل بھی ہوئیں۔ پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ۶ ہجری میں قریش مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ ہوئی جس کے نتیجے میں ان کو غیر جانبداری کی شرط میں باندھ کر خیبر میں یہودیوں کو زیر کر لیا گیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو موقع ملا کہ وہ اسلام کا پیغام عرب سرحدوں سے باہر تک پہنچائیں۔ اس مقصد کیلئے سفارتیں روانہ کی گئیں۔ پھر مکہ فتح ہوا اور اسلام پورے عرب میں پھیل گیا۔

### ۳۔ دعوتِ توحید کا پھیلاؤ

تاریخ میں سینکڑوں سلاطین، امراء اور لیڈروں نے بالکل اسی طرح ترک وطن کیا تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ لیکن ان کی ہجرتوں کے نتائج کمزور، محدود اور تنگ رہے۔ صرف اسی خطے تک ان کی ہجرتوں کے فوائد محسوس کئے گئے جہاں یہ واقعہ ہوا تھا اور چند ہی لوگوں تک اس کے اثرات رہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے دور میں کی گئی ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ نے اپنے نتائج و منافع کو تمام عالم انسانیت تک بکھیر دیا۔ تمدنِ فارس، تمدنِ یونان اور تمدنِ روم پر کاری ضرب لگی اور ان کی جگہ نئے تمدن نے جنم لیا جو بالکل اسلامی تھا۔ اس وقت دنیا کی حالت کیا تھی؟ غلامی، ظلم و ستم، افلاس، غربت اور بھوک و بیماری ہر خطہ کے انسانوں میں موجود تھی۔ علوم و فنون اور حکمت و تدبیر میں عالمگیر شہرت رکھنے والا معاشرہ معاشرتی اور معاشی طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ روم و فارس کی بڑی طاقتیں اخلاقی انحطاط کا شکار تھیں۔ ذات پات کی تقسیم نے ہندوستان کے انسانوں کو کئی حصوں میں بکھیر دیا تھا۔ بتوں کی پوجا عام تھی۔ غرض انسان انسان پر حکمرانی کر رہا تھا۔ ان حالات میں حضرت محمد ﷺ نے انسان کو توحید کا پیغام دیا کہ اس ساری کائنات کا مالک، خالق اور رازق خدائے واحد ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی ثانی، وہی عبادت کے لائق ہے۔ ان تصورات کی بدولت بین الاقوامی اخوت کا تصور ابھرا اور مساوات کا نظریہ اجاگر ہوا۔ جب تک آپ ﷺ کا قیام مکہ میں رہا حضور ﷺ کی تعلیمات کا اثر محدود پیمانے پر ظاہر ہوا، لیکن جب آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ تعلیمات عالمگیر حیثیت اختیار کر گئیں۔ مدینہ میں آکر دعوت و تبلیغ کے مرکز کے قیام اور روم و مصر، حبشہ و شام اور ایران کی طرف سفارتوں کی روانگی سے آپ ﷺ کا پیغام مقامی سطح سے نکل کر بین الاقوامی رنگ اختیار کر گیا اور اسلامی

نظریات و عقائد کی بدولت یونان، مصر اور ہندوستان کے دیومالائی تصورات کو ضرب لگی، عیسائیت میں اصلاح ہوئی۔ ہندوستان میں اسی اثر کے تحت بھگت کبیر اور گورو نانک کی تعلیمات اونچ نیچ کے فرق کو کم کرنے کا باعث بنیں۔ غرضیکہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں جو کامل تبدیلیاں آئیں وہ سب اسلامی تہذیب و ثقافت کی بدولت ہوئیں۔

### ۴۔ طبقاتی کشمکش کا خاتمہ

شروع باب میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت آدم کی اولاد کس طرح طبقات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو غلام بنائے بیٹھی تھی۔ لسانی، نسلی اور طبقاتی بنیادوں پر کئی ایک حاکم تھے اور کئی محکوم۔ ہجرت نے اس طبقاتی جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام طبقات کو ختم نہیں کرتا بلکہ طبقاتی کشمکش کو ختم کرتا ہے۔ ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ مواخات کے اعلان کے بعد چھوٹے بڑے طبقے کا فرق ختم ہو گیا، نسلی عصبیتیں دفن ہو گئیں۔ سب ایک رشتہ اخوت میں منسلک ہو گئے۔ فرمان الہی ہے:

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال

و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ

دی اور ان کی مدد کی، یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔“

(انفال: ۱۰)

حضرت ابو بکرؓ کو حضرت خارجہ بن زید انصاری، حضرت عمرؓ کو حضرت عتبہ بن مالک انصاری، حضرت عثمانؓ کو حضرت اوس بن ثابت انصاری، حضرت ابو عبیدہؓ جراح کو حضرت سعد بن معاذ انصاری، حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت منذر بن عمرو، حضرت سلمان فارسیؓ کو حضرت ابو درداءؓ اور حضرت بلالؓ کو حضرت ابو ریحہؓ کے ساتھ جوڑ کر بھائی کے رشتے میں منسلک کیا گیا۔ ہجرت کے بعد حضور پاک ﷺ کی یہ حکمت عملی طبقاتی کشمکش کے خاتمہ کا نقطہ آغاز تھی جبکہ خطبہ حجۃ الوداع اس نقطہ انتہا پہ ثبت ہوا جس میں آپ نے ذات پات، رنگ، نسلی اور قبائلی اور علاقائی عصبیتوں کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

”انسانو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا اور

تمہیں جماعتوں اور قبائل میں بانٹ دیا تاکہ تم الگ الگ

پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی

ہے۔“ چنانچہ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فرقی حاصل

ہے، نہ کسی عجمی کو عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا  
کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ۔“

## ۵۔ ریاستی نظام کی تشکیل

یہ ہجرت کا ہی فائدہ تھا کہ مسلمانوں کیلئے سیاسی نظام مملکت تشکیل دینا بھی ممکن ہو گیا۔ مختلف جنگی مہمات میں امراء کا تقرر، غیر ممالک میں مختلف مقاصد کی غرض سے سفیروں کا انتخاب، کاروبار مملکت کیلئے مشاورتی اجلاس، ملکی قوانین کا اجراء اور نفاذ، بہبود فنڈ اور زکوٰۃ کے محکمہ کا قیام، سیاسی نظام کی صورت گیری اور معاشرتی قواعد و قوانین کی تشکیل و تدوین سے ایک ایسا ریاستی نظام وجود میں آیا جس کی مضبوط بنیادوں پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک مضبوط اجتماعی قوت بنا دیا۔ ریاست کا یہ اندرونی استحکام رسول اللہ ﷺ کیلئے خارجہ مقاصد کے حصول کیلئے انتہائی سود مند ثابت ہوا۔

## ۶۔ بین الاقوامی قوانین کی تشکیل

ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے اسباب و محرکات اور واقعات اور اس بارے میں احکامات خداوندی کے مطالعہ سے بین الاقوامی نوعیت کا ایک اہم نقطہ اخذ ہوتا ہے۔ یعنی پناہ گزینوں سے متعلق بین الاقوامی قوانین کا ارتقاء۔۔۔۔۔ ہجرت نبویؐ سے اسلام میں مسلمان تارکین وطن کی حیثیت اور ان کے حقوق و فرائض کے واضح اصول وضع ہوئے۔ جو کچھ اس طرح سے ہیں۔

(۱) عقیدہ و جان و مال کو شدید خطرات لاحق ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنا ان کا حق ہے۔ قرآن میں ہے:

”جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کرتے ہیں ان کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش جان لیں، وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسے پر کام کر رہے ہیں (کہ اچھا انجام ان کا منتظر ہے)“ (النحل: ۴۱)

(۲) ہجرت انفرادی اور اجتماعی شکل میں کی جاسکتی ہے۔

(۳) پناہ کی تلاش میں نکلے ہوئے افراد کو پناہ دینا ہر قوم کا فرض ہے۔ فرمان الہی ہے:

”اگر تم (مسلمان) اس کی (یعنی اللہ کے نبی کی) مدد نہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی مدد اس وقت کر



چکا ہے جب اسے کافروں نے نکال دیا تھا۔ جب وہ دو میں سے ایک تھا۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“ (توبہ: ۴۰)

(۴) پناہ گزینوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان جیسے مذہب اور معاشرت کے مقامی لوگوں کو حاصل ہوں۔ قرآن میں ہے:

”جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب (ایمان لانے کی وجہ سے) وہ ستائے گئے تو انہوں نے گھر بار چھوڑ دیئے، ہجرت کی، راہِ خدا میں سختیاں جھیلیں اور صبر سے کام لیا۔ ان کے لئے یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے۔“ (النحل: ۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں اور ان کیلئے نصرت اور عزت کی روزی ہے۔ (انفال: ۱۸)

مالِ غنیمت میں ان حاجت مند مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کر دیئے گئے۔ (حشر: ۱)

(۵) مہاجرین کی بحالی اور آباد کاری اسلامی ریاست کا قانونی فرض ہے۔

(۶) مسلمان مہاجرین کی کفالت کرنا مقامی مسلمانوں کیلئے لازم ہے۔

(۷) مہاجرین کو اپنے سابقہ وطن میں دوبارہ جا کر آباد ہونے کا حق ہے اور اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے ان پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔

(۸) مہاجرین کو اپنے چھوڑے ہوئے وطن میں ان حالات کو بدلنے کے لئے سیاسی اور حربی

اقدامات کا حق ہے جن کی بناء پر وہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہوں۔

ایک اسلامی ریاست کے اندر اگر کوئی غیر مسلم پناہ حاصل کرتا ہے تو اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس جیسے مذہب اور ریاست کے لوگوں کو حاصل ہیں۔ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اسے ذمیوں جیسے حقوق حاصل ہوں گے۔ اور اس کی حیثیت ایک پناہ گزین کی ہوگی ”مہاجر“ کی نہیں۔ مہاجر ہونے

کیلئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہے۔ یہاں پناہ گزین کے متعلق موجودہ بین الاقوامی قوانین کا ایک جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان قوانین نے بہت لمبی ارتقائی مسافت کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے۔ قدیم ادوار میں مشکلات اور صعوبتوں کی بدولت نقل مکانی محدود تھی۔ اس کے باوجود نقل مکانی کے متعلق کچھ اصول اور رواج پائے جاتے تھے۔ یونانی ریاستوں کے درمیان نقل مکانی زندگی کا معمول تھا۔ افلاطون کی تصانیف میں شہریوں کو آزادی نقل و حمل اور اس کا جواز موجود ہے۔ اس کے مطابق غیر ملکوں کو اپنے ملک میں داخل نہ ہونے دینا اور اپنے شہریوں کو دیگر ممالک میں جانے کے مواقع نہ دینا اس ریاست کی بدنامی کا سبب بنتا ہے (۱۲) افلاطون کے افکار پناہ گزینوں کے حقوق سے بالخصوص متعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق یونانیوں کی شہری آزادیوں سے تھا۔

جدید یورپ کی ابتدائی تاریخ میں مذہبی جنگوں کی بدولت پناہ گزینوں کے مسائل بڑے پیمانے پر پیدا ہونے سے بین الاقوامی قانون کے وضع کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ اسی دور میں مشہور ڈچ (Dutch) ماہر قانون ہیگو گروٹھیئس نے اپنی کتاب ”قوانین امن و جنگ“ میں لکھا کہ جو چیزیں لوگوں سے مشترکہ طور پر متعلقہ ہیں وہ اپنے گھروں سے نکالے ہوئے پناہ گزینوں کی عارضی یا مستقل رہائش کا حق، قومیت کی بنیاد پر نفاق سے آزاد ہونے کا غیر ملکوں کا حق اور بنیادی ضروریات زندگی خوراک، لباس اور ادویات کا حق ہیں۔ (۱۳) گروٹھیئس نے اہم نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ پناہ گزینوں کو اس وقت تک پناہ کا حق حاصل ہے جب تک وہ مستحکم حکومت کے مطیع نہیں ہو جاتے اور ان قواعد و ضوابط کی پابندی نہیں کرتے جو ایذا رسانی سے بچانے کیلئے ہیں۔ (۱۴)

ویٹل (Vattel) غیر ممالک میں پناہ گزینوں کا حق تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ وہ ملک پناہ گزینوں کا خیر مقدم کرے۔ (۱۵)

پہلی جنگ عظیم کے دوران اور بعد میں فسطائی حکومتوں کے اقدامات سے مغربی یورپ بڑے پیمانہ پر پناہ گزینوں کے مسئلہ سے دوچار ہوا۔ اس بارے میں بین الاقوامی معاہدات ہوئے۔ ۱۹۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جنیوا کے مقام پر پناہ گزینوں کی حیثیت سے متعلق ایک کنونشن پر دستخط ہوئے۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں SAR ”سارڈینیا“ اور جرمنی کے دوبارہ متحد ہونے پر یہاں کے باشندوں نے نقل مکانی شروع کی تو ۳۰ جولائی ۱۹۳۵ء کو ایک منصوبہ اپنایا گیا۔ ۹ جون ۱۹۳۹ء کو ڈرافٹ پروٹوکول طے ہوا (۱۶) انجمن اقوام کے تحت پناہ گزینوں کیلئے کمشنر کا تقرر عمل میں آیا۔ دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں انجمن اقوام ختم ہوئی تو اقوام متحدہ کا ادارہ تشکیل ہوا۔ (۱۷) اس کے تحت ۱۹۵۱ء میں پناہ گزینوں کے حقوق و فرائض سے متعلق بعض اصول وضع کئے گئے۔ جن کے مطابق پناہ گزینوں کی خوراک، رہائش، تعلیم اور صحت سے متعلق

اقدامات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز کسی بھی ملک کیلئے پناہ گزینوں کو زبردستی واپس دھکیلنے سے منع کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ پناہ گزین اس ملک کی سلامتی اور دفاع کیلئے شدید خطرات کا موجب نہ بنیں۔

اسلامی تاریخ و اقدار میں ہجرت لوگوں کی عام نقل مکانی سے مختلف عمل ہے۔ ہجرت کرنے والوں کے ضمن میں مسلمانوں پر خاص پابندیاں اور حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان اس بات پر پابند ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کو جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھروں کو چھوڑا پناہ دیں۔ مدینہ ہجرت کر آنے والوں کا انصار مدینہ نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ نہ صرف انہیں خوراک اور پناہ مہیا کی بلکہ ہر اس چیز میں انہیں شریک کیا جو ان کے پاس تھے۔ اس کی ایک انوکھی مثال اس طرح ہے کہ سعد بن اربعہ جن کو عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ جوڑا گیا تھا کی دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے ایک کو طلاق دینا چاہی تا کہ عبدالرحمن بن عوف اس سے شادی کر سکیں لیکن عبدالرحمن بن عوف نے شکرے کے ساتھ انکار کر دیا۔ (۱۸) یہ دراصل انصار کے دلوں میں مہاجرین کیلئے جذبہ ایثار اور خلوص کے احساسات تھے۔ انصار نے جن کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی کھجوروں کے باغ تھے حضور پاک ﷺ سے درخواست کی یہ باغ مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ (۱۹) چونکہ مہاجرین تجارت تھے اور زرعی معاملات سے واقفیت نہ رکھنے کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشکش قبول نہ فرمائی۔ اس جذبے کے تحت بحرین کی فتح کے موقع پر انصار نے جائیدادوں کی تقسیم کا مساوی حصہ مہاجرین کو بھی دینے پر اصرار کیا۔۔! (۲۰) اس تقابلی جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغربی یورپی اداروں کے تحت تشکیل پانے والے پناہ گزینوں سے متعلق قوانین ایک لمبے ارتقائی سفر کے بعد موجودہ حالت کو پہنچے ہیں اور ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے نتیجے میں وضع ہونے والے اصولوں سے انتہائی استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ بلکہ اسلامی تاریخ میں ہجرت کے یہ اصول پناہ گزینوں کو آج کے قوانین کی نسبت زیادہ بہتر حقوق فراہم کرتے ہیں۔



## حوالہ جات باب چہارم

- ۱- شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ"، جلد اول، ص ۲۳۷-۲۳۹
- ۲- ایضاً، ص ۲۴۰
- ۳- قاضی محمد سلیمان سلمان، "رحمۃ للعالمین، جلد اول، ص ۵۸
- ۴- سیرت ابن ہشام، جلد اول، ص ۱۱۶
- ۵- قاضی محمد سلیمان سلمان، "رحمۃ للعالمین، جلد اول، ص ۸۴
- ۶- شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ"، جلد اول، ص ۲۶۱
- ۷- صحیح بخاری، باب لقی النبی و اصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیتہ۔
- ۸- ڈاکٹر حمید اللہ، "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" ص ۲۷۰
- ۹- ایضاً، ص ۲۷۱
- ۱۰- نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۸
- ۱۱- سید اسعد گیلانی، "نقوش"۔ جلد ۸، ص نمبر ۲۹۱
- ۱۲- The Laws of Plato, Book XII (J.M Dent and Sons Ltd., 1960) Book III, Chapter XX
- ۱۳- James A.R. Nafziger, "The General Admission of Allies under International Law", American Journal of International Law, 77:4 (Oct: 1983), pp.804-847
- ۱۴- Book III, Chapter XX
- ۱۵- E.De Vattel, "The law of Nations," (1939), pp 120,178
- ۱۶- Grahl-Madsen, pp.13-14
- ۱۷- Ibid

۱۸۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ"، ص ۲۸۵

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ W.Montgomery Watt, Mohammad at Medina, (Karachi:

Oxford University Press, 1981), pp. 249

## رسول اللہ ﷺ کی سفارتی حکمتِ عملی

مختلف قوموں اور مملکتوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دوطرفہ معاہدات کیلئے قدیم زمانے سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ جنگی معاملات اور تجارتی امور پر بھی اس ادارہ کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ خارجہ معاملات کیلئے کوئی باقاعدہ اور منضبط سفارتی سرگرمیاں موجود نہ تھیں، نہ ہی سفارت خانوں کے متعلق دفاتر مختلف ممالک میں قائم ہوتے تھے۔ لیکن سیاسی طور پر اسے نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب سفارتی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ایسے افراد کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا جو زیر غور مسئلے کے ہر پہلو کو خوب سمجھتا ہو، ذہین اور سمجھ دار ہو، اپنی بات کو موثر انداز میں پیش کر سکے اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوا سکے۔

ضروری ہے کہ اسلام سے قبل عربوں میں خارجہ تعلقات کے ضمن میں سفارتی سرگرمیوں کا مختصر جائزہ لیا جائے۔ جنگِ بعات میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابواکحیس کی سربراہی میں قریش مکہ کے پاس بھیجا تھا۔ قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لئے قائم کیا تھا کہ قریش مکہ کو اپنا حلیف بنالیں اور جنگ میں خزر ج کے خلاف ان کی مدد حاصل کریں۔ مکہ کی شہری مملکت میں سفارت کا ادارہ خاندان عدی کے پاس تھا اور بعت کے وقت حضرت عمرؓ اس عہدے پر فائز تھے۔ جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو قریش مکہ نے علماءِ یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ بھیجا تھا تاکہ وہ علماءِ یہود سے حضور ﷺ کے دعویٰ کی سچائی کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہل مکہ نے شاہِ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ سفارتی ذریعہ سے شاہِ حبشہ پر دباؤ ڈال کر ہجرت کر کے حبشہ آنے والے مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے یا کم از کم اپنی حکومت سے انہیں نکلنے پر مجبور کر دے۔ قریش مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیئے۔ گویا زمانہ جاہلیت میں سفارتی رابطے صرف اس وقت قائم کئے جاتے تھے جب دفاعی معاہدات طے کرنے ہوں یا کوئی اہم مشکل درپیش ہو۔ بعض اوقات محض سیاسی تعلقات بنانے کیلئے بھی

رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔۔۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے ذمہ جو کام توحید کی اشاعت کا سونپا گیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ سفارتی ادارہ کو زیادہ فعال اور منظم بنایا جائے۔ اسلام ایک آفاقی دین تھا، جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی فلاح و سعادت کیلئے ایک جامع نظام حیات پیش کیا، اس نظام میں دعوتِ دین یا نظریہ کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سفراء کے فرائض میں دعوتِ دین کے فریضہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

ایک نظریاتی مملکت کے سفراء کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتخاب اور تقرر کے موقع پر حضور پاک ﷺ اس چیز کا خاص خیال رکھتے تھے کہ وہ بچے مسلمان ہوں، دین کا وسیع علم رکھتے ہوں، اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا اچھا خاصہ ملکہ حاصل ہو اور اپنی بات مؤثر اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں، لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا جس ملک میں بحیثیت سفیر جا رہے ہوں وہاں کے حالات اور ان کی زبان سمجھتے ہوں۔ ایک اچھے سفیر کیلئے ضروری اوصاف اور خوبیوں کا ذکر کتانی نے کیا ہے۔ اس کے مطابق ایک عمدہ سفیر کیلئے کم از کم چار اوصاف لازمی و ناگزیر ہیں۔ اعلیٰ فراست و ذہانت، عمدہ زبان و طرزِ ادا، جاذبِ نظر شخصیت اور علاقہ تفری و ادائیگی فرائض کی زبان پر قدرت۔ (۱) یہ وہ اوصاف تھے جو ایک اچھا سفیر بناتے تھے۔ اس کے علاوہ رسول کریم ﷺ موقع محل کی مناسبت سے مخصوص و موزوں شخص کا انتخاب کرتے تھے اور اس کی روانگی سے قبل حسب معمول اس کو ہدایات دیتے تھے کہ نرم اور اچھی گفتگو کریں، رحم و نرم دلی کا مظاہرہ کریں، سختی اور سخت روی سے پرہیز کریں، آسانی پیدا کریں اور اختلاف و تصادم سے گریز کریں، خوشخبری سنائیں، نفرت و عدوات سے اجتناب کریں، اور رحمت و اتفاق کا رویہ اپنائیں۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں مختلف سفیروں کو مختلف اغراض و مقاصد کیلئے روانہ فرمایا۔ کچھ سفیر تبلیغِ اسلام کیلئے بھیجے گئے تھے تو کچھ اور نے بادشاہوں سے مسلم طبقات کی واپسی کی درخواست اور اپنے علاقہ یا ملک میں مقیم ایک مسلمان عورت سے امام کی شادی کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

اسلامی ریاست میں کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم مہموں کے دوران ہوئی تھی۔ ۳ھ / ۶۲۵ء میں جب بنو نضیر کے غزوہ کے دوران رسول کریم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کو سفیر بنا کر بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے ان کے معاملہ میں آخری فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ دو برس بعد جب مدینہ احزاب کے محاصرہ میں گھر چکا تھا تو تین مسلم سفیروں حضرت سعد بن معاذ اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی اور عبد اللہ بن رواحہ خزرجی کی تقرری ہوئی تھی۔ ان کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا گیا تھا تا کہ انکو ان کے عہد و معاہدہ یاد دلائیں جو انہوں نے اسلامی ریاست کے

ساتھ کیا تھا اور ان کو احزاب میں شامل ہونے سے روکیں۔ صلح حدیبیہ کے دوران تین مسلمان سفیروں کو مکہ بھیجا گیا تھا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ قریش کی جانب سے بھی متعدد سفیر آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ نے متعدد سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں کے علاوہ بعض پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کے پاس بھیجا تھا۔ روایات کے مطابق درج ذیل سفیروں کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کیلئے مختلف ملکوں میں روانہ کیا تھا:

- |     |                                |                          |
|-----|--------------------------------|--------------------------|
| (۱) | حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی کو     | رومی شہنشاہ ہرقل کے پاس  |
| (۲) | حضرت عبداللہ بن خزائمہ سہمی کو | خسرو پرویز، ایران کے پاس |
| (۳) | حضرت عمرو بن امیہ ضمیری کو     | نجاشی حبش اصم کے پاس     |
| (۴) | حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو     | مقوقس مصر کے پاس         |
| (۵) | حضرت شجاع بن وہب اسدی کو       | ملک تخوم شام کے پاس      |

سیاسی طور پر ان سفارتوں کا مقصد یہ تھا کہ پڑوسی شاہان وقت کو اسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت اور صلح کیلئے آمادہ کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا دروازہ کھلے تو دوسری طرف تصادم و جارحیت کے امکانات یا خطرات میں کمی پیدا ہو۔ نتیجہً ان سفارتوں نے اپنے اپنے علاقہ کے حکمرانوں میں خیر سگالی اور دوستی کے جذبات پروان چڑھانے میں کافی موثر کردار ادا کیا تھا۔

ان کے علاوہ حضرت علاء بن حضرمی، حضرت عمرو بن عاص سہمی اور حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو بالترتیب بحرین، عمان اور حمیر (یمن) بھیجا گیا تھا۔ ۶ھ / ۳۱-۳۰ء کم از کم سات سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حکمرانوں اور قبیلوں کے پاس بھیجا گیا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- |     |                           |                                    |
|-----|---------------------------|------------------------------------|
| (۱) | حضرت نمیر بن خرشہ ثقفی    | طائف کے قبیلوں کے پاس              |
| (۲) | حضرت طیبان بن مرشد سدوسی  | قبیلہ بکر بن وائل کے پاس           |
| (۳) | حضرت حارث بن عمر ازدی     | شاہ بصری حارث بن عمیر غسانی کے پاس |
| (۴) | حضرت عیاش بن ابی ربیعہ    | مخزومی حمیر کے پاس                 |
| (۵) | حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی   | اسقف نجران ضغاطر الاسقف کے پاس     |
| (۶) | حضرت علقمہ بن فغواء خزاعی | حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کے پاس   |
| (۷) | حضرت عمرو بن فغواء خزاعی  | = = = =                            |

پہلی پانچ سفارتیں کلی طور پر سیاسی تھیں یا مذہبی یا دونوں مقاصد پیش نظر تھے۔ آخری دو سفیروں کو



رسول کریم ﷺ نے کچھ رقم دے کر مکہ بھیجا تھا تا کہ غریب قریشیوں میں اس کو تقسیم کر دیا جائے۔

حیاتِ نبوی ﷺ کے آخری برس مختلف علاقوں کو بھیجے جانے والے سفیروں کی تعداد سولہ

1600

تھی۔ غیر مسلم حکمران اور قبیلوں کے پاس جو سفیر بھیجے گئے ان کا مقصد متعلقہ علاقوں یا قبیلوں کو اسلامی ریاست کا مطیع بنانا یا ان سے حلفی کرنا تھا۔ مسلم سرداروں کے پاس یا تو اس غرض سے سفیر بھیجے گئے تھے کہ ان سے ان کے اپنے قبیلہ یا پڑوس کے قبیلہ میں تبلیغِ اسلام کا کام لیا جائے یا ان کے قبیلہ میں باغیوں کی سرکوبی کیلئے ان کے مسلم طبقات کی حمایت اور مدد حاصل کی جائے۔ عموماً ایسی سفارتیں کامیاب ہوتیں۔ سوائے مسیلمہ کذاب اور شاہِ بصری کے نام کی سفارت کے۔ مسیلمہ کذاب نے مسلمان سفیر حضرت حبیبؓ زید کو مار ڈالا جبکہ شاہِ بصری حارث بن عمیر غسانی نے سفیرِ نبویؐ حضرت حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کو فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ درج ذیل گوشوارہ سے سفیرانِ نبوی ﷺ کی تفصیل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(سفر)	(علاقہ یا منزل)	(تاریخ)	(نوعیت)
حضرت عمر بن خطاب بدر / قریش مکہ	۶۲۲/۵۲	لشکر قریش کو واپس مکہ جانے کا حکم پہنچانا	
محمد بن مسلمہ	بنو نضیر	ذی قعدہ ۴ھ	یہودی قبیلہ کو اخراج کے فیصلہ
			نبوی ﷺ سے آگاہ کرنا
نعیم بن مسعود	غطفان، قریش / قریظہ	۵ھ / اپریل ۶۲۷ء	احزاب کے مختلف گروہوں سے گفتگو کیلئے
سعد بن معاذ	بنو قریظہ	=	یہودی قبیلہ کو معاہدہ پر قائم رہنے کی یاد دہانی
سعد بن عبادہ	=	=	=
عبداللہ بن رواحہ	=	=	=
خراش بن امیہ	قریش مکہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸	مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کی اجازت کے حصول کیلئے۔
عثمان بن عفان	=	=	=
علی بن ابی طالب	=	=	صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کیلئے۔
وحیہ بن خلیفہ	قیصر روم ہرقل محرم ۷ھ / مئی جون ۶۲۸ء	=	دعوتِ اسلام، معاہدہ صلح، دوستی
حاطب بن ابی بلتعہ	مقوس مصر	=	=

=	=	=	=	=	کسراے ایران خسرو پرویز	عبداللہ بن حذافہ
=	=	=	=	=	حارث بن ابی شمر شاہ تخوم شاہ	شجاع بن وہب
=	=	=	=	=	شاہ یمن (حمیر)	مہاجر بن ابی امیہ
=	=	=	=	=	سردار یمامہ ہوزہ بن علی	سلیط بن عمر
=	=	=	=	=	شیخ مکہ ابوسفیان اموی	عمر بن امیہ
=	=	=	=	=	تخائف لے کر	شاہ حبشہ نجاشی
=	=	=	=	=	مسلمانوں کو لانے کیلئے	
=	=	=	=	=	دعوتِ اسلام	
=	=	=	=	=	شاہانِ عمان جہنیفر و عبدذیعقد ۸ فروری، مارچ ۶۳۰ء دعوتِ اسلام، معاہدہ صلح، دوستی	عمر بن العاص
=	=	=	=	=	شاہ بحرین منذر بن ساوی	علاء بن حضرمی
=	=	=	=	=	شاہ عمان	حضرت ابوزید
=	=	=	=	=	قریش کے غرباء کیلئے رقم لے کر	عالمہ بن فغواء
=	=	=	=	=	۶۳۰ء / ۵۹	عمر بن فغواء
=	=	=	=	=	دعوت، معاہدہ صلح، دوستی	غیر بن خرشہ
=	=	=	=	=	طائف، ثقیف	طبیان بن مرشد
=	=	=	=	=	بکر بن وائل	حارث بن عمر
=	=	=	=	=	شاہ بصری شرجیل بن عمرو سائی	عیاش بن ابی ربیعہ
=	=	=	=	=	شاہ حمیر (قوم)	وحیہ بن خلیفہ
=	=	=	=	=	ضغاطر الاسقف / نجران	وبر بن عنیس
=	=	=	=	=	انباء الیمن ۱۱-۱۰ھ / ۲-۶۳۱ء	ابوعامر
=	=	=	=	=	حدودِ شام	قطن بن حارثہ
=	=	=	=	=	بنو کلیب اور حلفاء	عمر بن امیہ
=	=	=	=	=	اس کے خط کے جواب	حبیب زید
=	=	=	=	=	مسلمہ کذاب / یمامہ	عبداللہ بن وہب
=	=	=	=	=	دعوت، معاہدہ صلح، دوستی	فرات بن حیات عجمی
=	=	=	=	=	حضرت ثمامہ بن اثال	صلصل بن شرجیل
=	=	=	=	=	بنو عامر	
=	=	=	=	=	بنو صداء / اسد بنی ویل	
=	=	=	=	=	مسلمہ کی بغاوت کو کچلنے کا	

## حکم لے کر

=	=	=	=	=	=	ضرار بن الازور	بنو حارثہ۔ بنی قریظ
=	=	=	=	=	=	عبداللہ بن موج	قبائل یمن
=	=	=	=	=	=	عبداللہ بن بدیل بن ورقاء	
=	=	=	=	=	=	عبدالرحمن	ذوالکلاح و زو ظلم
=	=	=	=	=	=	جریر بن عبداللہ	زوز و دوز و قرآن
=	=	=	=	=	=	اقرع بن عبداللہ	تمیم
=	=	=	=	=	=	زیاد بن حنظلہ	اشجع
=	=	=	=	=	=	نعیم بن مسعود	

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی، ان کی اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی۔ لیکن یہ امتیاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لئے ہوئی۔ تمام انسانوں کیلئے، تمام دنیا کیلئے ہوئی۔ یعنی آپ ﷺ کی رسالت و نبوت عام ہے اور بعثت، بعثت تام ہے۔ قرآن مجید کی آیات اس بارہ میں صاف ہیں۔

(۱) ہم نے تجھے تمام انسانوں کیلئے بشارت پہنچانے والا، ڈرسانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔

(۲) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ سب دینوں پر غلبہ حاصل کرے۔

(۳) ہم نے تجھے تمام اہل عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) ان سے کہہ دو کہ اے انسانی نسل کے بچو! میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں۔

چنانچہ بر بنائے رسالت رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کو دعوتِ اسلام دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ یوں تو آغازِ کار سے ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔ آپ کی دعوت ہر قوم ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کیلئے تھی۔ آپ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی مختلف تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی اور عداس نینوائی کا نام روشن ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد اور اندرون عرب کی تمام قابل ذکر مزاحمتوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکمیت الہی کی طرح نوڈالی جائے کہ یہ رسول اللہ کی بعثت کا واضح حصہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ۷ ہجری میں ایک ہی دن میں چھ سفیروں کو مختلف مملکتوں کے بادشاہوں اور امیروں کے نام مراسلات دے کر روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بعض عرب روساء اور بڑی طاقتوں کے طفیلی ریاستوں کے سربراہوں کے نام بھی خطوط و فرامین بھیجے گئے۔ ان دعوتی و تبلیغی خطوط کا سلسلہ ۱۰ ہجری کے اواخر تک جاری رہا۔ سربراہان ریاست کو مکتوب لکھتے وقت آنحضرت ﷺ نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہاں کی زبان پر دسترس رکھتا تھا تا کہ اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ اہم سربراہان مملکت اور روساء کے نام بھیجے گئے خطوط کا تفصیلی جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔

### قیصر روم کی طرف سفارت

جن حکمرانوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خطوط لے کر سفر آئے ان میں سے سب سے زیادہ اہم حکمران روم کا بادشاہ قیصر تھا۔ قیصر کے پاس حضرت وحیہ بن خلیفہ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب روم کو اپنے زمانہ کی دوسری بڑی طاقت فارس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ روم اس دور کی سب سے بڑی طاقتور سلطنت تھی۔ آپ ﷺ نے اس بڑی سلطنت کے بادشاہ قیصر (ہرقل) کو اپنے مکتوب میں فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے بادشاہ روم کی طرف ہے۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی اطاعت کرے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی دعوت میں بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کرو گے تو بیچ جاؤ گے اور تمہیں دو ہر اثنو اب ہوگا اور اگر تم منہ پھیرو گے تو تمام رعیت کا گناہ تم پر ہوگا اور اے اہل کتاب ایک ایسی بات مان لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی یہ کہ ہم تم سب خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو

شریک نہ بنائیں اور نہ ہم سے کوئی کسی کو سوائے خدا کے  
پروردگار بنائے۔ پس اگر اہل کتاب اس سے اعراض کریں  
تو تم کہہ دینا کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم خدا کی اطاعت  
کرنے والے ہیں۔“ (۴)

قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے اس پیغام کے بارے میں صرف آپ ﷺ کے سفیر ہی سے گفتگو  
نہیں کی بلکہ عرب کی سرزمین سے تجارت کی غرض سے آئے ہوئے ابوسفیان اور دیگر لوگوں کو بھی بلا بھیجا  
تا کہ ان سے بھی معلومات حاصل کرے۔ ہرقل نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق متعدد سوالات  
کئے۔ قیصر نے مزید تصدیق کیلئے اپنی مملکت کے ایک بڑے عالم فضا طر رومی سے بھی معلومات حاصل کی  
تھیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔ قیصر روم نے آپ ﷺ کے سفیر کے سامنے  
رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ ﷺ کے سفیر کو اعزاز و احترام کے ساتھ واپس  
روانہ کیا۔ (۵)

شاہ روم کیلئے یہ مشکل ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرے یا اپنی وسیع و عریض  
مملکت کو برقرار رکھے اور اپنی رعایا کو خوش رکھے۔ شاید سیاسی مصلحتیں اور مادی منافع رکاوٹ بن گئی  
تھیں۔ دنیا کی بڑی طاقت ہونے کا بھرم بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا لیکن ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی عظمت و  
رسالت کے رعب کے اثرات بھی دل پر ثبت ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۹ ہجری میں تبوک میں رسول  
اللہ ﷺ کی عظیم الشان کامیابی میں حضرت دحیہ کلبی کی کامیاب سفارت اور رسول اللہ ﷺ کے اس مکتوب  
کا بڑا حصہ ہے۔

## حکومت فارس کی طرف سفارت

فارس روم ہی کی طرح دوسری بڑی طاقت تھی۔ دنیا کے بہت بڑے حصے پر کسری کی حکمرانی  
تھی۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو سفیر کی حیثیت سے شہنشاہ فارس کسری کے  
پاس بھیجا تا کہ اس کو دعوتی خط پہنچایا جاسکے۔ آپ ﷺ نے خط میں تحریر فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسری بادشاہ

فارس کے نام۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے، خدا اور

رسول پر ایمان لاتا اور یہ شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے تاکہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذاب الہی کا خوف سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہو جا۔ سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔“

کسریٰ کیلئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اتنی بڑی حکومت کے شہنشاہ کو جزیرۃ العرب کی چھوٹی سی مملکت کا ایک فرد دین الہی کی دعوت پیش کرے اور یہ بات کہے کہ اسلام قبول کر لو اسی میں سلامتی ہے۔ کسریٰ نے سخت رد عمل کا اظہار کیا اور آپ ﷺ کے مکتوب کو پھاڑ دیا۔ یمن اس زمانہ میں فارس کی نو آبادی تھی جہاں بازان گورنر تھا۔ کسریٰ نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ فوراً دو طاقتور افراد سرزمین حجاز بھیجو اور اس شخص کو جو لوگوں کو نئے دین کی دعوت دے رہا ہے حکم دو کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائے۔ اگر وہ نہیں آتا تو اس کا سر میرے پاس پیش کرو یا خود اسے گرفتار کر کے پیش کرو۔ دو سپاہی بازان کا حکم نامہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے انہیں اگلے روز ملنے کیلئے کہا۔ اگلے روز ملنے پر آپ ﷺ نے انہیں اطلاع دی کہ فارس کا کسریٰ قتل کر دیا گیا ہے (۶) اس کا بیٹا تخت و سلطنت پر قابض ہو گیا ہے۔ جب یہ لوگ واپس پہنچے تو آپ ﷺ کی خبر کی تصدیق ہو گئی کہ خسرو کو اس کے بیٹے شبرویہ نے قتل کر کے خود حکومت سنبھال لی ہے۔ اس پر بازان اور اس کے رفقاء کا رنے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح یمن سے اکاسرہ کا تسلط بھی ختم ہو گیا۔

### نجاشی کے نام خط

عمر بن امیہ ضمیری حاکم حبشہ اصم نجاشی کے پاس حضور ﷺ کا خط لے کر گئے۔ اس سے قبل جب مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور اہل مکہ نے سفارتی ذرائع سے اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ان مسلمانوں کو جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے ہیں، اپنے ملک سے نکال دے، لیکن مسلمانوں کے نمائندے سے گفتگو کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ان مسلمانوں کا پیغام حق ہے اور ان کے مقاصد نیک ہیں۔ حضرت جعفر طیار کی تقریر سے شاہ حبشہ متاثر ہو چکا تھا۔ اب رسول اللہ کی طرف سے باقاعدہ سفیر پیغام لے کر گیا اور شاہ حبشہ سے بہت موثر و بلیغ گفتگو کی۔ نجاشی نے آپ ﷺ کے مکتوب کو بہت ادب و احترام کے ساتھ پڑھا اور اس خط کا جواب ارسال کیا جس میں اس نے اسلام لانے کا اعلان

کیا اور لکھا کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ بیعت کر لی ہے (۷) حضور ﷺ کے خط کا متن اس طرح تھا۔  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ خط اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی اصم بادشاہ حبش کے نام ہے تجھ پر سلامتی ہو۔ میں پہلے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو ملک، قدوس، سلام، مؤمن اور مہمین ہے۔ اور ظاہر کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں جو مریم بتول عقیقہ کی طرف بھیجا گیا اور انہیں عیسیٰ کا حمل ٹھہر گیا۔

خدا نے عیسیٰ کو روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا تھا۔ اب میری دعوت یہ ہے کہ خدا پر، جو اکیلا اور بلا شرکت غیر ہے ایمان لے آ۔ ہمیشہ اس کی فرمانبرداری میں رہا کر اور میرا اتباع کر اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں قبل ازیں اس ملک میں اپنے عم زاد جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج چکا ہوں تم اسے آرام سے ٹھہرانا۔ نجاشی تم تکبر چھوڑ دو کیونکہ میں تمہیں اور تمہارے دربار کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا۔ اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ پر گامزن ہے۔

## نجاشی کا اسلام

مسلمان مؤلف بہر حال اس کے قائل ہیں کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ کہ جب اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو آنحضرت ﷺ نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ مگر یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

مکہ میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کیلئے یہ مشہور ہوا کہ قریش مکہ کو

آنحضرت ﷺ سے اب کوئی پر خاش نہیں رہی تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجر وطن واپس آ گئے۔ اس عرصے میں جب حالات کی توضیح ہو گئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر کی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔

## مہاجرین کی واپسی

اس کے بعد کئی سال تک کوئی اور خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آنحضرت ﷺ مقامی سلوک سے دل برداشتہ ہو کر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں اور مقامی و مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں۔ اور پھر قریش پر جن کے تجارتی کاروان مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں اور نتیجہً بدروغیرہ کی جنگ ہوتی ہے جس میں عموماً قریش کو سخت شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر چاہتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالف اپنا غصہ مہاجرین حبشہ پر اتاریں۔ (۱) مگر انہیں اس دفعہ بھی ناکامی ہوتی ہے۔ مملکت اسلامیہ کی عام ترقی کے بعد اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے ہیں۔ اس لئے اس زمانے یعنی ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ آنحضرت ﷺ کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آنحضرت ﷺ سے غائبانہ عقد بھی کرادیا تھا۔ ان بی بی کو ساتھ لے جانا بھی مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انہیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا۔ (۲) مؤرخ لکھتے ہیں کہ نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے۔ اور منشا آنحضرت ﷺ کو دوستانہ سلام پہنچانا تھا۔

## نجاشی کا خط آنحضرت ﷺ کے نام

”بخدمت محمد رسول اللہ از طرف نجاشی اصم بن ابجر، تجھ پر اے اللہ کے نبی سلام، اور اللہ کی رحمت اور برکتیں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ آپ کا خط مجھے ملا جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر تھا۔ زمین اور آسمان کے مالک کی قسم کہ آپ کی بیان کردہ چیز سے حضرت عیسیٰ رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں، ویسے ہی تھے جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے فرستادوں سے تعارف حاصل کیا اور آپ ﷺ



کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی مہمان داری کی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے اور تصدیق یاب رسول ہیں۔ میں نے آپ کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی بیعت کی اور اس کے ہاتھوں خدا رب العالمین کے سامنے سِرِ اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہان اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس آ جاؤں تو آ جاؤں گا کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو آپ ﷺ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔ السلام علیک یا رسول اللہ

یہ وفد حبشہ سے چلا لیکن بعض مؤرخ یہ بیان کرتے ہی کہ یہ کشتیاں جن میں حبشی سوار تھے سب ڈوب گئیں۔ تو بعض دیگر مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند سلامت رہیں۔ جب یہ سفارت مدینہ آئی تو آنحضرت ﷺ و فوراً اخلاق سے ان کی خود خدمت کرتے رہے۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔ تاریخ مدینہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موالات یا بھائی چارہ اختیار کر لیا اور حبشہ واپس جا کر تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا۔

### آنحضرت ﷺ کا خط نجاشی کے نام

اس سفارت کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے بھی نجاشی کو کچھ تحفے بھیجے مگر اس عرصے میں اس نجاشی کا انتقال ہو گیا۔ امام مسلم لکھتے ہیں کہ اس کے جانشین کو آنحضرت ﷺ نے ایک تبلیغی خط لکھا مگر اس کا انجام معلوم نہیں۔

یہ خط بیہقی (۱) نے ابن اسحاق کی کتاب سے نقل کر کے محفوظ کیا اور وہ یہ ہے۔

”یہ خط پیغمبر محمد ﷺ کا حبشیوں کے سردار نجاشی اصحم کے نام ہے۔ سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے

اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ اور یہ بھی کہ محمد اسی خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے اسلام کے بلاوے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات پر آ جمع ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شریک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں ہی کو رب بنائیں۔ اگر وہ پلٹ جائیں تو کہہ دو کہ ہم تو (خدا کے) فرمانبردار ہیں، اگر تو انکار کرے تو تیری قوم کے نصرائیوں کا وبال تجھی پر پڑے گا۔“

### شاہِ بحرین کے نام خط

بحرین فارس کی ایک طفیلی ریاست تھی۔ یہاں عربوں کی بھی ایک کثیر آبادی تھی جن میں عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم کے قبائل ممتاز تھے۔ فارس کی طرف سے منذر بن ساوی حاکم تھا۔ اس کی طرف علاء ابن الحضرمی آپ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ شاہِ بحرین پر اس کا بہت اثر ہوا اور اسلام قبول کر لیا اور اہل بحرین کو بھی رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھوایا۔ بحرین میں مجوسیوں اور یہودیوں کی آبادی تھی ان میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ منذر بن سادہ نے خط کا جواب لکھا اور آپ ﷺ سے اس سیاسی الجھن کے بارے میں پوچھا جو ارکانِ حکومت اور رعایا کے بہت سے افراد کے قبولِ اسلام کے بعد پیدا ہو گئی تھی کہ اب غیر مسلم رعایا سے کس طرح کا تعلق ہوگا؟ آپ ﷺ نے اس پر تحریر فرمایا۔

”اما بعد! اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خلوص رکھو گے اور کھجوروں پر عشر اور انانج پر نصف عشر دیتے رہو گے اور اپنی اولاد کو مجوسی نہ بناؤ گے تو وہ سب کچھ تمہارے ہی پاس رہے گا جو اسلام قبول کرنے کے وقت تمہاری ملکیت میں تھا لیکن اللہ اور اس کے رسول کا حق آتش کدہ پر ہوگا۔ اگر تم اس سے انکار کرو گے تو تم پر جزیہ دینا فرض ہوگا۔“ (۸)

## مملکت مصر سے سفارتی رابطہ

مصر کے حاکم مقوقس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رسول اللہ کے نمائندہ کی حیثیت سے گئے۔ اسکندریہ و مصر ان دنوں مشرقی رومی سلطنت کا ایک نیم خود مختار حصہ تھا۔ آپ نے مقوقس کو تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے مقوقس بادشاہِ قبط کی طرف سلام ہو، اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! پس میں تجھ کو دعوتِ اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامت رہے گا اور خدا تعالیٰ تجھے دو ہر ثواب دے گا، اور اگر اسلام نہ لایا تو تیرے اوپر تمام قبط کا درد پہنچانے والی مصیبت ہوگی۔ اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف، جو ہم تم میں برابر مشترک ہے کہ سوائے اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو خدا اور رب نہ بنالیں سوائے خدا کے، پس اگر (اہل کتاب) نہ مانیں تو کہہ دو کہ اے اہل کتاب تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“

حاکم مصر نے مملکتِ اسلامیہ کے سفیر سے گفتگو کے بعد کہا کہ

”تم نے مجھے اچھی طرح سمجھایا ہے، تم سمجھ دار انسان ہو اور

ایک دانا و حکیم کی طرف سے آئے ہو۔“

قبطیوں کا یہ حکمران خود مختار نہ تھا رومی سلطنت کے زیر اثر تھا۔ اسے یہ جرات تو نہ ہوئی کہ آپ کی دعوت کو بلا جھجک قبول کر لیتا لیکن اس نے رسول اللہ کو باقاعدہ جواب لکھا، اور خیر سگالی کا اظہار کرتے ہوئے بہت سے تحائف بھیجے۔

## شاہِ عمان کے نام خط

عمان پر قبیلہ ازد کے دو بھائی جعفر بن جلد اور عبد بن جلد برسر اقتدار تھے۔ یہ دونوں جلدی کے فرزند تھے۔ ان کے پاس نامہ دعوتِ اسلام عمرو بن العاص لے کر گئے تھے۔ آپ نے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”محمد رسول اللہ کی طرف سے جلدی کے دونوں فرزندوں صبیغ اور عبد کے نام، سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی اطاعت کرے۔ اما بعد میں تم دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ دونوں اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے۔ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تاکہ ان کو خدا کی مخالفت سے ڈراؤں اور خدا کی حجت کفار پر تمام ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو اپنے ملک کے والی رہو گے اور اگر تم نے انکار کیا تو اپنی بادشاہت کھو بیٹھو گے۔ میرے سوار تمہاری سرزمین میں داخل ہو جائیں گے اور میری نبوت تمہاری بادشاہت پر غالب آ جائے گی۔“

دونوں بھائیوں نے سفیر اسلام سے اسلام کے متعلق مختلف سوالات کئے۔ پھر دونوں نے اسلام

قبول کر لیا

### یمامہ کی طرف سفارت

یمامہ کا امیر ہوزہ بن علی تھا۔ اس کے پاس حضرت سلیط بن قیس بن عمر الانصاریؓ کو رسول اللہ نے بھیجا۔ انہیں اس لئے سفیر منتخب کیا کہ وہ اکثر یمامہ جاتے رہتے تھے وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ سلیط بن عمرو نے رسول اللہ کا مکتوب گرامی حاکم یمامہ کو پہنچایا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوزہ بن علی کی جانب، سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے اور جان لو کہ میرا دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جاسکتے ہیں۔ تو اسلام قبول کرو، سلامت رہو گے اور جو کچھ تمہارے اختیار میں ہے اس کا مالک ہم تمہیں کو بنادیں گے۔“

ہوزہ نے آپ کا خط پڑھنے کے بعد اعتراف کیا کہ رسول اللہ جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت اچھا دین ہے لیکن اقتدار کی ہوس دامن گیر رہی۔ ہوزہ نے سفیر سے کہا کہ دیکھو میں صرف حاکم ہی نہیں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب بھی ہوں۔ عرب میرے مقام اور مرتبے سے ڈرتے ہیں لہذا اگر رسول اللہ مجھے حکومت میں شریک کریں تو میں ان کی اتباع کرنے کو تیار ہوں۔ جواب کے ساتھ حضرت سلیط کو خلعت عطا کی اور تحفے دے کر روانہ کیا۔ رسول اللہ نے امیر یمامہ کی اس سیاسی شرط کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا

”اگر وہ بالشت بھر زین مانگے گا تو نہیں دوں گا۔“

ہوزہ خود بھی تباہ ہوا اور اس کا ملک بھی تباہ ہوا۔ (۹)

### رئیسِ غسانی کے نام خط

حارث بن ابی شمر غسانی رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ آپ نے حضرت شجاع ابن وہب اسدی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محمد رسول اللہ کی جانب سے حارث بن ابی شمر

کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر

ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے، میں تمہیں اللہ پر

ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو یکتا ہے، اس کا کوئی

شریک نہیں، تو تمہارا ملک تمہارے پاس رہے گا۔“

حارث نے خط پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا بھلا مجھ سے میرا ملک کوئی چھین سکتا ہے، یہ کہہ کر اس نے جنگی تیاری کا حکم دے دیا اور اجازت لینے کے لئے قیصر کو بھی لکھ دیا، قیصر کے پاس حارث کا خط لے کر قاصد اس وقت آیا جب حضرت وحیہ کلبی اسے بھی رسول اللہ کا پیغام پہنچا چکے تھے۔ قیصر نے فوج کشی کے ارادہ سے منع کر دیا اور کہا کہ بیت المقدس میں میرے استقبال کی تیاری کرو۔ حارث بن شمر غسانی کو توروم کی طاقت پر گھمنڈ تھا جب اس نے دیکھا کہ روم بھی ان سے خوف زدہ ہے تو اس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو بلایا اور تحفے تحائف دے کر روانہ کیا۔

والی بصری کے نام مکتوب اور دیگر متفرق سفارتیں

بصری کے حاکم کے پاس حارث بن عمر آپ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ راستے میں موتہ کے

مقام پر وہاں کے سردار شرجیل غسانی نے حارث بن عمر کو شہید کر دیا۔

رسول کریم ﷺ نے ان کے علاوہ اور بھی بے شمار قبائل کے سرداروں، ریاستوں کے والی اور سیاسی قیادت رکھنے والے معززین کے پاس اپنے نمائندوں کو بھیجا۔ مثلاً یمن کے بادشاہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس مہاجر بن امیہ مخزومی کو بھیجا۔ قبیلہ بنو کلب کے سمعان بن قریظہ کے پاس عبد اللہ بن عویج عرفی کو، بکر بن وائل کے پاس طبیان بن مرشد کو، قبیلہ حمر کے روساء حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال کے پاس عیاش بن ربیعہ مخزومی کو، طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے پاس غیر بن خرشہ کو، مسیلہ کذاب کے پاس نائب بن عوام کو اور حضرت وائل بن مجر کو خود انہی کے قبیلہ کے لوگوں کے پاس پیغامات دے کر بھیجا گیا۔ (۱۰)

مکتوباتِ نبوی کی تحریر اور اسلوب کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مختلف مملکتوں میں قائم شاہی نظام جو غیر انسانی بنیادوں پر قائم تھا کو چیلنج کرتے ہوئے اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ اکثر ممالک میں شاہی نظام کی گرفت اتنی سخت تھی کہ عوام کی آزادی ان کے فرمانرواؤں کی نظر التفات کا دوسرا نام تھا۔ ان فرمانرواؤں نے مذہبی پیشواؤں کا تعاون حاصل کر کے انسانیت کو اپنے پاؤں تلے روندنا۔ اسلام سرخ و سفید، کالے اور گورے کے امتیاز کو ختم کرنے کے لئے آیا۔ اس نے بنی نوع انسان کی شاندار اور تابناک مستقبل کا مژدہ سنایا اور انسان کی زندگی کے اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، ذہنی اور روحانی پہلوؤں کے متعلق اوامرو نواہی جاری کر کے آزادی، مساوات اور اخوت کا درس دیا۔ یہ درس اس انداز سے دیا کہ آپ کے لب و لہجہ میں ذرہ برابر نیاز مندی، ذاتی مفاد کی تلویت، مرعوبیت یا کمزوری نہیں بلکہ ایک خاص وقار ہے، عزم ثبات ہے۔ اس پر اعتماد اور پُر خلوص دعوت کے انتہائی اثرات مرتب ہوئے۔ ہر خط کے آغاز میں بسم اللہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مطلق العنان بادشاہ محض اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دیئے ہوئے نظام کے دائرہ میں آجائیں۔

رسول اللہ کے مکاتیب میں محض بادشاہوں اور امراء ہی کو مخاطب نہ کیا گیا تھا بلکہ عوام الناس بھی اس میں شامل تھے۔ مکتوباتِ مملکتوں کے سربراہوں کے نام لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے خطوط ہمیشہ سربراہانِ ریاست کو بھیجے جاتے تھے۔ پھر یہ اس دور کی بات ہے جب کہ عام شہریوں کے حقوق بادشاہوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے اور انہیں وہ سیاسی آزادی حاصل نہ تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ مملوک و سلاطین کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے رسول اللہ نے سیاست و تدبیر اور بالغ نظری کا حد درجہ ثبوت فراہم کیا۔ آپ نے نہ صرف بڑی طاقتور ریاستوں کو دعوتِ اسلام دی بلکہ ان کے زیر اثر اور ماتحت سرحدی ریاستوں کو بھی جھنجوڑا۔ سیاسی لحاظ سے اس کا

مقصد یہ تھا کہ طفیلی ریاستوں کو کسی طرح ان بڑی طاقتور مملکتوں سے علیحدہ کر دیا جائے جن سے وہ قوت پارہی تھیں۔

چنانچہ جب رسول اللہ نے اپنے سفیر دجیہ کلبی کے ذریعہ قیصر روم کو مکتوب روانہ کیا تو اس کے ساتھ ساتھ سلطنت روم کے حلیف اور ماتحت تمام علاقوں کے سربراہوں کو بھی خطوط روانہ کئے۔ ان میں حبشہ کے حاکم نجاشی، اسکندریہ کے حاکم مقوقس، حاکم دمشق حارث بن ابی شمر الغسانی، شام کے سربراہ جبلہ بن الاسیم، عامل معان فردہ بن عمرو الجذامی، ضغاطر اسقف اور سرداران قبیلہ لخم، کلب، داریون اور بلی وغیرہ کے نام مراسلات قابل ذکر ہیں۔ اس طرح آپ نے روم اور اس کے زیر اثر تمام خطے کو اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ دوسری جانب سلطنت فارس اور اس کے ماتحت تمام امراء اور رؤساء کو بھی مخاطب کیا۔ اس سلسلے میں شاہ فارس کسری، پرویز، یمامہ کے ہوزہ بن علی، بحرین کے حاکم اور سرداران قبیلہ بکر بن وائل وغیرہ کے نام مکتوب قابل ذکر ہیں۔ ان مذکورہ ملوک و سلاطین کے نام مکتوبات کے نتائج خواہ کچھ رہے ہوں اس کے اثرات عالمی سیاسی حالات پر بہت گہرے پڑے۔ حضور کی یہی سفارتی حکمت عملی یقینی طور پر کامیاب رہی۔ مثلاً عمان، بحرین اور یمن کے امراء انہی سفارتوں کے نتیجے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت و اثرات کے لحاظ سے دیگر تمام عرب علاقوں سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ پھر حضور سے برسر پیکار عرب قبائل کو ان ہی علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ جانتے تھے کہ جب تک دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم ہوتا رہے گا، جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس لئے ان امارتوں کے ریاست نبوی کے زیر اثر آجانے سے رسول اللہ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی حدود پھلتے ہوئے پر امن طور پر عمان، بحرین اور یمن تک جا پہنچیں۔

مکتوبات کے ذریعے دعوت الہی پر بعض حکمرانوں نے رد عمل کے طور پر اسلام کو قبول تو نہ کیا لیکن دلوں پر اثرات ضرور محسوس کئے جیسے یمامہ کے امیر ہوزہ بن علی نے قبول دعوت کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں۔ بالآخر وہ تباہ ہوا۔ مصر کا حکمران مقوقس خط پڑھ کر بہت متاثر ہوا اور قاصد کی تکریم کرتے ہوئے حضور کے لئے تحائف ارسال کئے۔ لیکن اسلام لانے سے ہچکچایا۔ گویا اخلاقی اعتبار سے ان علاقوں میں نرم گوشے پیدا ہوئے۔ اس کے برعکس شہنشاہ فارس پرویز نے نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور اپنے عامل بازان کو رسول اللہ کی گرفتاری کے لئے لکھا۔ نتیجتاً ایک طرف تو یمن سلطنت ایران سے کٹ کر خود بخود رسول اللہ کی زیر سیادت آ گیا اور دوسرے یہ کہ کسری پرویز شیروہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ایران میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور وہ اپنی سرحدات کا دفاع نہ کر سکا۔ اس طرح ایران کے اکثر علاقوں

پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر بصری کے حاکم نے حضرت حارث بن عمیرؓ جن کو حضورؐ نے سفیر بنا کر بھیجا تھا قتل کر ڈالا۔ حاکم بصری عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے احکام کے تابع تھا۔ ایک خود مختار ریاست کے سفیر کا قتل معمولی جرم نہ تھا۔ یہ بین الاقوامی سفارتی آداب کے سراسر منافی تھا۔ لہذا اس سانحہ کی اطلاع ملتے ہی جمادی الاول ۸ھ میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج رسول اللہؐ نے سرحد شام کی جانب روانہ فرمائی تاکہ یہ علاقہ آئندہ مسلمانوں کے لئے پر امن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر زیادتی کی جرأت نہ کریں۔ جنگِ موتہ کے واقعات اور تفصیلات میں جائے بغیر شرجیل بن عمرو کی ایک لاکھ فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا معمولی بات نہ تھی۔ اس پر ایک مصنف نے یوں تبصرہ کیا کہ

”اس تیور کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام مشرق یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر تھے اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بنی سلیم (جن کے سردار عباس بن عمرو السلمی تھے) اور اشجع اور غطفان اور ذبیان اور فزارہ کے لوگ اس زمانہ میں داخل اسلام ہوئے اور اسی زمانہ میں سلطنتِ روم کی عربی فوجوں کا ایک کمانڈر فروہ بن عمر الجذامی مسلمان ہوا۔“ (۱۱)

جنگِ موتہ جو کہ حضورؐ کے بھیجے ہوئے ایک سفیر کے قتل کے ردِ عمل میں واقع ہوئی کا ایک سیاسی فائدہ عربوں کو یہ بھی حاصل ہوا کہ انہیں شہنشاہِ روم اور اس کی عظیم الشان قوت سے ٹکرانے کا حوصلہ مل گیا۔ پچھلی تاریخ میں عربوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ روم کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن جنگِ موتہ نے عربوں کی اجتماعی نفسیات بدل ڈالی۔ نیز دنیا پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ سلامِ ریاست اپنے مقصد کے حصول، اپنی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لئے کسی بھی طرح سے مقابلہ کرنے کو تیار ہے۔ جنگِ موتہ کے ان اثرات کے باوجود عرب سرحدات کی طرف رومیوں کے خطرات کم نہ ہوئے بلکہ



رومی فیصلہ کن معرکے کے لئے اپنے آپ کو متحد کر چکے تھے۔ نتیجتاً ۹ھ میں تبوک کے مقام پر حضورؐ نے مقابلہ کی غرض سے پڑاؤ کیا۔ حضورؐ نے حربی اور سیاسی منصوبہ بندی کچھ اس طرح سے کی کہ مسلمان فوج رومیوں کی تیاری مکمل ہونے سے قبل ہی مقابلہ پر پہنچ گئی۔ تبوک میں قیام کے دوران ہی آپ نے قیصر روم کو تحریر فرمایا کہ

”میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لیتے ہو تو جو مراعات مسلمانوں کو حاصل ہوں گی وہ تمہیں حاصل ہوں گی اور جو واجبات ان پر عائد ہوتے ہیں وہی تم پر عائد ہوں گے لیکن اگر تم دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو پھر جزیہ ادا کرو۔“

اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ

”اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ ہی دین حق کی اطاعت قبول کرتے ہیں ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ وہ ماتحتی کرتے ہوئے خود آخر جزیہ ادا کریں۔“

اس جرات مندانہ اقدام کا ایک سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ تبوک میں قیام کے دوران وہ سرحدی ریاستیں جو اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں ریاستِ نبویؐ کے باج گزار بن گئیں۔ ایلہ، اہل جریاء و ازرح، دومۃ الجندل اور مقنا کے قبائل ان میں شامل ہیں۔ اس طرح ریاستِ نبویؐ کی حدود براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئیں۔ حضور پاک ﷺ کی مذکورہ بین الاقوامی سفارتی سرگرمیوں کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ایک عالمی قوت کے طور پر پہچانا گیا اور عرب کے بہت سے قبائل جو دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اس عالمی قوت کے ساتھ ناٹھ جوڑنے کی خواہش کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے حضورؐ کی خدمت میں اپنے وفود اور سفیر مدینہ بھیجے۔ ان وفود سے متعلق تفصیلات میں جانے سے قبل ضروری ہے کہ حضورؐ کے غیر ملکی وفود اور سفیروں کے ساتھ برتاؤ کا جائزہ لیا جائے۔

اسلام میں سفارتی آداب

بین الاقوامی سطح پر اسلام سے قبل بھی یہ روایت موجود تھی کہ غیر ملکی سفیروں سے اچھا برتاؤ کیا

جائے۔ ان کا تحفظ ہو اور ان سے بدسلوکی اور ایذا رسانی سے گریز کیا جائے۔ قدیم یونانی مفکرین ارسطو اور افلاطون نے بھی اپنی کتابوں میں سفارتی نمائندوں کے تحفظ اور سہولتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس روایتی قانون کی موجودگی کے باوجود اس پر پوری طرح عمل نہ کیا جاتا تھا۔ تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جب سفیروں کے ساتھ غیر مہذب سلوک کیا گیا، انہیں یرغمال بنایا گیا حتیٰ کہ بعض نمائندوں کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن رسول پاکؐ نے اپنی تعلیمات اور طرز عمل سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ سفارتی نمائندے ہمیشہ قابل احترام ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا تحفظ لازم ہے۔ جیسا کہ عامر بن طفیل کے وفد کے گستاخانہ رویہ کے رد عمل کے طور پر آپؐ کے طرز عمل سے ظاہر ہے۔ عامر بن طفیل، اربند بن قیس اور جہان بن سلمیٰ پر مشتمل تین رکنی وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سرداران قوم کے عزائم خطرناک تھے۔ عامر بن طفیل نے رسول اللہؐ کے ساتھ انتہائی گستاخانہ اور غیر مہذب انداز میں گفتگو کی۔ واپسی پر اس نے دھمکی بھی دی کہ وہ اپنے مسلح لشکروں سے مدینہ کو تہس نہس کر دے گا۔ اس غیر مہذب گفتگو کے باوجود آپؐ نے اس کے ساتھ بھی سفارتی آداب کے تحت برتاؤ کیا اور اس کے جانے کے بعد یہ دعا کہ اے اللہ عامر کے فتنوں سے ہمیں محفوظ فرما۔ اسی طرح مسلمہ کذاب کے سفیروں سے بھی بہتر سلوک کیا گیا باوجود اس کے کہ ان سفیروں نے تمام سفارتی آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔

رسول اللہ نے صرف یہ فرمایا کہ

”خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کا قتل جائز نہیں تو

میں ضرور تمہاری گردنیں اتروادیتا۔“ (۱۲)

ساٹھ افراد پر مشتمل نجران کا ایک وفد مدینہ آیا یہ لوگ عیسائی تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ ان لوگوں کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا گیا۔ انہوں نے مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنا چاہی۔ بعض لوگوں نے انہیں روکنا چاہا تو رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو اس سے روک دیا اور فرمایا کہ ان مہمانوں کو اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ انہوں نے عیسائیت کے مطابق مسجد نبویؐ میں نماز ادا کی۔ (۱۳)

قبیلہ بنو ثقیف کے وفد کی بڑی عزت افزائی کی گئی اور انہیں مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا۔ ان کے لئے خصوصی طور پر خیمے لگوائے گئے۔ حضرت خالد بن سعد بن العاصؓ کو ان کا پروٹوکول افسر مقرر کیا گیا۔ ضرورت کے وقت حضور پاکؐ نے مدینہ آنے والے سفراء اور وفد کی مالی مدد بھی فرمائی۔ قبیلہ حذیفہ کے وفد کے پاس واپس جانے کے لئے کھانے پینے کا سامان پورا نہ تھا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کے لئے اسباب خورد

ونوش کا انتظام کر دیا جائے۔ (۱۴) اس طرح وفد بنو ثعلبہ کو جاتے ہوئے پانچ اوقیہ چاندی دی  
رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو سفیروں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے کا حکم دیتے ہوئے  
فرمایا تھا

”ان (وفد ثعلبہ) کے ساتھ اس طرح خاطر مدارت کرو

جس طرح وفد کے ساتھ خاطر مدارت کی جاتی ہے۔“ (۱۵)

اس کے علاوہ جن افراد کو آپؐ دوسرے علاقوں میں سفیر بنا کر بھیجتے ان کو بھی ہدایات فرماتے کہ  
وہ سفارتی آداب کو ملحوظ رکھیں اور حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں۔ بین  
الاقوامی تعلقات کے ضمن میں سفراء اور وفد کے جان و مال کے تحفظ اور عزت و احترام کی اہمیت کے پیش  
نظر ہی رسول اکرم ﷺ نے آخری ایام میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان نمائندوں کی عزت و  
مدارت اسی طرح کرتے رہنا جس طرح میں کرتا ہوں۔

حضرت محمد ﷺ کی غیر ملکی نمائندوں کے ساتھ برتاؤ کی تعلیمات اور ان کے ساتھ مثالی طرزِ عمل  
کا نتیجہ یہ نکلا کہ بین الاقوامی طور پر اسلامی ریاست کی غیرت و وقار میں اضافہ ہوا۔ نیز اس سے غیر ملکی  
سفیروں کے متعلق بین الاقوامی قوانین کی تیاری میں بھی فائدہ حاصل ہوا اور مختلف زمانوں میں مختلف  
ممالک، بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں نے سفراء سے متعلق قوانین کی تیاری کیلئے ان سے استفادہ بھی  
کیا ہے۔

## رسول اللہ کی سفارتی سرگرمیوں کے نتائج

حضورؐ کی سفارتی حکمتِ عملی کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مختلف مملکتوں کے  
بادشاہوں اور امراء کے نام جو خطوط آپؐ نے ارسال فرمائے تھے ان کے نتیجے میں جنگِ تبوک کے بعد  
مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے مدینہ کی ایک نئی اسلامی ریاست کو  
تسلیم کیا جانے لگا اور خود عربوں کے اندر بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ عرب کے بہت  
سے قبائل جو ابھی تک اس نئی اسلامی ریاست کے تابع نہیں ہوئے تھے اس بات کے انتظار میں تھے کہ  
قریش مکہ اور حضورؐ کے تعلقات کیا رخ اختیار کرتے ہیں گویا وہ کسی فیصلہ کن نتیجے کے انتظار میں تھے۔ فتح  
مکہ کے بعد رسول اللہؐ نے جب پرامن طور پر قریش مکہ پر غلبہ حاصل کر لیا تو حالات بدل گئے۔ عرب  
قبائل جو ابھی تک تذبذب کا شکار تھے اس نئی اسلامی ریاست کے ساتھ اپنا تعلق اور ناٹھ جوڑنے کی  
خواہش کرنے لگے، بالکل اسی طرح جیسے ہر دور میں عظیم طاقتوں کے ساتھ چھوٹے ممالک تعلقات قائم

کرنے کے آرزو مند ہوتے ہیں یا مجبور ہوتے ہیں \_\_\_\_\_! مختلف علاقوں سے قبائل نے حضور کی خدمت میں وفود بھیجے تاکہ وہ اس نئی مذہبی اور سیاسی طاقت کا ایک حصہ بن سکیں یا اس کے ساتھ تعلقات قائم کر سکیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور جب لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (سورہ النصر)

حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔ ابن اسحاق نے پندرہ وفود کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن قیم اور قسطلانی کے مطابق چونتیس وفود حاضر ہوئے۔ دمیاطی، سلطانی اور زین الدین عراقی، ابن سعد کے ساتھ متفق ہیں جس نے ستر وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ مصنف سیرت شامی کے مطابق ایک سو چار وفود مدینہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بہر حال سب سے زیادہ وفود ۹۷ھ میں آئے اسی بناء پر اس سال کو ”عام الوفود“ کہا جاتا ہے۔ یہاں مقصد حضور کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا واقعاتی اور تفصیلی ذکر کرنا نہیں بلکہ ان وفود کی حضور پاک کی خارجہ سیاست میں اہمیت کا جائزہ لینا ہے۔

حضور کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی اہمیت کا پہلا عنصر سفارتی نوعیت کا ہے۔ یعنی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے غیر ملکی سفیروں اور وفود کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا۔ گزشتہ صفحات میں اس کی کئی مثالیں دی جا چکی ہیں یہاں صرف یہ کہنا ہی کافی ہوگا کہ آپ نے ان وفود کو عزت و احترام بخشا اور ان کی خاطر مدارت کے لئے خاص اہتمام فرماتے ہوئے افسرانِ مہماندار بھی مقرر کئے نیز واپسی پر ان کو تحفے و تحائف سے بھی نوازا۔ سفارتی آداب کے یہ اصول آج کے جدید دور میں بھی مسلمہ ہیں۔

حضور کی خدمت میں پیش ہونے والے وفود کی اکثریت نے اسلام قبول کیا اور اسلامی تعلیمات کے درس سیکھے۔ جن وفود کے اراکین آپ کی طرف سے تعلیمات ملنے کے باوجود دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے ان میں سے بعض نے دوستی اور صلح کے معاہدہ کئے۔ گویا دونوں لحاظ سے فائدہ اسلامی ریاست کو ہی پہنچا۔ حضور پاک کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اور اولین اصول اسلام کا پیغام پہنچانا تھا کیونکہ وہ اس مقصد کے لئے ہی بھیجے گئے تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرتے ہوئے آپ نے سیاسی و حربی طریقے بھی اختیار کئے۔ یہ آپ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی خدمت میں جتنے وفود حاضر ہوئے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

رمضان ۱ھ میں ہجرت کے چھ ہی ماہ جب آنحضرتؐ نے قریش کے متعلق اپنی سیاست متعین کر لی کہ ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے اور اس سلسلے میں قریش کی تجارتی گزرگاہوں پر مقیم قبائل سے رابطہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جہینہ کا قبیلہ اس مقام پر تھا جو قریشیوں کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ تھی۔ اس قبیلہ کے عبدالعزیٰ بن بدر، اخیانی اور ابوروعہ وفد کی شکل میں آپؐ کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے۔ (۱۶) اسی قبیلہ کے ایک اور شخص عمرو بن مرہ الجہنی نے آپؐ کے متعلق سن کر اپنا بت منہدم کر ڈالا اور آپؐ کے پاس آکر اسلام قبول کیا۔ (۱۷) ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق عمرو الجہنی سے یا آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد خود کوئی معاہدہ حلفی کیا تھا یا کم از کم انصار کی پرانی حلفی کی تجدید کر کے اب سارے مسلمانانِ مدینہ کے لئے (جن کے سیاسی سردار خود ”رسول اللہ“ بن گئے تھے) عام کر دیا تھا۔ (۱۸)

اس طرح قبیلہ مزینہ بھی اس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو قریش کے مواصلات کی شہ رگ تھی۔ اس قبیلہ کے چار سو افراد پر مشتمل وفد نے مدینہ منورہ میں آپؐ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ ان میں بلال بن الحارث، نعمان بن مقرن، ابواسماء، عبیدالہ بن بردہ اور بشیہ بن تمعفر قابل ذکر ہیں۔ قبیلہ کے ایک سردار کو قبیلہ کی جاگیریں عطا ہوئیں۔ گویا آنحضرتؐ نے قیمتی جاگیر دے کر قبیلہ کو اس کا پابند کیا کہ قریشی آمدورفت کو روکنے میں مدد دے۔ پھر جب ارکانِ وفد نے ہجرت کی خواہش کا اظہار کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ

”تم جہاں بھی رہو مہاجر ہو۔ لہذا تم لوگ اپنے مال و متاع

کی جانب واپس جاؤ۔“ (۱۹)

حضورؐ کی ارکانِ وفد کو نصیحت کا سیاسی مقصد یہ تھا کہ مدینہ کے یہ مسلمان اپنے مقام پر رہ کر قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کی اطلاع کرتے رہیں اور مدینہ کی قیمتی اور زرخیز زمینوں کی نگرانی کرتے رہیں۔ پھر قبیلہ عامر بن عکرمہ کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان کے سردار کو بھی ایک جاگیر عطا فرمائی تاکہ وہ بھی قریش کا تجارتی راستہ بند کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ اشجع بظاہر قبیلہ غطفان کی ایک شاخ ہے یہ بھی قریش کے کاروانی راستے پر مدینے کے شمال میں بستے تھے۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی میں کامیابی کے بعد ۵ھ میں یہ قبیلہ معاشی مسائل کا شکار ہوا تو اپنا ایک وفد مدینہ بھیجا اور حضورؐ سے حلفی کی۔ قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان مذکورہ وفود نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نتیجتاً معاشی دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے قریش مکہ صلح حدیبیہ پر رضامند ہوئے اور مسلمانوں کو ایک قوت ماننے پر مجبور ہوئے تھے۔

جو سفراء یا وفود کے اراکین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپؐ کی دعوت اور اسلامی

تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر وفود کے اراکین نے اسلام قبول کیا اور اسلامی احکامات سیکھے اور اپنے قبائل کو واپس جا کر لوگوں کو تبلیغ کی۔ نتیجتاً عرب قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اسلام نہ صرف عرب کی سرحدوں کو چھونے لگا بلکہ پڑوس کی عظیم سلطنتوں کے اندر بھی اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ گویا عرب کے دور دراز سرحدی قبائل میں اسلام کو ایک مذہبی اور سیاسی قوت بنانے میں ان وفود نے اہم کام کیا جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

۵ھ میں بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سفیر بنا کر حضور اکرم کی خدمت میں بھیجا۔ ضمام حضور سے مختلف سوالات و جوابات کے بعد ایمان لائے اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تبلیغ دیتے ہوئے کہا: \_\_\_\_\_ لات اور عزیٰ بہت بُرے ہیں، ان لوگوں نے کہا ضمام! برص اور کوڑھ اور جنون سے ڈرو اور ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ انہوں نے کہا! خدا کے بندو! خدا کی قسم! یہ بت نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے رسول گرامی کو بھیج دیا ہے، ان پر کتاب نازل کی اور تمہیں شرک و کفر سے نجات کی راہ دکھادی ہے۔ جس شرک و کفر میں تم مبتلا تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول ہیں اور میں تمہارے پاس احکام لے کر آیا ہوں کہ انہوں نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اس بیان پر شام سے قبل ہی تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ قبیلہ دوس کے طفیل عمر دوسی آپ کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔ واپس جا کر اپنے قبیلہ کو دعوت دیتے رہے۔ نتیجتاً ۵ھ میں دوس کے ستر یا اسی مسلمانوں کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان میں ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن ازہیر بھی شامل تھے۔ (۲۰) ۸ھ میں جب آپ جعرانہ سے واپس ہوئے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو یمن میں قبیلہ صداء کے ساتھ چار سو مسلمانوں کی قیادت میں جنگ کی غرض سے روانہ فرمایا۔ صداء کے ایک شخص زیاد بن حارث اپنی قوم کی طرف سے سفیر بن کر حاضر ہوئے۔ آپ نے جیش کو واپس طلب کر لیا۔ بعد میں زیاد بن حارث پندرہ افراد پر مشتمل ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبیلہ صداء میں اسلام سرعت سے پھیلا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس قبیلے کے ایک سو افراد آپ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ (۲۱)

قبیلہ مراد کے فروہ بن مسیک مرادی، کندہ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ کی خدمت میں شاہان حمیر کا مکتوب پہنچا۔ جو حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور ذی رعیین، معافر اور ہمدان کے امیر نعمان نے ذرعد زوزین مالک ابن مرہ ہادی کے ہاتھ بھجوایا گیا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ ہم اسلام لائے ہیں اور شرک اور اہل شرک سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ آپ نے جواباً احکام اسلام لکھ کر

بھجوائے۔

فروہ ابن عمر ابن الناضرہ جذامی نفاقی نے ایک قاصد کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع کرنے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا۔ فروہ شاہِ روم کی طرف سے ان عربوں پر عامل مقرر تھے جو ان کے قریب رہتے تھے۔ شام میں معان اور اس کے آس پاس کا علاقہ ان کے زیر انتظام تھا۔ جب شاہِ روم کو ان کے اسلام لانے کی خبر ملی تو انہیں بلا کر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور بالآخر ان کا سر قلم کر دیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد وفدِ شمالہ اور وفدِ الحدان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ سے متعلق احکامات وصول کئے۔ اسی طرح وفدِ شیبان، وفدِ تجیب، وفدِ خولان، وفدِ جعفی، وفدِ حشین، وفدِ بلی، وفدِ عذرہ، وفدِ ثقیف، وفدِ بنو تمیم، وفدِ سلیم، وفدِ باہلہ، وفدِ غامق اور وفدِ حضر موت اور کئی دیگر وفود کے اراکین رسول اللہ کی دعوت پر اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ ان وفود کے اسلام لانے اور واپس جانے پر تبلیغی کام سے مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوا اور حدودِ ریاستِ اسلام میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اس طرح اسلام ایک عالمگیر طاقت اور مذہب بننے لگا۔

وفود کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبائل کی طرف سے بھیجے گئے وفود اسلام قبول کئے بغیر واپس لوٹے البتہ صلح کے معاہدے کئے۔ بنو تغلب کے آئے ہوئے وفد کے کچھ اراکین عیسائی تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا البتہ اس شرط پر صلح کی کہ وہ خود عیسائیت پر قائم رہیں گے لیکن اپنی اولاد کو عیسائیت کی تعلیم نہیں دیں گے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسلام کی دعوت دی، قرآن پاک سنایا لیکن وہ اسلام لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ نے مباہلہ کی پیشکش کی لیکن وہ کتر گئے بالآخر دو ہزار حلقے سالانہ دینے پر صلح ہوئی۔ اور یمن سے جنگ کی صورت میں چند چیزوں کی عاریۃ مدد کی بھی شرط رکھی گئی۔ (۲۲) واپسی پر آپ نے ابو عبیدہ بن جراح کو بعض امور کی غرض سے ساتھ بھیجا جن کے فیضانِ صحبت سے پورا نجران منور ہو گیا۔ بعض وفود کی آمد میں قبولیتِ اسلام کے ساتھ ساتھ اقتصادی امداد کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ ۹ھ میں تبوک سے واپسی پر بنو فزارہ کا وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے اراکین نے جو کمزور سوار یوں پر سوار ہو کر آئے تھے عرض کی کہ ہمارے شہر خشک سالی کی زد میں ہیں، ہمارے مویشی ہلاک ہو گئے، ہمارا علاقہ قحط کا شکار ہے اور کھیتیاں خشک ہو گئیں ہیں۔ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں۔ حضور نے دعا فرمائی۔

”اے اللہ! اپنے شہروں اور چوپایوں کو سیراب فرما، اپنی

رحمت عام فرما اور اپنے مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔ اے اللہ!

ہمیں سیراب کرنے والی، خوشگوار تازگی بخش وسیع اور ہمہ

گیر بارش جلدی عطا فرما۔ دیر سے نہیں، مفید ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما جو باعث عذاب، مکانات کو گرانے والی، افراد کو غرق اور فنا کرنے والی نہ ہو۔ اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔“

حضور کی دعا قبول ہوئی اور وادی فزارہ کی وادی میں قحط ختم ہوا اور کھیتیاں سبز ہو گئیں۔ (۲۳) غرض رسول اللہ کی خدمت میں جتنے وفود حاضر ہوئے اسلام اور حضور سے متاثر ہوئے بغیر واپس نہ گئے۔ اکثر مسلمان ہوئے اور جو اسلام نہ لاسکے حضور نے اپنی سیاسی بصیرت کے کمال پر ان سے صلح کے معاہدات کئے جن سے مسلمانوں نے بھرپور انداز میں فائدہ اٹھایا۔ مشہور مصری مصنف ہیگل نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

”جزیرہ نمائے عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے بت پرستی کی جگہ اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ عرب کے مشرکین بت پرستی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے گئے تا آنکہ تمام ملک بتوں کی پرستش سے بے نیاز ہو کر خدائے یکتا کی عبادت پر کار بند ہو گیا۔ از خود اطاعت گزارانہ حیثیت سے آیا۔ نہ کسی قبیلہ پر دباؤ ڈالا گیا اور نہ کسی کے معاملہ میں کشت و خون کی نوبت آئی۔“ (۲۴)





## حوالہ جات باب پنجم

- ۴۔ البخاری، کتاب الجہاد
- ۵۔ الطبری، ج ۳، ص ۸۸۷۔
- ۶۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۳۶۔
- ۷۔ علی بن برہان الدین حلبي، "السيرة الحلبیة"، ج ۳، ص ۲۹۳۔
- ۸۔ فتوح البلدان، ص ۱۲۸۔
- ۹۔ السيرة الحلبیة، ج ۳، ص ۳۰۴۔
- ۱۰۔ طبقات ابن سعد، جلد ۲، صفحہ ۷۵۔
- ۱۱۔ مودودی، "تفہیم القرآن"، جلد ۲، ص ۱۶۸-۱۶۹۔
- ۱۲۔ ابن ہشام، "سیرۃ النبی ﷺ"، جلد ۴، ص ۲۷۲۔
- ۱۳۔ السیرۃ الحلبیة، جلد ۲، ص ۲۳۵۔
- ۱۴۔ الخصائص الکبریٰ، جلد ۲، ص ۲۳۔
- ۱۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۱، ص ۲۹۰۔
- ۱۶۔ ایضاً، جلد ۲، ص ۲۴۲۔
- ۱۷۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۱۳۰۔
- ۱۸۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۲۷۹۔
- ۱۹۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۷۵۔
- ۲۰۔ زاد المعاد، جلد سوم، ص ۱۱۷۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۱۵۵۔
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

- ۲۲۔ نقوش رسول نمبر، جلد ۷، ص ۷۱۹۔
- ۲۳۔ طبقات ابن سعد (عربی)، جلد ۱، ص ۲۹۷، بحوالہ "نقوش رسول نمبر" جلد ۷، ص ۶۹۷۔
- ۲۴۔ محمد حسین بیگل، "حیات محمد ﷺ"، ص ۵۸۳۔

## باب ۶

## رسول اللہ کے سیاسی و فوجی اتحادات و معاہدات

کسی بھی ملک کی خارجہ سیاست میں معاہدانہ روابط کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہر ریاست کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کی سرحدات دشمنوں سے محفوظ رہیں اور اس مقصد کے لیے وہ پڑوسی ملکوں اور بڑی طاقتوں کے ساتھ معاہدے بھی کرتی ہے۔ ایسے معاہدے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں دفاعی بھی اور سیاسی بھی۔ بعض اوقات دو سے زائد ممالک اکٹھے مل کر دفاعی تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں۔ یعنی خود کو فوجی اتحاد میں جکڑ لیتے ہیں تاکہ دشمن سے اجتماعی طاقت کے ساتھ نبٹا جاسکے۔ ایسے معاہدے اور اتحادات ہمیشہ بعض اصولوں اور شرائط کے تحت طے پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بہت سے اصول مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً دوسرے پر برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالنا یا معاہدے سے پھرنا یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس سے کچھ لینا، ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ معاہدہ میں ایسا فعل کرنے والوں کے خلاف بروز قیامت میں وکیل ہوں گا۔ آپ ﷺ نے معاہدے کی خلاف ورزی نہ تو خود کی اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو کرنے کی تلقین فرمائی۔ بلکہ غزوہ نصیر ایک معاہدے کو پورا کرنے کے سلسلے میں ہی ہوئی تھی۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے وعدہ خلافی کی وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں، اس طرح ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، اس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔ معاہدہ یا میثاق کا ذکر سورہ اعراف کی آیت ۷۲ میں بھی آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ

”اور جب تمہارے پروردگار نے نبی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی، تو ان سے خود ان کے بارے میں اقرار کرا لیا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگی کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) یہ اقرار اس لیے کرایا گیا تھا کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی بھی خبر نہیں۔“

اس کی مزید وضاحت سورۃ الاحزاب میں کی گئی ہے:

”اور جب ہم نے پیغمبروں سے میثاق لیا اور تم سے نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم سے اور عیسیٰ سے اور میثاق بھی ان سے چکا لیا“۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے سیاستِ خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ کیونکہ آپ ﷺ جنگ و جدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوتِ حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔ جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں وہاں تو آپ ﷺ نے کسی درجہ کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا، لیکن اگر جنگ سے بچ کے نکلا جاسکتا ہو اور ریاست کا سیاسی تحفظ و استحکام اور دعوت کے لیے کھلا میدان امن و آشتی سے خالی کرنا ممکن ہو تو پھر آپ ﷺ نے لازماً صلحِ آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، پھر ریاست کا وجود تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دستوری معاہدے پر قائم ہوا۔

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں۔ پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا، توازن قوت کو سمجھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دور رس نتائج پر نظر رکھنا اور پھر نفسیاتی گفت و شنید میں اثر پیدا کرنا۔ ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف نوعیت کے معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریہ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ بلکہ جتنے معاہدات اور اتحادات آپ ﷺ نے قائم فرمائے خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا اندازہ معاہدات کی تفصیل سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ (۲)

## معادہ عقبہ اولیٰ

یثرب میں قحطانی نسل کے دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان قبیلوں کا پیشہ زراعت تھا۔ یثرب میں یہودیوں کی بھی خاصی کثرت تھی، یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اوس و خزرج اور یہودیوں کے باہمی تعلقات مستحکم نہیں تھے بلکہ ان میں اچھی خاصی رقابت موجود تھی۔ کبھی کبھار جنگ و جدال کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ یہودی دراصل قبائلی رقابتوں کی آڑ میں یثرب پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے تھے۔ پھر اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مذہبی برتری بھی قبائل عرب پر منوانا چاہتے تھے۔ انہیں یہ علم تھا کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے۔ حقیقت میں یہودیوں کو تین پیغمبروں عیسیٰ، ایللی جاہ اور موسیٰؑ جیسے ایک پیغمبر کا انتظار تھا۔ جس کے ذریعے وہ یہودیت کے پرچار اور پھیلاؤ کا سوچ رہے تھے۔ انصار اس پہلو سے تہی دامن تھے۔ اسی سبب نے اوس و خزرج کے لئے دعوتِ محمدیہ قبول کرنے کی گنجائش پیدا کر دی۔ نبوت کے دسویں برس حج کے دنوں میں خزرج کا ایک قافلہ مکہ آیا۔ حضور پاک ﷺ عقبہ کے مقام پر ان سے ملے اور قرآن پاک پڑھ کر سنایا، اللہ تعالیٰ عز و جل شانہ، کی عظمت و جلال کا تذکرہ کیا اور بتوں سے ان کو نفرت دلائی۔ بت پرست ہونے کے باوجود یہودیوں سے روابط ہونے کی بنا پر ان کو یہ پتہ تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ (۳) آپ ﷺ کی دعوت پر بعض نے کہا، واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہودی کرتے ہیں، دیکھو کہیں وہ ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔ (۴) الغرض یہ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بنی خزرج کے ان چھ افراد کے نام یہ تھے۔

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ (۲) عوف بن حرث (۳) رافع بن مالک

(۴) قطبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) جابر بن عبد اللہ

انہوں نے یثرب واپس جا کر تبلیغ شروع کر دی۔ اگلے سال یعنی ۱۱ نبوی بمطابق ۶۲۱ء اہل یثرب کا ۱۲ رکنی وفد پھر حج کے لیے مکہ آیا۔ (۵) ان میں سے پانچ حضرات تو انہیں میں سے تھے جو گزشتہ برس آئے تھے۔ باقی سات نئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ معاذ بن حارث ۲۔ ذکوان بن عبد القیس ۳۔ عبادہ بن صامت

۴۔ یزید بن ثعلبہ ۵۔ عباس بن عبادہ ۶۔ ابوالہشیم مالک بن البقہان

۷۔ عومیم بن ساعدہ

رسالت مآب ﷺ نے ان سے درج ذیل امور پر باقاعدہ بیعت لی:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

- ۲- ہم چوری نہیں کریں گے۔
- ۳- ہم زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے۔
- ۴- اولاد کے قتل سے اجتناب کریں گے۔
- ۵- ہم باہمی بہتان طرازی سے پرہیز کریں گے۔
- ۶- ہم آپ ﷺ کی معروف و نیک امر میں نافرمانی نہیں کریں گے۔ (۶)

اس بیعت کے بعد یہ لوگ یثرب لوٹ گئے جہاں ان کی وجہ سے اسلام کو اور زیادہ فروغ ہوا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت مصعبؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا تا کہ احکام قرآن کی اشاعت کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ اوس کے سرداروں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اس طرح گھر گھر اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے اگلے سال ماہ رجب مکہ آئے اور آپ ﷺ سے اپنی پیش رفت کا ذکر کیا انہوں نے یہ عرض کی کہ محفوظ و مامون حالات کے پیش نظر یثرب کو اسلامی قالب میں مکمل طور پر ڈھالا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں وہاں کے مسلمان بہادر جری بھی ہیں۔

حضور ﷺ نے ان حالات کا تقابل مکہ کے مشرکین کے ناقابل برداشت مظالم سے کیا۔ یثرب کے حالات مسلمانوں کے حق میں از حد بہتر اور موزوں تھے۔ مکہ کی بنجر زمین کی طرح اس کے باسیوں کی طبیعت میں سختی پائی جاتی تھی۔ اہل یثرب کے دل بھی وسیع تھے اور زمین بھی مکہ کی نسبت قابل کاشت۔ اہل یثرب آپ ﷺ کو ایک ایسے مقام کی پیش کش کر چکے تھے جہاں اسلام کی تکمیل ہوتی نظر آتی تھی۔ ان چھ حضرات نے جنہیں بیعت عقبیٰ اولیٰ سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا آپ ﷺ سے عرض کی تھی کہ ہم آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم آپس میں اور یہودیوں سے اکثر برسر پیکار رہتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کے ذریعے اتفاق پیدا ہو سکا تو اس وقت ہمیں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔ (۷) آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ مکہ میں ان کے ساتھی قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتے آپ ﷺ کے چند رشتے دار اگرچہ آپ ﷺ کی حمایت کرتے تھے لیکن وہ برملا قریش کی ناراضگی کی قیمت نہیں دے سکتے تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ میں مسلمانوں کے لیے ایک سیاسی مرکز کی تلاش بھی کار فرما تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی۔ وہاں فرمانروا نجاشی نے ان کی آؤ بھگت بھی کی تھی لیکن حبشہ کے محل وقوع کی نسبت یثرب کا محل وقوع مسلمانوں کے حق میں تھا۔ یثرب میں ان کے بھائی ان کی اعانت بھی کر سکتے تھے جبکہ جزیرہ نمائے عرب سے حبشہ جا کر مدد کرنا اس وقت کے حالات کے پیش نظر ممکن نہ تھا۔

## معاهدہ عقبہ ثانی

اگلے برس یعنی ۱۲ نبوی بمطابق ۶۲۲ء یثرب سے بہت سے لوگ حج کی غرض سے مکہ آئے اور پچھتر مسلمانوں نے عقبہ کے مقام پر حضور ﷺ کی بیعت کی۔ اس کو معاہدہ یا بیعت عقبہ ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے وفد سے ارشاد فرمایا کہ

”میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت

اپنے بیوی اور بچوں کی حفاظت کی طرح کرو گے۔“ (۸)

جہاں تمہارا خون گرے گا، میرا لہو بہے گا۔ میں تم سے ہوں

اور تم میرے ہم قوم ہو۔ جس سے تمہاری جنگ ہوگی میں بھی

اس سے برسر پیکار رہوں گا۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی میں

بھی اس کا حلیف ہوں گا۔ (۹)

بیعت ہائے عقبہ بیک وقت مذہبی مواثیق بھی ہیں اور سیاسی و فوجی معاہدات بھی۔ نیز یہ معاہدہ بیک وقت معاہدہ عمرانی بھی ہے۔ اس سے اسلام کی عظمت کی نیورکھی گئی، اہل یثرب آپ ﷺ کی اطاعت کے پابند بنے اور آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔

اس معاہدے میں بیعت عقبہ اولیٰ کے برعکس جنگ کی شق بھی موجود تھی۔ آپ ﷺ نے اہل یثرب سے یہ عہد لیا تھا جس کے آپ ﷺ خود بھی فریق تھے کہ ”تمہاری جنگ میری جنگ، تمہاری صلح میری صلح اور میں اب تمہیں میں سے ہوں۔“ اس اقرار نے گویا دونوں فریقوں کو پابند کیا کہ ان کے حریف و حلیف مشترک ہوں گے۔ یہاں اس کے نتائج کے طور پر دیکھنا یہ ہے کہ اہل یثرب میں جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کس حد تک اس کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ فوجی حلیفی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معاہدہ بڑا کارگر ثابت ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ معاہدہ عقبہ میں شریک پچھتر افراد میں سے پچاس سے زائد حضور پاک ﷺ کے ساتھ بدر، احد، خندق وغیرہ کے مقامات پر لڑی جانے والی جنگوں میں شریک تھے۔ جبکہ ان میں سے پندرہ سے زائد نے انہی مختلف جنگوں میں شہادت حاصل کی۔ حضور پاک ﷺ کے ساتھ کئے گئے اقرار کو پورا کرنے کے لیے اس سے بڑی قربانی ممکن نہیں ہو سکتی۔

معاہدہ عقبہ اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اہل مدینہ نے اسلام قبول کیا تو گویا یہ حقیقت بھی مان لی کہ دین و ایمان کے آگے رنگ و نسل، زبان و وطن اور قومیت و عصبیت بے وقعت ہیں

اور اتحاد کا سب سے مستحکم ذریعہ ”دین“ ہی بن سکتا ہے۔ پھر انہیں یہ اطمینان و فخر بھی حاصل ہو گیا کہ وہ یہودیوں سے زیادہ مؤقر اور ان سے بہتر دین و کتاب کے حامل ہو گئے ہیں۔ اہل مکہ پر جو جو بیعت عقبہ کے اثرات متوقع تھے وہ کسی بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہ تھے اور قریش خود بھی اس کی خطرناکیوں کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ اسی لیے جس رات عقبہ کی بیعت ہوئی علی الصبح ہی قریش اہل مدینہ کے خیموں میں آدھمکے اور اہل مدینہ سے پوچھنے لگے کہ

”ہم نے سنا ہے تم نے ہمارے خلاف جنگ پر معاہدہ کر لیا

ہے اور ہمارے آدمی کو تم نکال کر لے جانا چاہتے ہو۔“ (۱۰)

ان الفاظ میں قریش کے اندرونی خدشات نمایاں نظر آ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مدینہ میں اہل ایمان اور اوس و خزرج کی قوت کا مجتمع ہونا ان کے لیے پیغام موت سے کم نہیں ہے کیونکہ اوس و خزرج ایک جنگ جو قوم ہے اور وہ آنحضرت اور دوسرے مسلمانوں کی حفاظت کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ نیز مدینہ کی طرف سے مکہ پر حملہ بھی غیر متوقع نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس سے زیادہ بڑا خطرہ اہل مدینہ سے یہ تھا کہ شام کی تجارتی شاہراہ چونکہ مدینہ سے ہو کر گزرتی ہے اس لیے مدینہ سے اس شاہراہ کی ناکہ بندی کی جاسکتی ہے اور اس طرح وہ معاشی شہ رگ بھی کاٹی جاسکتی ہے جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا۔ علاوہ ازیں یہ احساس بھی قریش مکہ کے لیے کم سوہان روح نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ یوں آسانی کے ساتھ ان کے دست ظلم سے بچ کر ایک محفوظ ٹھکانہ بنا لیں اور شجر اسلام نئی زمین اور نئی فضا میں پرورش پا کر ایک تناور درخت بن جائے۔

### معاہدہ مدینہ

معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو گئے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کو چند فوری ضرورتوں اور مسائل کا سامنا تھا۔

- ۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین
- ۲۔ مہاجرین مکہ کے توطن اور گذر بسر کا انتظام
- ۳۔ مدینہ کے غیر مسلموں خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ
- ۴۔ مدینہ کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام
- ۵۔ قریش سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصان کا بدلہ (۱۱)

بیعت عقبہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اور اہل مدینہ کے درمیان جس انداز و پیمانے پر سیاسی



رابطہ استوار ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو مکمل سمع و طاعت کے ساتھ جس طرح قبول کر لیا تھا اس کے بعد توفی الواقع ضرورت اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی قطعی اراضی زیر اثر آجائے جس میں کوئی اور سیاسی اقتدار کا فرمانہ ہو تو معاً ایک ریاست رو بہ عمل آسکتی ہے۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں کی جماعت کو عقد مواخاۃ کے ذریعے ایک منظم معاشرہ کی شکل دے دی گئی اور دوسری طرف ایک سر زمین بھی حاصل ہو گئی جہاں نیراج کی وجہ سے کوئی باقاعدہ سیاسی اقتدار موجود نہ تھا گویا ریاست کے کل عناصر و لوازم میسر آ گئے۔ (۱۲) جہاں مذکورہ بالا تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا تھا تو ابتدائی مسائل سے فارغ ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال میں ایک دستاویز مرتب فرمائی جسے مدینہ کے لوگوں نے تسلیم کیا۔ یہ معاہدہ طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔ (۱۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- ۱۔ یہ دستاویز محمد ﷺ کی طرف سے جو نبی ہیں۔ مہاجرین اور اہل یثرب میں سے مسلمانوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔ دوسرے تمام لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت ہوگی۔
- ۲۔ قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔
- ۳۔ اور بنی عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔
- ۴۔ اور بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔
- ۵۔ اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔
- ۶۔ اور بنی جشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔
- ۷۔ اور بنی نجار اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔
- ۸۔ اور بنی عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو

فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹- اور بنی البنیت اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰- اور بنی اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱- اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیے بغیر نہ چھوڑیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۱۲- اور کوئی مومن دوسرے کسی مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولا سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

۱۳- اور متقی ایماندار ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرنے یا استحصال یا بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلانے۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی ممانعت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴- اور کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہ کرے گا اور نہ کسی ایماندار کے خلاف کافر کو مدد دے گا۔

۱۵- اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے۔ مسلمانوں میں سے ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور ایمان والے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم بھائی بھائی ہیں۔

۱۶- اور یہودیوں میں سے جو ہمارا اتباع کرے گا تو اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی، نہ ان پر ظلم ہو گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۷- اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک یہ صلح سب کے لیے برابر نہ ہو۔

۱۸- اور ایمان والے اس چیز کا انتقام لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون تک پہنچے۔

۱۹- اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۲۰- اور ہر کوئی مشرک قریش کے جان اور مال کو پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

۲۱- اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور اس کا ثبوت مہیا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز

اس صورت کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں

گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی صورت ان کے لیے جائز نہ ہوگی۔

۲۲۔ اور کسی ایمان والے کے لیے جو اس دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر چکا اور خدا اور یومِ آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا۔

۲۳۔ اور جب کبھی تم میں سے کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۴۔ اور یہودی اس وقت مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

۲۵۔ اور بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت (امت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل۔ البتہ جو لوگ ظلم اور عہد شکنی کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت و فساد میں نہیں ڈالیں گے۔

۲۶۔ اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۷۔ اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔ اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰۔ اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱۔ اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ البتہ

جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے گا اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی بتلائے ہلاکت و فساد نہ ہوگا۔

۳۲۔ اور جفنه جو بنی ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۳۔ اور بنی شیطہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو اور وفا شعار ہونے کے

عہد شکنی۔

۳۴۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۵۔ اور یہودیوں کے قبائل کی ذیل شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۶۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے گا۔

۳۷۔ اور زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ جو کوئی خون ریزی کرے تو اس کی ذمہ

داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی۔ بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور خدا اس کے ساتھ

- ہے جو اس دستاویز کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔
- ۳۸۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔
- ۳۹۔ اور جو کوئی اس صحیفے کو قبول کرنے پر ان سے جنگ کرے تو یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ان میں باہم حسن مشورہ اور بہی خواہی ہوگی۔ وفان کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔
- ۴۰۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بد عملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو بہر حال مدد دی جائے گی۔
- ۴۱۔ جنگ میں یہودیوں پر ان کے خرچے کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے خرچے کا۔
- ۴۲۔ یثرب کا میدان اس نوشتے کے ماننے والوں کے نزدیک مقدس و محترم ہوگا۔
- ۴۳۔ پناہ گزین سے ویسا ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ پناہ دہندہ سے ہو رہا ہے۔ نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔
- ۴۴۔ کسی عورت کو اس کے کنبے کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔
- ۴۵۔ اس نوشتے کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہوا جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔ اس نوشتے میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری پسند ہے۔
- ۴۶۔ اور قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔
- ۴۷۔ اور کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو یہودیوں اور مسلمانوں پر ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔
- ۴۸۔ اور اگر ان کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں اور اس میں شریک رہیں گے۔ اس طرح جب وہ کسی صلح کے لیے بلائیں گے تو اسے قبول کریں گے اور مسلمانوں پر بھی قبول کر لینا لازم ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔
- ۴۹۔ ہر شخص کے حصے میں اسی کی مدافعت آئے گی جو اس کے بلمقابل ہوگا۔
- ۵۰۔ اور اس کے یہودیوں کو حوالی ہوں کہ اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستاویز کے ماننے والوں کو حاصل ہوں گے اور وہ بھی اس دستاویز والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔ اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔ اور خدا اس کے ساتھ ہے جو جو اس دستاویز کی مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا داری کے ساتھ تعمیل کرے۔
- ۵۱۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا عہد شکن کے آڑے نہ آئے گا اور جو شخص جنگ کے لیے نکلے وہ بھی اور جو شخص گھر بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا۔ صرف وہ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا عہد شکنی کے مرتکب

ہوں گے۔

۵۲۔ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیزگار ہے اور اللہ کے رسول محمد ﷺ بھی اس کے حامی ہیں۔ (۱۴)

اس معاہدے پر مدینے کی تمام قوموں کے دستخط ہو گئے تو نبی ﷺ نے یہ چاہا کہ گرد و نواح کے قبیلوں کو بھی اسی معاہدے میں شامل کر لیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔

۱۔ قبائل کے درمیان ہمیشہ سے جاری خانہ جنگی کا خاتمہ۔

۲۔ قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برا بیچنے

نہ کریں گے۔

انہی پر امن مقاصد کو لے کر نبی ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال ہی قبیلہ بنی ضمیرہ بن بکر بن عبد مناف کو جبکہ ربیع الاول دو ہجری میں کوہ بواط کے لوگوں اور مقام ینبوع کی طرف بنو مدینہ کو معاہدے میں شریک کر لیا۔

معاہدے کا ابتدائی حصہ مہاجرین و انصار کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے، جبکہ دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے متعلق ہے۔ جہاں تک انصار کا تعلق ہے ان کے متعدد قبائل تھے انہیں اسی شکل میں تسلیم کر لیا گیا اور اس کے بالمقابل تمام مہاجرین کو بھی ایک قبیلہ کے مماثل مانا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ جملہ مسلم طبقات کو یکساں حقوق و واجبات حاصل ہوں گے۔

یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا جس میں مدینہ کی مختلف اقوام سمیت گرد و نواح کے قبائل بھی شریک تھے۔ اس معاہدے کی اہمیت مغربی مستشرقین نے بھی تسلیم کی ہے۔ چنانچہ ولہازن نے بجا طور پر لکھا ہے۔

"There for the first time the talio becomes effective, there it can be enforced the community, at the head of which God stands, and the prophet as God's persoutative..has power to deliever the shedder of beloved over to avenger, and it is the duty of community to see that this is done ."

(”قصاص و دیت کا ضابطہ وہاں پہلی مرتبہ اتنا موثر بنا کر اسے نافذ کیا جاسکے۔ وہ سیاسی وحدت جس کی سربراہی اللہ کے ذمے تھی اور جہاں رسول اللہ ﷺ کی حیثیت اللہ کے نمائندے کی تھی۔ یہ اختیار رکھتی تھی کہ قاتل کو منتقم کے حوالے کر سکے اور اس بات کی نگرانی کرنا بھی پوری جماعت کا کام تھا کہ ضابطہ کی تعمیل کر دی گئی ہے۔“ (۱۵)

سیاسی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس معاہدے کے نتیجے میں ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا جس کے اندر مکمل سیاسی وحدت موجود تھی۔ پھر صحیح معنوں میں یہ ایک تحریری آئین بھی تھا جسے وفاقی مملکت مدینہ کے قیام کی اساس بنایا گیا اور مرکزی حکومت قائم کی گئی۔ آئینی ریاست و حکومت کے قیام، وفاقی، حقیقی تقسیم اختیارات، علاقائی جمہوریت اور مساوات جیسے سیاسی اصول اس آئین کے اندر واضح طور پر موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مختلف اقوام اور قبائل کے باہمی تعلقات کو ضابطوں کے تحت لایا گیا۔

معاہدہ مدینہ کا دوسرا حصہ یہودیوں سے متعلق ہے جس میں تمام یہود مہاجرین و انصار کی طرح ایک جماعت کی حیثیت سے شہری ریاست مدینہ سے منسلک کئے گئے۔ یہود کو ایک علیحدہ فریق سمجھا گیا جس میں تمام اصل حوالی قبائل وغیرہ شامل تھے۔ معاہدے میں بہت ساری ایسی دفعات موجود ہیں جن سے معاہدے میں شریک ہونے والوں کے درمیان فوجی و سیاسی حلفی واضح ہوتی ہے۔ ایک شق کے مطابق اگر جنگ میں مسلمان و یہود کے درمیان اتحاد و عمل ہو تو ہر فریق اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔ اسی بات کو ایک دوسری شق میں بھی دہرایا گیا ہے۔ صلح و جنگ مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا اور دفاعی سیاست کے لحاظ سے بھی بالادستی رسول اللہ ﷺ کی رکھی گئی (یہ اسی طرح ہی کی پابندی ہے جس طرح سیٹو اور سینٹو کے معاہدات میں شریک ممالک کو کمینوزم کے حملے کی صورت میں باہمی امداد کا پابند بنایا گیا) البتہ دینی جنگوں میں انہیں رعایت دی گئی۔ دفاع ہی کے سلسلے میں یہ بات طے کر دی گئی کہ ”نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس کے مددگاروں کو“۔ اس طرح قریش مکہ کو ان کے ایک اہم حلیف یعنی یہودیوں کی اعانت سے اصولی طور پر محروم کر دیا گیا۔ یہودیوں کو عام مسلمان رعایا کے ساتھ سیاسی و تمدنی حقوق میں مساوات برتی گئی اور یہودیوں کے معاہداتی رشتہ داروں کو حقوق اور ذمہ داریوں میں عام اور اصل یہودیوں کے برابر مان لیا گیا۔

یہودیوں کے معاشرتی و خانگی مسائل میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی مداخلت نہیں کی ان کو دین

اور عقیدہ و مذہب، دیت اور دوسرے رسوم و رواج میں بالکل آزاد رکھا۔۔۔ معاہدے کی انہی خصوصیات کی بنا پر نہ صرف یہودیوں نے اس کو قبول کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے میں بھی مدد ملی۔ رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے ملحد اور لادین لوگوں کی نسبت ایک خدا پر یقین رکھنے والے یہودیوں سے زیادہ قریب تھے۔ مدینہ آمد پر آپ ﷺ نے کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔ اسی طرح دس محرم کے روزہ کو بھی اپنایا گیا۔ (۱۶) جب کسی یہودی کا جنازہ پاس سے گزرتا تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ آپ ﷺ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ موسیٰ کے مقابلے میں مبالغہ آرائی سے کام لیں۔ بہر حال (معاہدہ مدینہ کے بعد) ہجرت کے پہلے سال مسلم یہود خوشگوار تعلقات کی مزید تصدیق قریش کے اس سخت رویے سے ہوتی ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنایا تھا۔

مدینہ کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے قریش نے محسوس کیا کہ ان کے لیے یہودی بجائے عبداللہ بن ابی کو اپنے ساتھ ملانے کے زیادہ مواقع ہیں۔ قریش نے عبداللہ بن ابی کی مدد طلب کرتے ہوئے اسے ایک خط کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے یا انہیں مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا۔ (۱۷) بدر سے قبل ان خوشگوار تعلقات کے باعث یہود نے مدینہ میں ایک وفاقی ریاست کے قیام اور متفقہ دستور بنانے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعاون کیا۔ اس وقت وہ آپ ﷺ سے اتنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے کہ انہوں نے اس معاہدے کی تدوین و ترتیب میں نہ صرف آپ ﷺ کی رسالت پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ معاہدہ میں واضح طور پر اس کا اندراج بھی ہوا۔ (۱۸)

معاہدہ مدینہ کی دفعات کا ایک بڑا حصہ یہود سے جنگی و دفاعی معاملات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس حصہ کی کم از کم دس دفعات بھی بہر طور اسی سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ غالباً اس پہلو کے پیش نظر بعض مصنفین نے اسے یہودیوں سے ”اصل میں ایک جنگی حلفی“ یا ”فوجی اتحاد“ قرار دیا ہے۔ مدینہ کے حالات پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہود سے اس قسم کا دفاعی تعلق رکھنے کی ضرورت سیاسی اور عسکری دونوں اعتبار سے ناگزیر تھی۔ کیونکہ ایک طرف تو قریش کی طرف سے ممکنہ حملہ کا دفاع مقصود تھا اور دوسری طرف خود یہود کی سرکشی و بغاوت کا سدباب اخلاقی طور پر کرنا تھا۔

علاوہ ازیں اس انتظام سے ایک فائدہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی حاصل کر لیا کہ علیحدہ ایک مستقل فوج رکھنے اور دفاعی ضرورتوں کے لیے اخراجات مختص کرنے کی زحمت سے بچ گئے اور وہ بھی اس وقت جبکہ وسائل بالکل نایاب تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو ذاتی طور پر بھی اور آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کو مجموعی طور پر

سب سے بڑا خطرہ قریش کی طرف سے لاحق تھا اس لیے کہ ریاست میں محض اندرونی طور پر امن و امان اور استحکام قائم کر دینا ہی کافی نہ تھا بلکہ اس سے زیادہ ضرورت قریش کے متوقع مسائل کی روک تھام تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ دُور رس نے اس خطرہ (بلکہ فوری ضرورت) کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے معاہدے کی متعدد دفعات کے تحت یہ انتظام کر دیا کہ اہل یثرب کے لیے قریش کے ساتھ حلیفانہ تعلقات یا دوستانہ روابط کا کوئی موقع نہ رہے اور قریش کی حیثیت اہل یثرب کے مشترکہ دشمن کی ہو جائے۔ چنانچہ معاہدے میں یہ دفعات موجود ہیں کہ اگر یثرب پر حملہ ہو تو معاہدہ کے جملہ شرکاء کے لیے باہمی امداد و اعانت لازمی ہوگی۔ کوئی شخص حتیٰ کہ ایک مشرک بھی قریش کی جان و مال کو کوئی پناہ دے گا نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا اور یہ کہ نہ قریش کو کوئی پناہ دی جائے گی نہ اس کے حامی کو۔

حضور ﷺ کی سیاست خارجہ کا کمال یہ ہے کہ قریش کے خلاف اس اتحاد کو مدینہ کی تمام جماعتوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ مدینہ سے لے کر براہ راست یثرب کی بندرگاہ تک کے علاقے میں رہنے والے قبائل کو یا تو معاہدات کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا یا امان نامے دے کر اپنے اختیار کو منوالیا اور یا پھر انہیں کم از کم قریش کی امداد و اعانت سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کر لیا! \_\_\_\_\_

یہودیوں کے ساتھ دوستی اور حلیفگی کی جو فضا معاہدہ مدینہ کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اس کی کئی وجوہات تھیں۔ یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ ان میں بنو قینقاع سب سے زیادہ طاقتور اور دولت مند قبیلہ تھا۔ جس کے پاس اسلحہ کے وافر ذخیرے بھی موجود رہتے۔ انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار تھے۔ ملکی اور تجارتی افسروں کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار عموماً جاہل اور بُت پرست تھے۔ اس بناء پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں حضور ﷺ کی آمد کے بعد اسلام جس قدر روز بروز پھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو مذہباً پھیل رہی تھی دفعۃً رک گئی۔ نئے نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولت مند ہوتے جاتے تھے یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولت مندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا تھا۔ یہ صورت یہودیوں کو کسی صورت قبول نہ تھی۔ (۱۹) ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ یہود یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت حاصل ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے قبیلے اوس اور خزرج جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور جنگ بعات نے ان کی قوت کو



کمزور بھی کر دیا تھا۔ اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے اور یہ باہمی اتحاد یہودیوں کے کسی طرح بھی مفاد میں نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر مسلم یہود تعلقات میں ایک اہم موڑ ہے۔ اس جنگ سے ایک ماہ قبل شعبان ۲ھ میں اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل کر دیا۔

(پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لو)

اس بات سے یہود ناراض ہو گئے۔ معاہدے میں یہود کو مذہبی آزادی کی ضمانت موجود تھی تاہم ان کے ناقابل اعتبار سماجی حرکات اور تکلیف دہ رویہ پر قرآن میں تنقید کی گئی اور ان کے خطرناک عزائم بے نقاب کئے گئے۔ یہ بات ان کی توقعات کے خلاف تھی۔ وہ امید کرتے تھے کہ نیا رسول ﷺ ان کے رویہ اور عادات و خصائل کو جائز قرار دے گا اور دوسروں کو ان کی پیروی کی تلقین کرے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے یہود برا فروختہ ہو گئے۔ غزوہ بدر کی عظیم الشان فتح نے ان کی مایوسی میں مزید اضافہ کر دیا۔ ان کو اعلانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بن کر ابھر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سازشوں کے جال بچھانا شروع کر دیے۔ (۲۰)

قریش مکہ مسلمانوں کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کے اصول کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پہلے انہوں نے عبداللہ بن ابی سے راہ و رسم پیدا کی جسے ہجرت سے پہلے اوس و خزرج کا سردار بننے کی توقع تھی اور جو بعد میں مدینہ کے منافقین کا سرغنہ بنا۔ قریش نے اسے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا۔

”تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ بخدا تم اسے قتل کرو گے یا وہاں سے نکال دو گے یا ہم اپنی پوری قوت سے تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں تباہ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی کریں گے۔“ (۲۱)

رسول اللہ ﷺ کی فراست، دانشمندی اور تدبیر سے جب قریش کی یہ پہلی کوشش ناکام ہو گئی تو غزوہ بدر کے بعد انہوں نے معاہدہ مدینہ میں شریک یہود سے تعلقات پیدا کیے اور انہیں رسول اللہ کے خلاف بغاوت کرنے یا سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کو کہا۔

”تم اسلحے سے لیس ہو اور تمہارے پاس قلعے ہیں، تمہیں ہمارے آدمی سے لڑنا چاہیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے اور ہمیں کوئی چیز تمہاری مستورات کے زیوروں

سے نہ روک سکے گی۔“ (۲۲)

اس طرح یہودی مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ ایک منصوبہ بنا چکے تھے۔ اس دوران ایک اتفاقیہ سبب یہ پیش آ گیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکایا۔ کہ ایک انصار کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں نقاب پوش آئیں۔ یہودی نے ان کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر ڈالا۔

آنحضرت ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا

”کہ خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح

عذاب آئے۔“

بولے کہ

”ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں

گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔“

یوں انہوں نے معاہدے کو پامال کیا اور مسلمانوں سے جنگ کی۔ (۲۳) چونکہ قبائل یہود میں

سب سے زیادہ جری اور بہادر قبیلہ قینقاع تھے اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی جرأت کی۔

آنحضرت ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام اور طبری نے روایت کی ہے کہ

”بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدے کو جو ان

میں اور آنحضرت ﷺ میں تھا توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے

درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔“

ابن سعد نے غزوہ بنو قینقاع کے ذکر میں لکھا ہے۔

”واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد

کو توڑ ڈالا۔“

بنو قینقاع کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ نے لڑائی کی۔ وہ قلعہ

بند ہوئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ کریں گے ان کو

منظور ہوگا۔ بنو قینقاع کے حلیف عبداللہ بن ابی نے آنحضرت ﷺ سے انہیں جلا وطن کرنے کی سفارش کی

جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس کے نتیجے میں بنو قینقاع مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ بنو

قینقاع کا اعلان جنگ اصل میں معاہدہ مدینہ کی رُو سے غداری تھی اور غداری کی سزا کسی بھی معاشرے

میں موت سے کم نہیں رہی۔ لیکن رحمۃ للعالمین نے ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کے لئے محض جلاوطنی کی سزا تجویز کی۔

یہودیوں کے دوسرے قبیلے بنو نضیر کا معروف شاعر کعب بن اشرف معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوہ بدر کے بعد مکہ گیا۔ اس نے اشتعال انگیز اشعار پڑھے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ (۲۴) اس نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا اور بالآخر خود مارا گیا۔ عمرو بن امیہ نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو ایک مسلمان کے بدلے میں ہلاک کر دیا تھا۔

بنو عامر، بنو نضیر کے حلیف تھے۔ آپ ﷺ اس خون بہا کی ادائیگی اور دیگر معاملات کو طے کرنے کے لئے بذات خود بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے اس موقع پر حضور ﷺ کی زندگی کے خلاف سازش کی لیکن آپ ﷺ کو یہودیوں کے اس ارادے کا حال معلوم ہو گیا فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی، کعب بن اشرف کی دغا بازی اور بنو نضیر کی طرف سے سازش نے یہودیوں سے تجدید معاہدہ کی ضرورت پیدا کر دی۔ بنو قریظہ نے تجدید معاہدہ پر دستخط کر دیے مگر بنو نضیر معاہدے سے منحرف ہو گئے بلکہ نیا معاہدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ (۲۵) ان کا رویہ اعلان جنگ کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضبوط قلعوں میں مورچہ بندی کر لی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار وہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غداری کے جرم میں بنو نضیر کو سزائے موت دینے کی بجائے بنو قینقاع کی طرح صرف جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا جسے بنو نضیر نے بخوشی قبول کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاہدے کے مطابق انہیں سزائے موت دی جاسکتی تھی۔

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس الا اعظم حنی بن اخطب ابورافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس وقت تک قریظہ معاہدے پر قائم تھے۔ لیکن حنی بن اخطب بنو قریظہ کو اپنے زیر اثر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس سے بنو قریظہ معاہدے سے رُوگردانی کرنے اور مقابلے میں حملہ آوروں کی امداد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں عہد کی پاسداری یاد دلائیں۔ انہوں نے جواباً کہا

”ہم نہیں جانتے محمد کون ہے اور معاہدہ کیا ہے۔“ (۲۶)

جنگ احزاب میں شکست کھانے کے بعد وہ اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے۔ حضرت محمد ﷺ نے علی بن ابی طالب کو ہراول دستے کے طور پر بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان قلعوں کے قریب پہنچے تو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں اور ان کو برے ناموں سے پکارا۔ غرض ان کا محاصرہ کیا گیا جو

تقریباً ایک مہینہ تک رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد بن معاذ اور ان کے قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت سعد نے جو فیصلہ کیا یعنی کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ (۲۷) توراہ کے مطابق تھا۔ توراہ کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰۔ آیت ۱۰ میں ہے۔

”جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ تسلیم کریں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں، سب قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔“ (۲۷)

بعض یہودی محققین بنو قریظہ کو دی جانے والی سزا پر معترض ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ معاہدہ مدینہ میں واضح طور پر درج کیا گیا کہ جو کوئی ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں نے ظلم اور غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ پھر بنو قریظہ کو تو ان ہی کی کتاب میں درج انہی کے مقرر کردہ ثالث کے ذریعے سزا ہوئی تھی۔ عہد حاضر کے لوگ اگر اقوام متحدہ کے چارٹر کی ترتیب و تدوین پر فرحان و نازاں ہیں۔ کیا اس کی دفعات موجود نہیں ہیں کہ اس چارٹر کو تسلیم کرنے والی قوم اگر اس کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اس کی خلاف کاروائی کی جائے گی؟ اس ادارے کی جنرل اسمبلی اور سکیورٹی کونسل کی قراردادیں اور فیصلے محققین کے لئے اس بات کا کافی مواد فراہم کرتے ہیں کہ جس قوم نے اقوام عالم کے اس متفقہ دستور کے ساتھ غداری کی یا اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کا ذکر دستور کے اندر موجود ہے۔ معاہدہ مدینہ کو پامال کرنے والوں کو اگر معاہدے کے تحت ہی سزا دی جاتی ہے تو اسے ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ کا چارٹر دستور مدینہ کا ایک معمولی سا عکس ہے۔ (۲۸)

الغرض معاہدہ مدینہ کے ذریعے ہر سیاسی وحدت کو مساوی دینی، سیاسی اور معاشرتی حقوق دیے گئے۔ رنگ، نسل اور مذہب کی بنیاد پر امتیازات و تعصبات ختم کرنے کی تاریخ میں یہ ایک عظیم انقلاب تھا۔ اقوام متحدہ کا چارٹر بھی اس روشن اور درخشندہ ماہتاب کے مقابلے میں ایک ٹمٹماتے ہوئے

چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (۲۹)

### معاہدہ جہنیہ

یہ معاہدہ قبیلہ جہنیہ کی مختلف شاخوں سے ماہ رمضان ہجرت کے ساتویں مہینے ہوا۔ معاہدے کی مختلف اشکال ابن سعد نے یوں بیان کی ہیں۔ (۳۰)

(۱) بنی زرعہ و بنی الربیعہ کے لئے آپ ﷺ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال میں امان ہے۔ جو شخص ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی سوائے اس کے کہ وہ ظلم و جنگ دین یا اہل و عیال کے بارے میں ہو۔ ان کے خانہ بدوشوں میں سے جو نیکو کار اور پرہیزگار ہوگا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ان کے شہریوں کے ہیں اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

(ب) عوسجہ بن حرمۃ الجہنی، جو ذی المروہ میں رہتا تھا کے لئے آپ ﷺ نے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول اللہ ﷺ نے عوسجہ بن حرمۃ کو ذی المروہ عطا فرمایا۔ یہ اس کی دستاویز ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں مابین بلکہ سے مضعہ جملات حد جبل قبلہ تک دے دیا۔ اس میں کوئی ان سے مزاحمت نہ کرے۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا ناحق پر ہوگا۔ حق عوسجہ ہی کا ہوگا۔ گواہ شدہ: علاء بن عقبہ

(ج) بنی اشجع کے لئے آپ ﷺ نے تحریر فرمایا؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ دستاویز ہے جو محمد ﷺ نے قبیلہ جہنیہ کے بنی اشجع کو عطا فرمائی۔ آپ ﷺ نے انہیں صفینہ کی وہ زمین عطا فرمائی جس پر انہوں نے خط لگایا اور کھیتی کی۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا تو اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور ان کا دعویٰ سچا ہوگا۔ گواہ شدہ: علاء بن عقبہ

(د) بنی الجرمز بن ربیعہ کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل امین نامہ تحریر فرمایا۔

”ان لوگوں کو ان کی بستیوں میں امن ہے۔ یہ لوگ بحالت

قبول اسلام جو دولت و مال رکھتے ہیں وہ سب انہیں کا ہے۔“

### معاہدہ بواط

ربیع الاول ۲ ہجری میں سرور کونین ﷺ کوہ رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا۔

## معاہدہ بنو مدلج

یہ قبیلہ بنو ضمہرہ کا حلیف تھا جو میثاقِ مدینہ میں ایک فریق تھا۔ بنو مدلج کے ساتھ انہی شرائط پر ہی جمادی الثانی ۲ ہجری میں معاہدہ طے ہوا۔

## معاہدہ بنو غفار

بنو غفار سے معاہدہ غزوہ بدر کے زمانہ میں ہوا۔ یہ قبیلہ بنو ضمہرہ کی ایک شاخ تھا۔ معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

”ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔ ان پر وہی واجب ہوگا جو مسلمانوں پر واجب ہے۔ نبی ﷺ نے ان کے جان و مال پر اس کے رسول کو ذمہ دار بنایا ہے۔ اس شخص کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی جو ان کے ساتھ ظلم کی ابتداء کرے گا۔ نبی ﷺ جب انہیں اپنی مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ آپ ﷺ کا حکم مانیں گے اور ان پر آپ ﷺ کی مدد واجب ہوگی سوائے اس کے کہ جو ان میں سے آپ ﷺ سے دینی جنگ کرے تو اس پر معاہدے کی پابندی نہ ہوگی۔ یہ معاہدہ اس وقت تک نافذ رہے گا جب تک سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔ جو اس پر عمل کرنے سے روکے وہ گنہگار ہوگا۔“

یہ سب معاہدات معاہدہ مدینہ کی روشنی اور انہی شرائط پر طے پائے۔ حضور ﷺ مدینہ میں موجود مختلف قوموں کے ساتھ جب حلیفی کے معاہدے کے بعد مطمئن ہو گئے تو اس وقت کی جغرافیائی حالت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ ضروری خیال کیا کہ گرد و نواح کے قبائل جو کہ خود مختار حیثیت کے مالک تھے کو بھی اس میں شامل کیا جائے تاکہ دشمنان اسلام قریش مکہ کے مدینہ پر متوقع حملہ کی صورت میں بہتر دفاع کیا جاسکے۔ مذکورہ تمام قبائل کے ساتھ یہ معاہدات اس لئے بھی اہم تھے کہ جغرافیائی لحاظ سے اکثر قبائل جن مقامات پر آباد تھے وہ مکہ کے قریشی تاجروں کی تجارتی شاہراہوں پر واقع تھے جیسا کہ ابواء نامی مقام مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع یہ مقام اس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ قریش کے تجارتی قافلے اسی راستے سے شام و مصر جایا کرتے تھے۔ ابواء کے قبائل کے

ساتھ معاہدے سے قریش کی تجارت پر ایک کاری ضرب پڑی۔ علاوہ ازیں مدینہ کو یہاں سے ہر وقت اطلاعات بھی فراہم ہو سکتی تھیں۔ اسی طرح بنو اشجع جو قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھے بھی تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔ جب آپ ﷺ نے قریش کی ناکہ بندی کی تو اس سے ان کی معاش پر بھی اثر پڑا کیونکہ تجارتی قافلوں کی خدمت کر کے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔ معاشی بحران سے دوچار ہو کر ان کا وفد مدینہ آیا اور آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ فرمایا۔

آج کے جدید سیاسی دور میں دیکھیں تو ہر ملک کی سب سے اہم خواہش اور ضرورت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پڑوسی ملکوں سے محفوظ رہے۔ اس مقصد کے لئے وہ باہم عدم جارحیت، دوستی اور فوجی حلفی کے معاہدات بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین کی افواج افغانستان پر قابض ہوئی تھیں تو پاکستان نے اپنی شمال مغربی سرحدوں کو غیر محفوظ خیال کیا۔ ضرورت تھی کہ باقی اطراف سے پاکستان خود کو دفاعی لحاظ سے محفوظ کر لے۔ چنانچہ پاکستان نے مشرق کی طرف واقع پڑوسی بھارت کو ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش کی۔ اسی طرح دنیا کی اکثر ریاستوں نے مختلف اوقات میں مختلف مقاصد کے تحت فوجی و سیاسی حلیفیاں قائم کیں۔ جیسا کہ سیٹو (SEATO) سینٹو (CENTO) اور ANZUS کے معاہدات میں شامل ممالک کو بیرونی حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد کا پابند بنایا گیا۔ اور آج کل وارسا پیکٹ اور معاہدہ شمالی بحر اوقیانوس (NATO) کی مثالیں موجود ہیں۔

بہر حال حضور ﷺ نے معاہدہ مدینہ کی صورت میں انصار، یہودیوں اور مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل کو شامل کر کے جو سیاسی و فوجی حلفی قائم کی اس کا مقصد نئی مسلم ریاست کا دفاع تھا اور اسلام کو مدینہ سے نکال کر دیگر علاقوں میں پھیلانے کے مواقع پیدا کرنا! \_\_\_\_\_

عینیہ بن حصن سے معاہدہ

یہ معاہدہ ربیع الاول ۵ ہجری میں ہوا۔

سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ

سن چھ ہجری میں رسالت مآب ﷺ نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہوں اور تمام عیسائیوں کو ایک فرمان عطا فرمایا جس کی عبارت درج ذیل ہے۔

”جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں،

غازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو کچھ اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کے ہمسایہ ہیں وہ سب انہی عیسائیوں کی رہیں گی (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائے گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کی اصلاح کریں گے نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا اور نہ وہ خود ظلم کریں گے۔“ (۳۱)

عالمی اہمیت کے اس معاہدہ کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ عیسائیوں کو اس معاہدہ کے تحت وہ حقوق اور مراعات دی گئیں جو خود ان کو اپنے حکمرانوں کے عہد میں بھی حاصل نہ تھے۔ بعض مستشرقین کا یہ خیال کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور مسلمان جنگ جو انہاں پستانہ مزاج کے مالک ہیں اس معاہدہ کی رُو سے باطل ٹھہرتا ہے۔ نہ معلوم ان کی نظریں ایسے معاہدوں کے الفاظ پر کیوں نہیں پڑتیں جن سے حریت، رواداری اور مساوات کے واضح مفہوم سامنے آتے ہیں۔ اس معاہدے میں عیسائیوں کے مذہبی اور دیگر معاملات میں عدم مداخلت کے اصول پر اتفاق کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی تکمیل نہ کرنے والے مسلمانوں کو سزا کا مستحق قرار دیا۔ بین الاقوامی تعلقات میں یہ معاہدہ حضور پاک ﷺ کی سیادت کا علمبردار ہے۔ یہ معاہدہ جس میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ عیسائیوں پر بے جا ٹیکس عائد نہیں کئے جائیں گے، کسی بشارت کو اس کی خانقاہ سے نکالا نہیں جائے گا، عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا رواداری کی ایک قابل فخر یادگار ہے۔ ایسی عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے عقد میں آئیں وہ اس معاہدے کی رُو سے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی تھیں۔

صلح حدیبیہ

ہجرت کے دوسرے برس کعبہ کو قبلہ کی حیثیت ملی تو مسلمانوں خصوصاً مہاجرین کی کعبہ سے جذباتی وابستگی میں مزید اضافہ ہوا۔ جب سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے دوبارہ خانہ کعبہ کی زیارت کونہ گئے تھے۔ حضور ﷺ بھی مدینہ کی نو مسلم ریاست کے استحکام کے لئے مختلف معاہدات کی تشکیل، غزوات اور سرایا میں مصروف رہے اور قریش سے خصومت کی بناء پر وہ خانہ کعبہ اور اس کے



متعلقہ مناسک کی زیارت سے محروم رہے۔ مہاجرین کو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اہل و عیال کی یاد بھی ستاتی تھی اور کئی ایک مدینہ کی آب و ہوا اس نہ آنے پر نوبتی بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (۳۲) لیکن انہوں نے یہ سب کچھ اسلام کے سچے جذبے اور تڑپ کو محسوس کرتے ہوئے بخوشی قبول کیا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے چھ ہجری میں رسالت مآب ﷺ کو مکہ کی زیارت کی بشارت ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ چودہ سو افراد کی معیت میں مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنی عدم موجودگی میں آپ ﷺ نے نمیلہ بن عبد اللہ لیشی کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ (۳۳) آپ ﷺ کے اس سفر کا مقصد قریش مکہ سے جنگ کرنا نہ تھا بلکہ مقصود محض زیارتِ کعبہ تھی اسی لئے مدینہ ہی سے احرام باندھ لئے گئے تھے اور ستر اونٹ بھی قربانی کی غرض سے خرید لئے تھے۔

عسفان پہنچنے پر بنو کعب کے بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ قریشی مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کا عہد کر چکے ہیں۔ بہر حال آپ ﷺ نے مکہ سے تقریباً دس میل دور حدیبیہ پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ یہاں پہنچتے ہی سفارتی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ قبیلہ خزاعہ کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ مراسم تھے۔ سب سے پہلے ان کا سردار بدیل بن ورقا الخزاعی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنے کی غرض دریافت کی۔ حضور ﷺ نے بتایا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت و اکرام کی خاطر آئے ہیں، لڑنے نہیں۔ (۳۴) بدیل نے قریش مکہ کو سمجھایا کہ مسلمان لڑنے کو نہیں آئے، صرف حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اصرار کیا کہ ہم کسی صورت میں بھی ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب قریش نے مکرز بن حفص کو آپ ﷺ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی مدعا بیان کیا جو بدیل سے فرمایا تھا۔ پھر قریش کی طرف سے قبائل احابیش کے سردار عیس سفیر بن کر آئے اور صورت حال کا مشاہدہ کر کے قریش کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کا مقصد زیارتِ کعبہ ہے۔ مگر انہوں نے الٹا اسے ڈانٹا اور کہا کہ تم بد لوگ ان باتوں کو کیا سمجھو گے۔ اس جواب پر عیس نے اپنے قبیلے سمیت قریش کی حلفی سے الگ ہونے کی دھمکی دی تو قریش نے منت سماجت کر کے اسے منایا اور اتنی مہلت مانگی کہ کوئی باہمی مصالحت کی راہ نکل آے۔ (۳۵) اسی دوران کچھ شرارت پسند قریشی نوجوان مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر گرفتار کر لئے گئے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو رحمۃ لعالمین نے سب کو معاف کر دیا۔

اب عروہ بن مسعود کفار مکہ کا سفیر بن کر آیا اور نہایت ترش روئی سے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم یہ اتنا بڑا انبوہ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو لیکن جب قریش مسلح ہو کر مقابلہ پر آئے تو تمہارے یہ سب ساتھی چپت ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ سے رہانہ گیا اور عروہ کو بڑا ذلت آمیز

جواب دیا۔ عروہ نے کہا

”ابو بکر تمہارا ایک احسان میری گردن پر ہے۔ ورنہ میں بھی

سخت کلامی سے پیش آتا۔“ (۳۶)

عروہ نے اس ساری گفت و شنید میں ایک خاص چیز مشاہدہ کی وہ یہ تھی کہ مسلمان شمع رسالت کے پروانے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ اس نے واپس جا کر قریش کو قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ اتنے معزز تو وہ بھی نہیں تھے جتنے محمد ﷺ ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم فیصلہ پر نظر ثانی کرو۔ (۳۷)

ابھی تک تصفیہ نہ ہو سکنے کی بناء پر حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفیر نامزد کیا۔ مگر انہوں نے قریش کی دیرینہ عداوت کے پیش نظر معذوری ظاہر کی۔ حضور ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو شرفاء مکہ سے مذاکرات کی خاطر روانہ کیا۔ عثمانؓ نے عمائدین قریش کو آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو قریش نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کی عدم رفاقت میں اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس پر قریش نے حضرت عثمانؓ کو اپنے یہاں روک لیا۔ اس سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دئے گئے ہیں۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے ایک بول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر سب جاں نثاروں سے بیعت لی کہ جب تک عثمانؓ کا قصاص نہیں لیں گے۔ اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے۔ اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس موقع پر وحی نازل ہوئی۔

ترجمہ: (اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔)

(القرآن الحکیم ۴۸: ۱۸)

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ لیکن بیعت رضوان کا فوری اثر یہ ہوا کہ قریش مکہ نے گھبرا کر مسلمانوں کے ساتھ تجدید مذاکرات کے لئے سہیل بن عمرو کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ کافی رد و کد کے بعد معاہدہ صلح کی شرائط پر اتفاق ہوا۔ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو اس پر سہیل نے اعتراض کیا اور باسْمِکَ اللہم (اے اللہ تیرے نام سے) سے لکھنے کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سہیل پھر محمد رسول اللہ کے نام پر معترض ہوا اور کہا کہ محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایسا ہی کرنے کو فرمایا لیکن انہوں نے اجتناب کیا۔ اس پر محسنِ انسانیت نے خود اس صلح نامہ کو لے کر لفظ رسول اللہ کو محو کر کے محمد بن عبد اللہ لکھوا دیا۔ (۳۸) صلح نامہ درج ذیل شرائط پر تحریر کیا گیا:

- ۱۔ فریقین دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔ اس اثناء میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔
- ۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آئیں تو تین روز حرم میں قیام کریں۔ تلوار نیام میں ہوگی۔ اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔
- ۳۔ قربانی کے جو جانور مسلمانوں کے پاس ہیں ان کو حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیا جائے۔
- ۴۔ مسلمانوں اور قریش کے حقوق اور واجبات برابر ہوں گے۔
- ۵۔ محمدؐ کے ساتھیوں میں جو شخص، عمرہ یا تجارت کے لئے مکہ آئے گا تو وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بغرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و املاک کو تحفظ حاصل ہوگا۔
- ۶۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سر پرست کی اجازت کے بغیر چلا آئے تو محمد ﷺ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں۔
- ۷۔ دلوں کی عداوتیں دلوں میں ہی رہیں گی۔ انہیں ظاہر نہیں کیا جائے گا۔
- ۸۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں دوسرا فریق اس میں حائل نہیں ہوگا۔

(۳۹)

عہد نامہ کی شرائط میں سے بعض کھلے طور پر مسلمانوں کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہی وجہ ہے کہ جب معاہدہ کی آخری شق لکھی گئی تو حضرت عمرؓ اس پر ضبط نہ کر سکے اور پھر آنحضرت ﷺ سے ان کی یوں گفتگو ہوئی۔

عمرؓ: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ خدا کے برحق رسول نہیں ہیں؟

حضور ﷺ: کیوں نہیں۔

عمرؓ: کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟

حضور ﷺ: کیوں نہیں

عمرؓ: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں۔

حضور ﷺ: کیوں نہیں۔

عمرؓ: تو پھر ہم کیوں ذلت کو قبول کریں کہ (احرام باندھ لینے کے بعد) بغیر عمرہ کئے

واپس چلے جائیں۔

حضور ﷺ: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور

اللہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ میرا مددگار ہے۔

اصل میں یہ احساسات اور جذبات صرف حضرت عمرؓ ہی کے نہیں بلکہ تقریباً سبھی صحابہؓ کے تھے۔ وہ اس عہد نامے کی بعض شرائط میں اپنے لئے ذلت محسوس کرتے تھے۔ عین اس وقت جب یہ عہد نامہ لکھا گیا سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل سہیل آگئے۔ یہ مکہ میں مقیم تھے اور مسلمان ہو چکے تھے اور اب قریش کی قید میں تھے۔ ابو جندل کسی طرح قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے اس کیمپ میں پہنچ گئے۔ سہیل نے جب وہاں بیٹے کو دیکھا تو پکار اٹھا یہ کہ پہلا شخص ہے جسے عہد نامے کی رو سے ہمارے حوالے کرنا ہے۔ آپ نے ابو جندل کو قریش کے حوالے کر دیا اور ابو جندل سے فرمایا۔ ”صبر سے کام لو! اللہ تمہاری اور تمہارے جیسے دوسرے قیدیوں کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے گا“! آئندہ آمدہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ جن شرائط کے سبب مسلمان مایوس ہو رہے تھے ان کے نتائج مسلمانوں کے لئے کس قدر مفید اور کارآمد نکلے۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حضورؐ کے فرمان کے مطابق وہیں احرام کھول دیئے اور قربانی دی۔ واپسی پر جب یہ قافلہ کراخ<sup>۱</sup> لضمیم کے مقام پر پہنچا تو سورۃ فتح نازل ہوئی۔

یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا۔ ابن ہشام نے اس سے مراد فتح مکہ لی ہے۔ (۴۰) حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں اور بعض فتح خیبر کے بعد آفاق عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد لیتے ہیں۔ (۴۱)

۱۔ رسول اللہ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط پر اگر اتفاق نہ کرتے اور بزور قوت مکہ میں داخل ہونے پر اصرار کرتے تو ممکن تھا کہ فریقین کی جانب سے ہزاروں جانیں تلف ہو جاتیں۔ جب کہ آپؐ نے نہایت عقلمندی اور اعلیٰ ڈپلومیسی اور عسکری سیاست سے کام لیا اور اس کے مطابق چلنے سے آپؐ نے بہت سی جانوں کو بچا لیا جن کے خون بہانے سے آپؐ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ آپؐ حرم کے اندر خون بہانے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جن کا سہولت اور کثرت سے بہانا ممکن تھا جس طرح جابر لیڈر بنوک شمشیر اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اسی طرح رسول کریمؐ بھی بنوک شمشیر مکہ میں داخل ہونے پر قادر تھے۔ لیکن آپؐ تو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے۔

۲۔ معاہدہ کی رو سے اس سال مکہ میں آپؐ کا داخلہ ممنوع ہو گیا البتہ اگلے سال آپؐ اور آپؐ کے صحابہ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے، قریش نے اس شرط کے لکھوانے سے یہ ظاہر کیا کہ انہوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی ہے۔ جبکہ یہ شرط حقیقت میں قریش کی شکست تھی کیونکہ اب انہوں نے معاہدہ کے مطابق آئندہ کے لئے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کے حق کو تسلیم کر لیا تھا جسے وہ اب تک رد کرتے رہے تھے اور سخت قسمیں کھاتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کبھی یہ حق نہیں لینے دیں گے۔

گزشتہ اور معاصر عسکری اور سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنے اصحاب کے ساتھ اس معاہدہ میں کامیاب ہو کر اس صورت میں واپس آنا اس قدر پختہ اور مضبوط اقدام ہے کہ جس کا قوم کا کوئی ذمہ دار لیڈر ہی اقدام کر سکتا ہے اور عملی اقدام سے قبل ہی نتائج کا اندازہ کر لیتا ہے۔ تاریخ کے سکالروں اور فلسفیوں نے صلح حدیبیہ کو بڑی فتح خیال کیا ہے جسے حضرت نبی کریمؐ نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے حاصل کیا تھا۔ قضیہ حدیبیہ اور تاریخی صلح کو جس پر سارا چکر ختم ہوا گہری نظر دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ اس قضیے سے عقائدی، سیاسی، ادبی اور اطلاعاتی فوائد حاصل ہوئے، جن کا اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔

۳۔ جنگ کے دوران میں بغیر جنگ کے بھی کوئی صلح کا معاہدہ عموماً اس صورت میں طے پایا کرتا ہے جب دونوں فریق برابر کی حیثیت کے ہوں یا دونوں کا مفاد اس صلح میں ہو۔ زور آور یا طاقتور فریق صلح نہیں کیا کرتا، یعنی شرائط منوایا کرتا ہے۔ قریش مسلمانوں کی عسکری اور حکومتی ہمسری کا انکار پندرہ سال تک کرتے رہے۔ مگر معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کر کے انہوں نے ان کے وجود کو پوری طرح تسلیم کر لیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم اور قوت ہیں اور حکومتی حیثیت کے مالک ہیں مزید یہ کہ حضورؐ اس کے سربراہ ہیں۔ یہ صلح حدیبیہ کا سب سے پہلا اور بڑا سیاسی فائدہ تھا۔

۴۔ صلح حدیبیہ آنحضرتؐ کے حسن تدبیر اور ماہرانہ خارجہ و جنگی حکمت عملی کی وجہ سے عمل میں آئی یہ صلح فتح خیبر کا پیشہ خیمہ ثابت ہوئی۔ مشرکین مکہ اور یثرب اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان اسلام سے پہلے ہی تعلقات قائم تھے۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست کے قائم ہونے پر قریش مکہ اور یہود دونوں کو ناگوار گزری اور دونوں کے تعلقات پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے اور پھر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں یہودیوں نے کھل کر مشرکین مکہ کی پوری پوری امداد کی۔ جنگ احزاب (غزوہ خندق) میں سخت ناکامی کے بعد مشرکین مکہ بھی تلملارہے تھے اور کسی اچھے سے موقع کے انتظار میں تھے کہ مدینے کی اس ریاست کا خاتمہ کر دیں۔ دوسرے غزوہ احزاب میں یہودیوں کے بھرپور حصہ لینے کے نتیجے میں ابھی ابھی مسلمانوں اور یہودیوں میں لڑائیاں ہو چکی تھیں اور مدینہ سے جلا وطن کئے ہوئے یہودی جو خیبر میں جا بسے تھے دوسرے یہودیوں سے مل کر مسلمانوں پر حملے میں مصروف تھے۔ سو اگر یہ یہودی مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے تو مشرکین مکہ ضرور ان کی مدد کو پہنچتے یا بصورت دیگر اگر مسلمان خود خیبر جا کر ان سے جنگ کرتے تو بھی قریش مکہ ان یہودیوں کی امداد کو آتے۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کو ان دونوں طاقتوں اور ان کے حلیفوں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو یقیناً بڑا کٹھن تھا۔ یہ حدیبیہ کا عہد نامہ ہی تھا جس کی ایک شرط کی وجہ سے قریش مکہ کو خیبر کے یہودیوں کی مدد نہ کرنے کا پابند بنا

دیا گیا اور اس کی ایک اور شق کی بنیاد پر مکہ کے نواح کے بعض قبائل اگر قریش کے حلیف بن گئے تو کچھ قبائل مسلمانوں کے حلیف بھی بن گئے۔ گویا مسلمانوں کو مکہ کے نواح میں بھی حلیف حاصل ہو گئے جو اس معاہدے کے بغیر ممکن نہ تھا۔ نتیجتاً خیبر کے تمام یہودیوں وادی القرئی فدک تیما اور تمام شمالی علاقوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ یہودیوں پر مجاہدین کو فتح ہی حاصل نہ ہوئی بلکہ کثیرا ممال غنیمت بھی ہاتھ آئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو وہاں زر خیز زمینیں بھی عطا ہوئیں۔ یہ سب وہ غنائم کثیر تھے جس سے مسلمانوں کی مفلسی اور تنگ دستی کا خاتمہ کرنے میں مدد ملی۔

۵۔ معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی شامل کی گئی کہ قریش کی طرف سے اگر کوئی آدمی اپنے اہل کی اجازت کے بغیر خواہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے۔ آپ سے قریش کی طرف واپس کریں گے۔ اسی شرط کی رو سے جب قریش ابو جندل کو پابہ زنجیر واپس لے گئے تو انہوں نے وہاں قید میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اس طرح ایک سال کے اندر تین سو مشرکوں کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا۔ قریش کو اس سے اتنی پریشانی ہوئی کہ ابو جندل اور اس کے ساتھی اسلام لے آنے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابو جندل اور اس کے ساتھی عہد نامے کی رو سے مدینہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر کے وہاں ڈیرہ جمالیا اور قریش کے ان قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا جو اس طرف آتے جاتے تھے۔ اس سے قریش کو زبردست مالی نقصان پہنچا۔ قریش نے حضور سے التجا کی کہ آپ عیض کے مسلمان انقلابیوں سے قریش کے خلاف بغاوت ختم کرنے کو کہیں اور قریش کا جو آدمی آپ کے پاس آئے مدینہ میں رہنے کے لئے اجازت دے دیں تا کہ قریش کے تجارتی قافلے بچ جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم کے مشرک ہونے کے باوجود ان کی بات کو مان لیا اور انقلابیوں کے لیڈر ابو بصیر اور اس کے نائب ابو جندل کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود اور ان کے انقلابی بھائی مدینہ آجائیں اور عیض میں اپنے مقامات کو چھوڑ دیں۔ انقلابیوں نے اس حکم کو قبول کیا اور مدینہ کی طرف واپس آ گئے۔

۶۔ ۶ ہجری میں ہونے والے اس معاہدے کی رو سے قبائل آزاد تھے کہ ان میں جو چاہے قریش کا حلیف بن جائے اور جو چاہے محمد ﷺ کے ساتھ ہو جائے۔ اس شرط کے تحت بنو خزاعہ آنحضرت کے حلیف بن گئے اور ان کا مخالف قبیلہ بنو بکر قریش سے مل گیا۔ یہ حلیف قبائل بھی عہد نامہ کی شرائط کے پابند تھے۔

۷۔ عہد نامے کی ایک شق کے مطابق دس برس تک امن سے رہنے اور جنگ نہ کرنے کی پابندی عائد تھی، لیکن اس معاہدے کے ابھی دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر بے خبری میں حملہ کر دیا اور قریش نے عہد شکنی کرتے ہوئے بنو بکر کی امداد کی۔ بنو خزاعہ کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا اور بھاگ کر مسجد حرام میں پناہ لی۔ قبیلہ کے کچھ آدمی جان بچا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان

لوگوں کی عہد شکنی اور مظالم کی داستان سنائی۔ معاہدے کی اس خلاف ورزی سے مسلمانوں کے دلوں کو سخت بھیس پہنچی۔ قریش نے کھلم کھلا عہد شکنی کر کے معاہدہ حدیبیہ کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان کو سزا دینے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ آپؐ ایک ہزار نفوس کی تعداد میں تیار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے جنگی حکمت عملی اس طرح اپنائی تھی کہ قریش مجتمع ہو سکیں نہ جنگی تیاری کر سکیں اور نہ اپنے حلیف قبائل کو بلا سکیں۔ مسلمانوں کا یہ لشکر رات کے وقت مکہ کے قریب پہنچا تھا اور آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کو دور دور تک پھیلا دیا جائے، چنانچہ جب قریش کے سردار ابوسفیان نے بلندی سے اس کیمپ پر نظر دوڑائی تو اسے تاحدنگاہ آگ جلتی نظر آئی۔ اس سے اہل مکہ ایسے مرعوب ہوئے کہ مکہ بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ قرآن نے اس فتح کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

”یعنی دوسری فتح \_\_\_\_\_ جس پر تم (پہلے) قادر نہ ہو سکتے

تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہونے کے لئے عہد نامے کی یہ شق کتنی اہم اور ضروری ثابت ہوئی۔

۸۔ عہد نامے کے نتیجہ میں صلح اور امن ہو جانے اور قبائل کی آزادی کا مسلمانوں کو ایک بڑا فائدہ پہنچا کہ وہ مشرکین مکہ کے علاوہ قبائل کے لوگوں سے آزادی سے ملنے جلنے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کو کھلم کھلا موقع مل گیا کہ وہ ان لوگوں سے اسلام کی حقیقت بیان کر سکیں اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر سکیں۔ تبلیغ کے یہ مواقع حاصل ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ عام عرب اسلام کی سچائی سے واقف اور کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔ دور کے قبائل تو ایک طرف خود مکہ کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ ان میں عظیم سپہ سالار خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان تینوں اصحاب کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ

”مکہ نے اپنے تین جگر گوشے تمہاری طرف پھینک دیئے

ہیں۔“

حدیبیہ کے موقع پر مکی مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی اور یہ تعداد صلح حدیبیہ کے محض دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ کامیابی صلح حدیبیہ ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

۹۔ اسی طرح امن و اطمینان کی فضا پیدا ہونے کے بعد ساتویں ہجری میں آپؐ نے عرب کے رؤسا اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام وہ تاریخی خطوط ارسال فرمائے جو ان دور دراز علاقوں اور ملکوں میں اسلام کی پہلی دعوت تھی۔ ان خطوط کی تاثیر کے اختلاف کے باوجود ان کا پہنچنا اور ان کی خبر کا

پھیلنا بلاشبہ دعوت اسلامی کے مفاد میں ہوا۔

پھر صلح حدیبیہ کے ذریعہ حضرت نبی کریم کو یہ موقع ملا کہ آپؐ باز نطنی حکومت کو مسلمانوں کی فوجی طاقت کے متعلق بتانے کے لئے جزیرہ عرب کی حدود سے باہر پہلا فوجی حملہ کریں۔ جب تک مسلمانوں نے حدودِ شام کو پار کر کے رومی علاقے میں اسی ۸۰ میل اندر داخل ہو کر جواردن کے علاقہ میں اس حکومت کو یہ نہیں بتایا کہ مسلمان بھی کوئی طاقت ہیں، اس سے قبل وہ مسلمانوں کو کسی حساب و کتاب میں شمار نہ کرتی تھیں۔ قریش اور مسلمانوں کی صلح کے دوران رسول کریمؐ نے تین ہزار آدمیوں کا ایک فوجی دستہ تیار کیا جس کو شام میں رومی علاقے کے اندر تک جانے کا حکم ہوا۔ نتیجتاً رومیوں اور مسلمانوں کے مابین جنگ موتہ واقع ہوئی۔ اس خطرناک جنگ میں مسلمانوں نے سیاسی لحاظ سے یہ کامیابی حاصل کی کہ رومی جزیرہ عرب سے جنگ کرنے سے کترانے لگے۔

بہر حال نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو امر واقعہ یہ ہے کہ خارجہ تعلقات کی تاریخ میں اس سے افضل نمونہ ملنا دشوار ہے۔ یہ معاہدہ آپؐ کی بے نظیر ذکاوت کا آئینہ دار ہے۔

### معاہدہ خزاعہ (۵ھ)

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے قبائل کو آزادی تھی کہ وہ قریش یا مسلمانوں سے حلفی کریں۔ خزاعہ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ اس قبیلہ نے معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اس موقع پر آپؐ نے عبدالمطلب کے پرانے حلف نامہ کی تجدید بھی فرمائی۔ اس حلفی کا سیاسی اور فوجی لحاظ سے رسول اللہؐ نے انتہائی اہم مقصد حاصل کیا۔ کہ جب بنو بکر نے قریشیوں کی مدد سے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو حضورؐ کو مکہ پر چڑھائی کرنے کا موقع مل گیا کیونکہ قریشیوں نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کا ساتھ دے کر معاہدہ حدیبیہ کی واضح خلاف ورزی کی تھی۔

### معاہدہ خیبر

جب حضورؐ نے خیبر کے یہودیوں کو ان کے قلعوں میں محصور کر دیا تو انہوں نے صلح کی درخواست کرتے ہوئے ۷ ہجری (۶۲۸ء) میں آپؐ سے معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے انہوں نے جلا وطنی کو قبول کر لیا۔ لیکن بعد میں درخواست کی کہ انہیں وہیں مقیم رہنے دیا جائے اور نصف پیداوار زمین کی ادائیگی کی شرط پر معاہدہ ہوا۔ (۴۲)



## معاہدہ فدک

معاہدہ فدک اور معاہدہ وادی القریٰ یہ دونوں معاہدے حضورؐ نے سن ۷ ہجری میں معاہدہ خیبر کی شرائط پر یہودیوں سے طے فرمائے۔

## معاہدہ یتماء

وادی یتماء میں بھی یہودی آباد تھے۔ ان کی درخواست پر آپؐ نے درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”یہ تحریر اللہ کے رسول محمد کی طرف سے بنو عادیا

کے لئے، ان کے لئے ذمہ داری ہے اور ان پر جزیہ، نہ ظلم

ہوگا اور نہ جلا وطنی۔ رات (اس معاہدے کو) دراز کرے گی

تو دن اس میں شدت پیدا کرے گا۔“ (۴۳)

## معاہدہ بنو عریض و بنی غازیہ

یہ معاہدہ آپؐ نے بحرین کے یہودی قبائل بنو عریض اور بنی غازیہ کے ساتھ اطاعت جزیہ پر

فرمایا۔

## معاہدہ مزینہ

مزینہ کا قبیلہ مدینہ کے مغرب میں ۲۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ساحل سمندر کی جانب آباد تھا جہاں سے گزر کر قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس قبیلہ کو زرعی اراضی اور کانیں جاگیر میں دیں اور معاہدہ کیا تاکہ قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کے اقدامات میں وہ بھی مسلمانوں کا حلیف ثابت ہو۔

## معاہدہ جرش

جرش طائف کے جنوب میں یمن کا ایک اہم مقام ہے۔ فتح مکہ کے بعد ان کا محاصرہ کیا گیا۔ ان کی صلح کی درخواست پر معاہدہ تحریر ہوا۔ آپؐ نے انہیں اسی حالت میں برقرار رکھا۔ جو اہل کتاب تھے ان کے ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ مقرر فرمایا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ وہ آئندہ مسلمان مسافروں کو سامان رسد مہیا کیا کریں گے۔ (۴۴)

## معاهدہ اسلم

- قبیلہ اسلم خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔ اس کے ساتھ آپ نے درج ذیل معاہدہ فرمایا۔
- ۱۔ اسلم کے لئے جو خزاعہ کی ایک شاخ ہے، ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے ایمان لائے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں خواہی دکھاتے ہیں۔
  - ۲۔ انہیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر اچانک دھاوا بول دیں۔
  - ۳۔ اور ان پر نبی کریم ﷺ کی مدد نصیب ہوگی جبکہ آپ ان کو بلائیں۔
  - ۴۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کے لئے بھی وہی حقوق و واجبات ہیں جو ان کی بستی میں رہنے والوں کے لئے ہیں۔

۵۔ اور وہ مہاجر ہی ہیں جہاں وہ ہیں۔ (۴۵)

مذکورہ معاہدہ کی شق ایک اور دو واضح طور پر فریقین کے درمیان دفاعی حلفی کی نشاندہی کرتی ہیں اور اس بات کا پابند بناتی ہیں کہ جنگ کی صورت میں دونوں ایک دوسری کی مدد کو آئیں گے۔

## معاهدہ ثقیف

بنو ثقیف عبد با لیل کی قیادت میں رمضان ۹ ہجری میں مدینہ آئے۔ آپ نے انہیں مسجد کے قبہ میں ٹھہرایا اور ان کے لئے یہ تحریر خالد بن سعید سے لکھوائی: (۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک تحریر ہے، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جو نبی ہیں ثقیف کے لئے لکھا جاتا ہے کہ ان کو اس خدا کے ذمہ دیا جاتا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبد اللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے۔ بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لئے حرام کی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی خاردار درخت، وہاں کا شکار، وہاں ظلم کرنا، وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا سب حرام ہیں۔ اور (اس وادی) دج کا ثقیف ہی کا سب سے زیادہ استحقاق ہے۔ ان کے قلعے کو عبور نہیں کیا جاسکے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں وہ اپنے قلعے میں یا اس کے سوا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں بنا سکیں گے۔ ان کو نہ تو فوجی خدمت کے لئے جمع کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے عشر زکوٰۃ لیا جائے گا اور نہ ہی مال یا ذات کے متعلق ان پر کوئی جبر کیا جاسکے گا۔

یہ مسلمانوں کا ہی ایک گروہ ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا آسکیں گے اور جہاں جانا آنا چاہیں جا آسکیں گے۔ اور ان کے پاس جو قیدی ہو وہ انہیں کا ہوگا۔ اور انہیں کو سب لوگوں سے زیادہ اس

پر استحقاق ہوگا تا کہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں۔ ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول ہو اور اس کی ادائیگی کی مدت آجائے تو وہ سود ہے۔ اور اللہ سے برأت اور قرض رہن کی ضمانت پر موسم عکاظ کے بعد تک کے لئے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ کے وقت ادا کر دیا جائے۔ اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے اسلام لانے کے دن لوگوں سے جو وصولی دُیون ہیں وہ ان کو ملیں گے۔ اور ثقیف لوگوں نے جو امانت یا مال یا آدمی (یعنی لونڈی غلام) جسے امانت رکھانے والے نے مالِ غنیمت میں حاصل کیا تھا یا اسے کھویا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کئے جائیں گے۔

اگر ثقیف کے کچھ لوگ یا سامان (اب) غیر حاضر ہوں تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال بعد میں ہو تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو دج کے مال کو ہے۔ اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملات دار ہو تو اس کو بھی ثقیف کے لئے طے شدہ امیر ہی حاصل ہوگا اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے گا تو ان کے متعلق اس کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے مال کے متعلق ہو یا جان کے متعلق۔ اور رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمان ان (ثقیف) کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے، جو ان پر ظلم کرے اور لوگوں میں سے جس کے متعلق انہیں ناپسند ہو کہ وہ ان کے ہاں آئے تو ایسا شخص ان کے ہاں نہ آسکے گا۔ اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔ ان کا امیر انہیں میں سے کوئی ہوا کرے گا کوئی دوسرا نہیں۔ چنانچہ بنی مالک پر ان کا امیر اور اخلاف پر ان کا امیر ہوگا۔ اور ثقیف والے قریش کے جن تا کسانوں کی ابرسانی کریں گے ابرساں کو اس کا آدھا ملے گا۔ اور ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو تو سود نہیں لیا جائے گا۔ اگر رہن کے مالک فوری ادائیگی کے قابل ہو تو ادا کریں گے اور اگر فوری ادائیگی نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاول تک ہو سکے گا۔ اور جس کا وقت آ گیا اور ادا نہ کرے تو گویا اس نے سود لیا۔ اور ان لوگوں سے جو قرض وصول ہو تو انہیں اصل راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ اور ان کے پاس جو قیدی ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس بیع کا حق ہوگا اور جو فروخت نہ کیا گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھ اونٹنیاں ہوں گی آدھوں آدھ تین اونٹنیاں اور دودھ عمدہ موٹی اور جس نے معاملہ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس کا بیع اسی کو حق ہوگا۔

### معاہدہ دومۃ الجندل

شوال ۹ ہجری میں طے پانے والے اس معاہدے کو معاہدہ اکیدر بھی کہتے ہیں۔ معاہدے کی

عبارت درج ذیل ہے۔ (۴۷)

یہ تحریر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اُکیدر کے لئے ہے، جبکہ اس نے اسلام قبول کیا اور انداد و اصنام کو چھوڑ دیا، اور اہلِ دومہ کے لئے ہے۔ جو ہڑوں کا وہ حصہ جو آبادی کے باہر ہے بنجر زمینیں اور جنگلی غیر آباد زمینیں اور زر ہیں اور ہتھیار اور بار برداری کے جانور، اور گڑھی یہ سب چیزیں ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے لئے وہ کھجور کے درخت ہیں جو گڑھی کے اندر ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے۔ تمہارے چرنے والے جانور چراگا ہوں سے نہیں پھیرے جائیں گے اور نصاب کی مقرر تعداد سے جو مویشی زیادہ ہوں گے زکوٰۃ کے تعین کے وقت ان کا شمار نہیں کیا جائے اور تمہارے اگنے سے نہیں روکے جائیں گے۔

”تمہیں وقت پر نماز پڑھنا اور حق کے مطابق زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اس کے لئے تمہارے ساتھ اللہ کا عہد اور میثاق ہے اور تم ہماری صداقت اور وفائے عہد کے مستحق ہو۔ اللہ اور مسلمان حاضرین شاہد ہیں۔“

### معاہدہ ایلہ

ایلہ شام میں خلیج عقبہ کے کنارے ایک مقام تھا۔ آپ نے ایلہ کے حاکم یحٰنہ یا یوحنا کو ایک مکتوب بھیجا تھا جس کے جواب میں وہ خود آپ کی خدمت میں بمقام تبوک حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسیحی تھے۔ آپ نے یوحنا کو مہمان کا درجہ دیا۔ گفت و شنید کے بعد درج ذیل معاہدہ طے پایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریر امان کی ضامن ہے جو اللہ اور محمد النبی رسول اللہ کی طرف سے یحٰنہ بن رویہ اور اہل ایلہ کے لئے ان کے بری قافلوں اور بحری تجارتی جہازوں کی حفاظت کی غرض سے مرتب ہوئی۔ ان کے لئے اللہ اور محمد النبی کی حفاظت کا ذمہ ہے اور ان اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر کے لئے جو ان کے ساتھ ہوں۔ لیکن ان میں جو بھی شخص معاہدے کے خلاف کوئی نئی بات پیدا کرے گا اس کی جان بچانے میں حائل نہ ہوگا اور وہ ہر اس شخص کے لئے حلال ہوگا جو اسے پکڑ لے گا۔ یہ جائز نہ ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کو کسی بھی چشمے

سے جس پر جا کر وہ پانی حاصل کرنا چاہیں یا کسی بھی بری یا  
بحری راستے سے جس پر وہ چلنا چاہیں روکا جائے۔ (۴۸)

### معاہدہ جریا، معاہدہ ازرح

غزوہ تبوک کے دوران ایلہ کے معاہدہ کے بعد مملکت مدینہ سے وفاداری کی شرائط پر یہ  
معاہدات ہوئے۔ (۴۹)

### معاہدہ مقنا

اہل مقنا یہودی تھے اور ۹ ہجری میں درج ذیل معاہدہ ان سے طے پایا۔  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محمد رسول اللہ کی طرف سے حبیبہ اور اہل مقنا کے نام۔ تم پر  
سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے گاؤں واپس  
جا رہے ہو۔ جب میرا یہ مکتوب تمہارے پاس پہنچے تو تم اپنے  
تئیں حفظ و امان میں سمجھو کیونکہ اب تمہارے لئے اللہ کا اور  
اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اور رسول اللہ نے تمہارے گناہ،  
اور وہ شب خون، جن کے لئے تمہارا تعاقب کیا گیا تھا،  
معاف کر دیئے ہیں۔ تمہارے گاؤں میں رسول اللہ کے سوا  
اور رسول اللہ کے نمائندے کے سوا تمہارا کوئی شریک و سہم  
نہیں ہے۔ آج کے بعد تم پر نہ کوئی ظلم ہوگا اور نہ زیادتی اور  
اللہ کا رسول تمہیں ان تمام چیزوں سے بچائے گا جن سے وہ  
خود اپنے تئیں بچاتا ہے۔ جو چیزیں رسول اللہ نے یا رسول  
اللہ کے نمائندے نے معاف کر دی ہیں ان کے سوا  
تمہارے بنے ہوئے کپڑے، تمہارے غلام، تمہارے  
گھوڑے اور تمہاری زرہیں رسول اللہ کے لئے ہیں۔ جو کچھ  
تمہارے نخلستانوں میں پیدا ہو اور تمہاری کشتیاں شکار کریں  
اور تمہاری عورتیں کاتیں ان سب ہی سے ایک چوتھائی ہم پر  
واجب ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے تمہارا ہے۔ نیز یہ کہ

رسول اللہ نے تمہیں ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اگر تم سنو گے اور اطاعت کرو گے تو رسول اللہ تمہارے عزت داروں کی عزت کریں گے اور تمہارے قصور معاف کریں گے۔ بن حبیبہ اور اہل مقنا میں سے جو مسلمانوں سے بھلائی کرے گا وہ اسی کے لئے بھلائی ہوگی اور جو برائی کرے گا وہ اسی کے لئے برائی ہوگی۔ تم پر کوئی امیر نہیں ہوگا۔ مگر وہ جو خود تمہیں میں سے یا رسول اللہ کے اہل بیت میں سے ہو۔“ (۵۰)

### معادہ نجران

رسول اللہ نے اہل نجران سے ۱۰ ہجری میں درج ذیل معادہ فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ وہ تحریر ہے جو اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل نجران کے لئے لکھی ہے۔ اگرچہ آپؐ کو ان کے پھلوں، سونے چاندی، لوہے (اسلحہ) اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی مگر آپؐ نے یہ ساری چیزیں ان کو چھوڑ دیں اس شرط پر کہ وہ ہر سال دو ہزار حلے ادا کریں، ایک ہزار جب میں اور ایک ہزار صفر میں۔ ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ ہو تو وہ محسوب کر لیا جائے گا، اور جو زہر ہیں، گھوڑے یا سواریاں دیں وہ بھی حساب کر کے لی جائیں گی۔ اہل نجران پر میرے قاصدوں کے رہنے کا انتظام لازم ہوگا۔ کسی قاصد کو ایک ماہ سے زیادہ نہ روکا جائے۔ اگر یمن میں کوئی گڑبڑ پیدا ہو جائے تو اہل نجران کو تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ مستعار دینے ہوں گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ہلاک یا ضائع ہو تو اہل نجران کو اس کا معاوضہ ملے گا نجران اور اس کے حلقے کے لوگ اللہ

کے جوار اور رسول اللہ کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان کی جانیں، اموال، زمینیں، مذہب، حاضر و غائب، گرجے اور مملوکات کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے موقف سے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، کسی کاہن کو اس کی کہانت سے ہٹایا نہ جائے گا۔ جو کچھ بھی کم و بیش ان کے قبضہ میں ہے اس پر غارت گری نہ ہوگی۔ تم سے جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، نہ فوجی خدمت پر بلایا جائے گا۔ نہ کوئی عشر لگایا جائے گا۔ اور نہ کوئی لشکر تمہاری زمین پامال کرے گا۔ اگر تم سے کوئی اپنا حق مانگے گا تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ نہ تم پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔ تم میں سے اس کے بعد جو سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔ دوسرے آدمی کے ظلم کی پاداش میں دوسرا نہ پکڑا جائے گا۔ اس تحریر میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ کی امان اور محمد کا ذمہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لائے اور اس وقت تک کہ تم مسلمانوں کے خیر خواہ رہو اور ان شرائط کے پابند رہو جو تم سے کی گئی ہیں بغیر اس کے کہ تمہیں ظلم سے کسی بات پر مجبور کیا جائے۔“ (۵۱)

### معاہدہ تبالہ

۱۰ ہجری میں اہل تبالہ سے اہل جرش کی شرائط پر معاہدہ ہوا۔ اور یہ لازم قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے سامان رسد فراہم کریں گے۔ (۵۲)

### معاہدات بنی الحرقہ و بنی الجرمز

رسالت مآب نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عمرو بن معبد الجہنی اور بنی الحرقہ و بنی الجرمز کو ایک خاص فرمان کے ذریعے ان شرائط پر امن امان کی یقین دہانی کرائی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور مال گزاری بھی ادا کریں۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ مرکز کو ادا کریں۔

اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع کر کے صرف راس المال نے کراپنے قرضہ جات کے سود سے دستبردار ہو جائیں۔ جو افراد اس قبیلہ میں ضم ہوں وہ بھی انہی مراعات کے حامل ہوں گے جو اس قبیلہ کو حاصل ہیں۔

جس دور میں رسالت مآب نے یہ معاہدات فرمائے روم و فارس اس وقت کی دو عظیم طاقتور سلطنتیں تھیں۔ اسلامی ریاست مدینہ کو روم کی طرف سے خطرات لاحق تھے۔ غزوہ تبوک انہی خطرات کے تحت واقع ہوا تھا۔ تبوک میں قیام کے موقع پر حضور نے سیاسی اور حربی فوائد حاصل کرنے کے لئے ان سرحدی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اقدامات کئے جو اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں۔ تبوک میں مسلمانوں کی قلیل فوج کے جرأت مندانہ ٹھہراؤ اور بے مثال جذبہ نے سرحدی قبائل کو آپ ﷺ کی اطاعت قبول کرنے میں حالات کو سازگار بنا دیا تھا۔ چنانچہ حاکم ایلہ، اہل جرباء و ازرح نے جزیہ پر صلح کر کے معاہدہ کیا۔ اس کے بعد دو متہ الجندل کو مطیع بنایا۔ پھر اہل مقنا کے عیسائی روساء نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔

ان معاہدات کا صاف نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست نبوی کی حدود اقتدار براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئے اور وہ عرب قبائل اب خود رومیوں کے حریف بن گئے جن کو اب تک عرب کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے اور جو اب مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے۔ مذکورہ بالا عیسائی قبائل کو ریاست نبوی کے زیر اثر لانا حضور ﷺ کی سیاست خارجہ کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے رومی سلطنت کے منطقہ اثر میں گہرے شکاف پڑ گئے جن کی وجہ سے صفر ۱۱ ہجری میں اسامہ بن زید کی وہ مہم بالآخر حضرت ابو بکرؓ کے دور میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی جسے ابتدائی طور پر رسول اللہ نے روانہ کیا تھا۔ اور پھر آگے چل کر اسی بناء پر بلاد روم میں اسلام کے اثر و نفوذ، توسیع و اشاعت اور فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ اور اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا۔





## حوالہ جات باب ششم

- ۱- سید قاسم محمود، "اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔"
- ۲- نعیم صدیقی، "محسن انسانیت"، ص ۴۹۲۔
- ۳- تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۵۶۔
- ۴- ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۴۲۔
- ۵- طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۱۹۔
- ۶- ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۴۵، تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۷۵۔
- ۷- طبقات ابن سعد حصہ اول، ص ۳۱۸۔
- ۸- ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۵۵۔
- ۹- ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۹۰۔
- ۱۰- ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۵۴، ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۲۱۔
- ۱۱- حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۸۰-۸۱۔
- ۱۲- نقوش رسول نمبر، جلد ۵، ص ۹۰۔
- ۱۳- محمد حسین ہیکل "حیات محمد ﷺ" ص ۴۸۵۔
- ۱۴- ایضاً
- ۱۵- Well Havsén (The Historions of the World) Vol :viii, p.291.
- ۱۶- صحیح بخاری
- ۱۷- ابوداؤد، سنن، جلد ۳، باب بنو نضیر۔
- ۱۸- نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۱۱، ص ۶۳۱۔

- ۱۹۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" جلد اول، ص ۴۰۳-۴۰۴۔
- ۲۰۔ نقوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر جلد ۵، ص ۶۳۱-۶۳۲۔
- ۲۱۔ ابوداؤد، سنن، جلد ۲، باب بنو نضیر۔
- ۲۲۔ ایضاً
- ۲۳۔ ابن سعد، الطبقات، (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء)، جلد ۲، ص ۲۹۔
- ۲۴۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۶۔
- ۲۵۔ ابوداؤد، سنن، باب بنو نضیر۔
- ۲۶۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" جلد اول، ص ۴۱۲۔
- ۲۷۔ صحیح مسلم، جلد دوم، ص ۷۷۔
- ۲۸۔ نقوش، جلد ۱۱، ص ۶۴۸۔
- ۲۹۔ ایضاً، ص ۶۴۷۔
- ۳۰۔ طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۴۴۔
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۴۱۷۔
- ۳۲۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۵۳، تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۲۵۔
- ۳۳۔ ایضاً
- ۳۴۔ ایضاً، ص ۳۵۶۔
- ۳۵۔ تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۲۔
- ۳۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "تاریخ اسلام" ص ۴۷۔
- ۳۷۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۵۹، تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۱۔
- ۳۸۔ تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۱۳۵۔
- ۳۹۔ ابن ہشام، ابو عبید، "فتوح البلدان"؛ ڈاکٹر حمید اللہ۔
- ۴۰۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۷۱۔
- ۴۱۔ زاد المعاد، جلد دوم، ص ۲۲۸۔
- ۴۲۔ صحیح بخاری، کتاب الوکالہ، باب المزارعة مع الیہود، ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۸۹۔
- ۴۳۔ طبقات ابن سعد، بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۳۲۶-۳۷۵۔
- ۴۴۔ فتوح البلدان، ص ۹۹۔

- ۴۵۔ ابن سعد، بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۳۷۴-۳۷۵۔
- ۴۶۔ فتوح البلدان، ص ۱۰۳-۱۰۴۔
- ۴۷۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۶۳۰-۶۳۱۔
- ۴۸۔ تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۴۴۳۔
- ۴۹۔ فتوح البلدان، ص ۱۰۱-۱۰۲۔
- ۵۰۔ ایضاً، ص ۱۰۸-۱۰۹، زاد المعاد، جلد سوم، ص ۱۲۶-۱۲۷۔
- ۵۱۔ ایضاً، ص ۹۹۔
- ۵۲۔ ایضاً

## رسول اللہ (ﷺ) کی جنگی سرگرمیاں

جنگ خارجہ پالیسی میں ایک اہم اصول ہے۔ جنگ ایک مسلح نزاع کا نام ہے جو دو یا دو سے زائد ملکوں کے درمیان برپا ہو۔ ایک انصاف کی جنگ ہوتی ہے جو کسی ایسی قوم کے خلاف لڑی جائے جو دوسری قوم پر ظلم کی مرتکب ہوئی ہو اور دوسری قوم کی ترقی اور اوج و عروج کو ناپسند و ناگوار محسوس کرتی ہو۔ اس جنگ کیلئے ضروری ہے کہ یہ انسانی آئین کے ماتحت ہو اور اس کا مقصد دائمی امن و امان ہو۔ نیز یہ شرط بھی ہے کہ انسانی زندگی اور بے گناہوں کے مال و املاک کا قرار واقعی احترام کیا جائے، نیز قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے۔ اسی طرح یرغمالی کے ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ ہو، نہ املاک پر نا واجب قبضہ کیا جائے۔

دوسری جنگ ظلم کی جنگ ہوتی ہے جو کسی صالح اور نیک مقصد کے ماتحت نہیں لڑی جاتی۔ جو حکومت اسی جنگ میں حصہ لیتی ہے اس کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی دوسری حکومت کے کسی حصے پر قبضہ کر لے یا اسے محکوم بنا لے۔

انسانیت کے ابتدائی دور میں جو سب سے پہلی جنگ تسلیم کی گئی ہے وہ دو قوموں یا دو جماعتوں کی جنگ نہ تھی بلکہ دو بھائیوں کی جنگ تھی۔ یہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ اس جنگ کی بنیاد بغض و حسد کے جذبات تھے۔ قرآن میں ہے۔

”تو اگر مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے (تو بے شک ایسا کر دیکھ) لیکن میں تیرے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کیونکہ میں خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔“ (المائدہ)

یہ وہ زمانہ تھا کہ اب تک کسی نسلی یا جغرافیائی قومیت کی بنیاد نہ پڑی تھی اور نہ ہی کوئی مملکتی تصور

معرض وجود میں آیا تھا۔ مگر حضرت مسیح سے دو یا اڑھائی ہزار سال قبل دنیا کی بڑی بڑی اقوام کی نقل و حرکت اور مختلف قوموں کی باہمی آویزش کے بہت سے واقعات ملتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ انسانی کا یہ دور معاشی کشمکش ذہنی انتشار، آوارہ گردی اور طوائف المملوک کی کا عجیب دور تھا اور اس عہد کی قوموں کا انتہائی سطح نظر کسی وسیع و عریض اور سرسبز و شاداب خطہ اراضی کا حصول تھا۔ چنانچہ اسی دور میں کچھ آریائی اقوام وسط ایشیا سے نکل کر ہندوستان میں داخل ہوئیں اور قدیم باشندوں سے جو سلوک کیا وہ تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہے۔ جن جنگ جو انہ قوموں کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے وہ ام سامیہ اولیٰ ہیں۔ ان میں ایک عاد اولیٰ کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہی دنیا کی پہلی عظیم الشان قوم ہے جو اس دور میں ممالک عرب، صحراء، افریقہ، عراق، مصر، سیریا، ایران، قرطاجنہ (کارٹیج)، کریٹ اور یونان پر حکمرانی کرتی نظر آتی ہے۔ اس قوم کا اصل مسکن و مولد اگرچہ عرب تھا۔ مگر عرب میں وسائل معیشت کی کمی کی وجہ سے یہ دلیر اور جنگ جو قوم عرب سے نکل کر انسانی آبادیوں کو روندتی ہوئی دنیا کے اکثر ممالک پر چھا گئی۔ ان اقوام کا دور عروج دو ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے جبکہ یہ بابل، مصر اور دوسرے ایشیائی ممالک پر حملہ آور ہو کر عظیم الشان حکومتوں کی بنیاد ڈالتی ہیں۔ ابن خلدون کے مطابق

”ان اقوام میں بہت سے بادشاہ تھے اور جزیرہ عرب میں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں اور ان کے چند قبائل کی وسعت مملکت مصر و شام تک پہنچ چکی تھی۔“ (۱)

عاد اولیٰ کی قوت و شوکت، جاہ و جلال، سیاستِ قاہرہ اور حملہ و هجوم کے ظالمانہ طریق کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”آپ نے دیکھا نہیں عادِ ارم سے آپ کے رب نے کیا سلوک کیا جو بڑی بڑی عمارتوں والی تھی اور جس کی مثال ممالک و بلاد میں پیدا نہیں کی گئی۔“ (الفجر)

”لیکن عاد نے ناحق طور پر زمین میں تکبر کیا اور کہہ دیا کہ ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟“ (حم۔ السجدہ)

”اے عاد! تم ہر اونچی جگہ پر محض بے فائدہ یادگار اور عجیب و غریب مکان بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو جابر و قاہر بن کر گرفت

کرتے ہو۔“

ان آیات قرآنی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان اقوام کا اندازِ فکر کیا تھا اور دوسرے ممالک پر ان کی فوج کشی، حملہ و ہجوم اور دیار و بلاد پر ان کے غلبہ و استیلاء کے مقاصد کیا تھے اور مفتوح اقوام سے ان کا سلوک کیسا تھا۔ عہدِ قدیم کا مورخ نانیو ان اقوام کے حملہ مصر کے سلسلے میں رقمطراز ہے۔

”خدا ہم سے خفا تھا۔ ایک عجیب طریقہ سے یہ شریر الخلق لوگ اطرافِ مشرق سے چلے آئے۔ وہ اس قدر بہادر تھے کہ وہ ہمارے ملک میں گھس گئے، نہایت آسانی سے بزورِ مسخر کر لیا، گو ان سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی جب انہوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا اور اپنی طاقت سے ہم پر حکومت کی۔ انہوں نے ہمارے شہروں کو جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کر دیا۔“ (۲)

اسی طرح قومِ شمو اور سبا کے فتنہ و فسادات اور ان کی تباہ و بربادی کا ذکر قرآن میں ملتا ہے۔ سبا کے ایک طبقہ نے حبش میں باقاعدہ ایک حکومت قائم کر لی تھی۔ آگے چل کر سبا یمن اور سبا حبش میں سخت قبائلی اور نسلی رقابت شروع ہو گئی۔ ان دونوں میں مدتوں جنگ جاری رہی۔ مگر ایک عرصہ بعد سبا حبش نے عیسائیت قبول کر لی اور سبا یمن نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ قدیم رقابت میں اس اضافہ کے نتیجے میں ۴۰۰ء سے چھٹی صدی تک ان کا باہم لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کی جنگوں میں نسلی اور قبیلوی تعصب کے علاوہ مذہب کا غلط تصور بھی کارفرما تھا۔ چنانچہ زونواس (شاہِ یمن) نے نجران کے کچھ عیسائیوں کو آگ کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا۔ نتیجتاً شاہِ حبش نے یمن پر فوج کشی کر کے زونواس کا خاتمہ کیا اور یمن پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ یہاں بھی مذہبی تعصب نمایاں تھا کہ باشندگانِ اکسوم کو اس شرط پر رہائی دی کہ وہ سب عیسائی ہو جائیں۔ یمن کے عیسائی گورنر ابرہہ نے مذہبی تعصب کی ہی بناء پر حضور ﷺ کی ولادت سے چالیس دن قبل مکہ معظمہ پر چڑھائی کی تھی۔ قرآنِ حکیم میں اصحابِ الفیل کے نام سے اس حملہ کے ذکر کے علاوہ بنی اسرائیل پر تین حملوں کا بیان بھی موجود ہے۔ پہلا حملہ وہ ہے جبکہ عمالقہ نے بنی اسرائیل کا سیاسی اقتدار ختم کر دیا تھا اور ان کو ان کے وطن سے نکال دیا تھا۔ قرآن میں ہے۔

”ہمیں کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں نہ لڑیں گے، حالانکہ ہمارے

دشمن نے ہم کو گھریا اور اولاد سے جدا کر دیا۔“ (بقرہ)

دوسرا حملہ بابل کے مطلق العنان بادشاہ بخت نصر کا ہے۔ جب کہ اس کی افواج قاہرہ نے یہود

کے دینی مرکز یعنی بیت المقدس پر یلغار کی، یہود کا قتل عام کیا، شہر کو ویران کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے مقدس معابد اور ہیكل سلیمانی کو برباد کر دیا اور قتل عام سے جو لوگ بچ گئے ان کو گرفتار کر کے بابل لے جایا گیا جہاں وہ مدتوں مقید رہے۔ تیسرا حملہ شہنشاہ روم ٹیٹس نے ۷۰ء میں بیت المقدس پر کیا تھا اور یہ حملہ اتنا شدید اور فیصلہ کن تھا کہ اس نے یہود کی ہزار سالہ عظمتِ قومی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کے بعد وہ سیاسی لحاظ سے کبھی نہ اٹھ سکے تھے۔ ان پر حملہ آور اقوام کے جارحانہ حملوں، سفاکیوں اور حربی کارناموں کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان جنگوں کے مقاصد محض قومی و نسلی برتری اور مذہب کی غلط پیروی رہے ہیں۔

جنگوں کے حوالے سے اس تاریخی پس منظر کے بعد رسول اللہ کے اہم غزوات و سرایا کا مختصراً واقعاتی مطالعہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ رسول اللہ کے غزوات کن مقاصد کے تحت واقع ہوئے اور یہ دوسری اقوام کی جنگوں کے مقاصد سے کس طرح مختلف تھے، ان کی جنگی حکمت عملی کیا تھی، خارجہ پالیسی کے تحت ان غزوات و سرایا کے عالمگیر اثرات کیا نکلے، اور ان سے بین الاقوامی قوانین جنگ و صلح میں کس طرح اصلاح پیدا ہوئی؟

جب سے آنحضرتؐ نے مکہ میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا تھا قریش کی مخالفت کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس مخالفت میں قریش مکہ نے اسلام قبول کرنے والوں پر مختلف طرح سے ظلم ڈھائے اور مٹھی بھر مسلمانوں کے خاتمہ کی ہر ممکن کوششیں کیں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ کو قتل تک کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ لیکن ناکامیاں ان کا مقدر تھیں۔ قریش کی مخالفت میں سیاسی رنگ اہل مدینہ کی بیعت عقبہ ثانی کے بعد پیدا ہوا۔ قریش مکہ کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اہل مدینہ رسول اللہ کو عزت بخشیں اور مکہ میں ان کے زیر دست رہنے والے مفلوک الحال لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مدینہ میں پناہ ملے اور ان ہی کے خلاف صف آراء ہوں۔

حضورؐ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچتے ہی ابوسفیان اور ابی بن خلف لُحجی کی طرف سے انصار کو یہ خط لکھا گیا کہ

”اما بعد ہمارے لئے اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات اور کوئی نہیں ہے، کہ قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ اور ہمارے درمیان محض تمہاری وجہ سے عداوت کی آگ بھڑک اٹھے۔ تم نے جان بوجھ کر ہمارے آدمی کو رکھا ہے۔ جو ہمارے درمیان نہایت معزز اور ہماری قوم میں ذی حیثیت و منصب

تھا۔ تم نے اس کو اپنے یہاں ٹھکانہ مہیا کیا اور اس کی حمایت و حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ بلاشبہ یہ بات خود تمہارے لئے باعثِ ذلت ہے۔ اس لئے تم ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ پس اگر وہ ٹھیک رہتا ہے تو ہم اس سے بہتر طریقے سے پیش آئیں گے اور اگر اس کے علاوہ دوسرا طرزِ عمل دکھایا تو پھر ہم ہی اس کے ولی ہونے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ جو چاہیں کریں۔“ (۳)

اہلِ یثرب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام فرمانروا کی حیثیت سے بلایا تھا۔ آپ کے نزدیک بھی محض پناہ کی غرض سے یثرب میں قیام کرنا نہ تھا بلکہ مسلمانوں کی منتشر قوت کو یہاں جمع کر کے ایک منظم معاشرہ کی تشکیل کرنا تھا۔ چنانچہ اوس و خزرج کی اکثریت کے مسلمان ہو جانے اور رسول اللہ کی سیاسی تدبیر سے قریش کی خط لکھنے کی سیاسی چال کار گرنے ہو سکی۔ جنگ بدر سے کچھ پہلے انہوں نے عبداللہ بن ابی (جو کہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے اوس و خزرج کا سردار بننے کے خواب دیکھ رہا تھا) کو لکھ بھیجا کہ

”تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ یا لوگ اس کو قتل کر ڈالیں یا اپنے شہر سے باہر نکال کریں۔ ورنہ ہم سب مل کر تم پر چڑھ دوڑیں گے۔ یہاں تک کہ تمہیں بری طرح موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے مباح سمجھیں گے۔“ (۴)

عبداللہ بن ابی اس پر کچھ آمادہ شہرہوا مگر نبی نے بروقت اس کے شرکی روک تھام کر دی۔ قریش مکہ نے ایک طرف تو ریاستِ مدینہ کے خلاف سیاسی و سفارتی سطح پر ایک محاذ قائم کر دیا تھا تو دوسری طرف انہیں تاخت و تاراج کرنے اور اپنی قوت اور وسائل کا مسلمانوں پر سکھ جمانے کے لئے ہجرت کے فوراً بعد عملی کارروائیوں کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ اس غرض کے لئے چھوٹے چھوٹے مسلح دستے مدینہ بھیجنا شروع کر دیئے تھے حتیٰ کہ ربیع الاول ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں قریش مکہ کا ایک دستہ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہوا چراگاہ کو لوٹا اور اس کے مویشی ہنکالے گئے۔“ (۵)

ان حالات میں نوزائیدہ اسلامی ریاست مدینہ کو سلامتی اور خود مختاری کے خطرات میں مزید



اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہر وقت یہ خدشہ رہتا کہ قریش کسی بھی وقت مدینہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ان خدشات سے پوری طرح باخبر تھے اور جانتے تھے کہ جنگ کی تیاری میدان جنگ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جس میں ریاست کا اندرونی استحکام، عوام کی اخلاقی تربیت، ہمسایہ ممالک سے دوستانہ تعلقات، نوعیت جنگ کا صحیح اندازہ اور اس کے لئے صحیح تربیت، مادی وسائل کی فراہمی، تیاری اسلحہ، منصوبہ جنگ کی سازگی، صحیح اشخاص کا انتخاب اور حکمت عملی اور تدبیر جیسے اصولوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ حضور نے ان تمام اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے ایک شہری مملکت کی بنیاد قائم کر کے اسے مستحکم کیا۔ بے سروسامان اور بے خانماں مہاجرین کا مسئلہ اس مملکت کے لئے بہت نازک صورت اختیار کر سکتا تھا لیکن مواخاۃ کے عمل کے ذریعے آپ نے مہاجرین و انصار کے بھائی چارے کی فضا قائم کر کے اسے نہایت خوش اسلوبی سے سلجھایا۔ اس عمل کی بدولت نہ صرف ایک اہم اقتصادی مسئلہ حل ہو گیا بلکہ مہاجرین و انصار میں محبت و یگانگت اور ہم آہنگی بھی پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے پیروں کے حقوق و فرائض کو ضبط تحریر میں لا کر ایک دستاویز کی شکل دی اور مدینے کے یہودی قبائل سے حربی اور سیاسی معاہدات کئے جن کی رو سے مدینہ پر حملے کی صورت میں وہ آپ کی مدد کے پابند تھے۔

اس حربی اور سیاسی حلفی کو آپ نے مدینے کے گرد و نواح کے ان قبائل تک پھیلا کر اپنی دفاعی حیثیت کو مزید مضبوط بنا لیا جو شام کی طرف جانے والے قریشی تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ پر آباد تھے۔ ان میں بنو ضمرہ، بنو مدلج اور جہنیہ کے قبائل شامل تھے۔ جنہوں نے اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود اس بات پر آمادگی ظاہر کر دی کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہو تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں گے اور اگر ان کے علاقوں پر کسی نے چڑھائی کی تو مسلمان ان کی مدد کریں گے۔ اس علاقے کی آبادیوں کو سیاسی اعتبار سے اپنے ساتھ ملا کر رسول اللہ نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں

”یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے کاروانی قافلے گزرا کرتے

تھے اور مکہ والے شام، مصر یا عراق جانا چاہتے تھے تو اسی

راستے سے گزرتے تھے۔ اس راستے کی بندش قریش پر

معاشی دباؤ ڈالنے میں اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ بدر کی

شکست فاش بھی اتنا بے بس نہ کر سکی۔“ (۶)

آنحضرت نے ریاست مدینہ کی سرحدات کی نگرانی اور ملحقہ علاقوں میں دشمن کی نقل و حرکت کی

دیکھ بھال کے لئے طلائیہ گردی کے طور پر مہمات بھیجنا شروع کیں۔ بعض مہمات کے ساتھ آپ خود بھی

تشریف لے گئے۔ پہلے سال چار مہمات روانہ کی گئیں۔ جو سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ بن حارث، سریہ سعد بن ابی وقاص اور غزوة الالبواء کے نام سے موسوم ہیں۔ (۷)

دوسرے سال ابتدائی مہینوں میں دو مزید تاختیں اسی جانب کی گئیں جن کو غزوة بواط اور غزوة ذوالعشیرہ کا نام دیا گیا۔ ان مہمات کا مقصد محض قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا تھا اور ان کو خبردار کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مہمات پر امن رہیں۔ البتہ رجب ۲ھ میں حضرت عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں ایک مہم مقام نخلہ کی جانب قریش کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے اور اس کی اطلاع فوری طور پر رسول اللہ کو پہنچانے کی غرض سے روانہ کی گئی۔ جیسا حضور ﷺ کی ہدایت نامہ کی عبارت سے ظاہر ہے جو آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو دیا تھا کہ

”جب تم میرے مکتوب کو پڑھو تو چلتے جانا یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ٹھہرنا اور قریش کے قافلے پر گھات لگا کر بیٹھنا اور ان کے حالات سے ہمیں باخبر رکھنا۔“ (۸)

لیکن یہ مہم پر امن نہ رہی بلکہ نخلہ سے گزرنے والے قافلے سے جھڑپ میں مسلمانوں نے عمرو بن حضرمی کو مار ڈالا اور عثمان بن عبداللہ اور الحکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے ماہ حرام میں اس مقاتلہ سے بے زاری کا اظہار فرمایا اور مالِ غنیمت میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور بعد میں فدیہ لے کر دونوں قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔ (۹) سریہ نخلہ میں جو لوگ گرفتار اور واصل جہنم ہوئے وہ ابنائے امیہ تھے۔ عمرو بن حضرمی عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کے دادا) کا حلیف تھا۔ حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد اسے ریاست عام حاصل ہوئی تھی۔ گرفتار شدہ گان میں عثمان و نوفل مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ ولید کا باپ اور خالد کا دادا تھا۔ حرب کے بعد دوسرے درجے کا رئیس تسلیم کیا جاتا تھا۔ اہل مکہ نے اس واقعہ کو اپنی توہین خیال کیا اور اس طرح انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی۔

شعبان ۲ ہجری (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ۵۰ ہزار اشرفی کا مال تھا، شام سے مکہ پلٹتے ہوئے اس علاقے میں پہنچا جو مدینے کی زد میں تھا۔ چونکہ سابقہ حالات کی بناء پر خطرہ قوی تھا کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقت ور دستہ اس پر چھاپہ نہ مار دے، سردارِ قافلہ ابوسفیان نے اس پر خطر علاقے میں پہنچتے ہی ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکے کی طرف دوڑایا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان

کاٹے، اس کی ناک چیر دی، کجاوے کو الٹ کر رکھ دیا اور اپنا قمیض آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

”قریش والو! اپنے قافلہ تجارت کی خبر لو تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں محمد ﷺ اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ تم اس کو پاسکو گے۔ دوڑو، دوڑو مدد کے لئے۔“

چنانچہ قریش نشہ طاقت میں چور تقریباً ایک ہزار کا لشکر لے کر رمضان ۲ھ میں مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے پیش نظر صرف یہ ہی کام نہیں تھا کہ اپنے قافلے کو بچائیں، بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ آئے دن خطرے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں، اور مدینے میں یہ مخالف طاقت جو ابھی نئی نئی مجتمع ہونی شروع ہوئی ہے، اسے کچل ڈالیں، اور اس نوع کے قبائل کو اس حد تک مرعوب کر دیں کہ آئندہ کیلئے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔ (۱۰) اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ابوسفیان اپنے قافلے کو بحفاظت نکال کر لے گیا تو اس نے قریش کو کہلا بھیجا کہ وہ لوٹ آئیں۔ اس وقت قریش حنفہ کے مقام پر تھے۔ عمائدین قریش نے ابوسفیان کے مشورے پر عمل کرنے کیلئے آمادگی کا اظہار کیا لیکن ابو جہل نے کہا کہ

”اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے۔ تین روز قیام کریں گے، کاٹنے کے قابل جانور کاٹیں گے، اور کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے، گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی، عرب میں ہماری شہرت کے ڈنکے بجیں گے، ہمارے جانے اور اکٹھے ہونے کی خبر پھیلے گی، پھر ہمارا رعب داب ان پر چھا جائے گا، اس لئے چلنا چاہیے۔“ (۱۱)

رسول اللہ ﷺ کو بھی لشکر قریش کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ ۳۱۴ھ ہاجرین و انصار پر مشتمل ایک جماعت لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (۱۲) دونوں لشکر بدر کے مقام پر آمنے سامنے آ گئے۔ جنگ کا آغاز انفرادی مقابلوں سے ہوا۔ لیکن قریش نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل ہوتے دیکھ کر جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ بالآخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ قریش کے ستر (۷۰) آدمی قتل اور اتنے ہی قید ہوئے جبکہ مسلمان شہدا کی تعداد چودہ تھی۔ (۱۳) جنگ بدر ریاست نبوی اور قریش کے

درمیان آئندہ جنگوں کا مقدمہ بن گئی۔ اور نتائج کے لحاظ سے فریقین کیلئے انتہائی اہم ثابت ہوئی۔ بدر میں قریش اپنے آبائی مذہب، قدیم رسم و رواج، اپنی قیادت اور معاشی مفاد کے بجاؤ کیلئے اترے تھے لیکن حضور ﷺ کے نزدیک اسلام کے پھیلاؤ کا اعلیٰ وارفع مقصد تھا جو جاہلیت کے خاتمہ کیلئے آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حسب و نسب، رنگ و نسل اور قوم و وطن کی یکسانیت کے باوجود ”بدر“ میں فرق صرف ایمان کا تھا۔ اسی لئے حضرت ابو بکرؓ اپنے بیٹے، حضرت حذیفہؓ اپنے باپ عتبہ، حضرت عمرؓ ایک طرف کیمپ میں اور آپ ﷺ کے حقیقی چچا عباس اور داماد ابو العاص دشمن کے دوسرے کیمپ میں موجود تھے۔ ایمانی قوت کے فرق نے ہی مسلمانوں کو فتح دی۔ قرآن میں آیا ہے کہ

”بلاشبہ جنگ بدر میں اللہ نے تمہاری مدد فرمائی اور اس وقت تم کمزور بے سہارا تھے“۔ (آل عمران: ۱۲۳)

اس جنگ میں قریش مکہ کی طاقت کو خاصا نقصان پہنچا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عتبہ، ابو جہل، ابو بختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہاشم، امیہ بن خلف، اور منبہ بن الحجاج شامل تھے جو اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے اور اہل مکہ کے یہاں ان کا اثر و رسوخ، فراست و تدبیر، بصیرت و اہلیت اور جنگی قابلیت معروف تھی۔ خود حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ

”یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر پاروں کو سامنے ڈال دیا ہے۔“

اس کے علاوہ جو قریش کے ستر قیدی ہوئے تھے ان کی رہائی کیلئے اڑھائی لاکھ درہم سے زائد کی رقم ادا کرنا پڑی۔ اس مالی بوجھ نے بھی ان کی طاقت کو مضحل کر دیا۔ جب کہ وہ بدر میں اپنے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی خطرات کا خاتمہ کرنے کیلئے مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوئے تھے۔ درحقیقت ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی پالیسی رسول اللہ ﷺ نے اس لئے بھی اختیار کی تھی کہ ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ تجارتی سفر کے نتیجے میں حاصل ہونے والی منافع کی رقم سے قریش جنگی ہتھیار حاصل کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں جو مسلمانوں کے ہی خلاف استعمال ہونے لگے۔ اقتصادی لحاظ سے ریاست نبوی ﷺ کو جنگ بدر سے اس طرح فائدہ پہنچا کہ مالِ غنیمت اور فدیہ کی اڑھائی لاکھ کی رقم اس کے حصہ میں آئی جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت کو کچھ سنبھالا دینے میں مدد ملی۔ جنگ بدر میں قریش کی تین گناہ بڑی طاقت کی واضح شکست کے بعد مسلمان ایک قوت بن کر ابھرے اور اسلامی ریاست کی حیثیت مسلمہ بن گئی۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

”یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم کو ناتواں سمجھا جاتا تھا تم ڈرے رہتے تھے، کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کی اور اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے۔“ (الانفال: ۲۱)

نتیجتاً مدینہ کے اندر اور باہر قبائل پر اسلامی ریاست کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا اور بعض قبائل رسول اللہ ﷺ کی امداد پر آمادہ ہو گئے۔ مثلاً جنگِ اُحد کیلئے قریش نے پیش قدمی کی تو قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ تک اطلاعات بہم پہنچائیں۔ لیکن یہودی قبیلہ بنو قینقاع نے معاہدہ مدینہ کے تحت رسول اللہ ﷺ کی امداد کا پابند ہونے کے باوجود جنگِ بدر کے موقع پر نہ صرف غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا بلکہ اس سے قبل بھی وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشوں میں شریک رہے۔ آخر کار حضور ﷺ نے اس فتنہ کے تذراک کیلئے اقدامات کئے اور یہودی بنو قینقاع کو مدینہ چھوڑنا پڑا۔

سیاسی لحاظ سے جنگِ بدر کی اہمیت اس لئے بھی مسلمہ ہے کہ اس میں بعض قوانینِ جنگ کی اصلاح ہوئی جو مالِ غنیمت اور جنگی قیدیوں کے متعلق تھے۔ زمانہ جاہلیت سے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں یہ طریقہ چلا آ رہا تھا کہ جو جس کے ہاتھ آیا وہ اس کا ہوتا یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار تمام غنائم پر قابض ہو جاتا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یا ب فوجوں کے درمیان اموالِ غنیمت پر سخت تنافس برپا ہو جاتا اور بسا اوقات ان کی خانہ جنگی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا تھا اور وہ غنائم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن یہاں قرآن نے

”الأنفال لله والرسول“ (انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے)

کہہ کر اموالِ غنائم کو اللہ اور اس کے رسول کا قرار دیا اور یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ اس میں تصرف کرنا اور اسے تقسیم کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔ اور پھر مال کی تقسیم کا یہ قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کیلئے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ (۱۴)

دورِ جاہلیت میں جنگی قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے ایک نیا مرتبہ دے کر اسیرانِ جنگ سے متعلق قوانین میں انقلابی تبدیلیاں فرمائیں۔ آپ ﷺ کی طرف سے قیدیوں سے بہتر سلوک کی واضح ہدایات دی گئی تھیں۔ قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو اپنا زورِ فصاحت حضور ﷺ کے خلاف تقاریر کرنے میں صرف کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ اس کے سامنے کے دانت اکھڑا دیئے جائیں تاکہ آئندہ یہ جوشِ خطابت نہ دکھاسکے۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے کسی حصہ بدن

کو بگاڑوں تو میرے نبی ہونے کے باوجود خدا اس کو سزا کے طور پر میرے بھی اسی حصہ کو بگاڑے گا۔ خود ایک بدوی قیدی ابو عزیز (مصعب بن عمیر کے بھائی) کا بیان ہے کہ

”جن انصاریوں کے ہاں مجھے رکھا گیا تھا وہ خود کھجوروں پر گزارا کرتے تھے اور مجھے اچھا کھانا لا کر دیتے، اس سلوک کی وجہ سے سخت شرمسار ہوتا۔“

اس کے علاوہ فاتح طاقت بالعموم جشنِ مسرت منایا کرتی ہے۔ جبکہ رسول اللہ اور ان کی فوج مدینہ میں فاتح ہونے کے باوجود امن مارچ کرتے ہوئے دلوں میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے داخل ہوئی۔ غرض بدر میں مسلمانوں کی فتح نے دور رس اثرات مرتب کئے، ان کا استحصال رک گیا اور بقول ایک مغربی محقق کے

”بدر سے پہلے اسلام محض مذہب اور ریاست تھا مگر بدر کے بعد وہ مذہبِ ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔“

معاہدہ مدینہ کی رو سے یہودیوں پر لازم تھا کہ وہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ لیکن غزوہ بدر میں یہودیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا تھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ مدینہ سے باہر لڑی جانے والی جنگوں میں مسلمانوں کی اعانت کے پابند نہ تھے۔ اس چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سے حمایت کا مطالبہ نہ کیا تھا اور اس خیال سے کہ یہود اسلام قبول کر لیں گے ان کو تبلیغ فرماتے رہے۔ لیکن یہود نے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا نہ کی۔ اسی اثنا میں یہودی سنا نے انصاریوں کی ایک خاتون کی بے عزتی کی جس پر اسے ایک راہ گیر مسلمان نے واصل جہنم کر دیا۔ بازار یہودیوں کا تھا انہوں نے مل کر اس مسلمان کو بھی مار ڈالا۔ اس واقعہ پر حضور ﷺ نے یہودیوں کو تنبیہ کی لیکن انہوں نے معاہدہ مدینہ کی روگردانی کرتے ہوئے کہا!

”اے محمد تم سمجھتے ہو کہ ہم بھی تمہاری قوم کی طرح ہیں۔ تم اس دھوکے میں نہ رہنا تم نے ایسے لوگوں سے مقابلہ کیا ہے جنہیں جنگ سے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ اس لئے ان کو شکست دے لی۔ ہماری حالت یہ ہے کہ واللہ! اگر ہم تم سے جنگ کریں تو تمہیں معلوم ہو گا کہ ہم خاص قسم کے لوگ ہیں۔“ (۱۵)

بنو قینقاع کی طرف سے یہ واضح اعلانِ جنگ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نصف شوال ۲ ہجری کو بنو

قیقاع کا محاصرہ کر لیا، جو پندرہ روز تک جاری رہا۔ بالآخر انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ بنوقینقاع جو کہ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر مشہور تھے کے اخراج سے ان کی کمزوری کھل کر سامنے آگئی۔ پھر اس کارروائی سے ریاستِ مدینہ کو پُر امن بنانے میں بھی مدد ملی کیونکہ یہود مسلسل سازشوں میں ملوث چلے آ رہے تھے۔ یہودِ مدینہ کا عالم یہ تھا کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور انتصار نے انہیں وقفِ اضطراب کر دیا تھا، اشتعال، برہمی اور کینہ نے ان کی حالت غیر کر دی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے دل سے خواستگاہ اور متمنی تھے۔ یہ ان کے خلاف جاسوسی کیا کرتے تھے اور ان کے دشمنوں کو بھڑکایا کرتے تھے کہ ان سے لڑیں اور ان کا خاتمہ کر دیں۔ ان حالات میں بدر کی فتحِ مبین کے بعد یہود کا مدینہ میں رہنا ایک مستقل خطرہ تھا اور سر پر لٹکتی ہوئی تلوار کو ہٹانا بے حد ضروری تھا تا کہ مدینہ صحیح معنوں میں اسلام کا پُر امن اور مستحکم مرکز بن سکے اور مستقبل کی عسکری نقل و حرکت کیلئے مسلمان فوجیں اسے اپنا مرکز بنا سکیں اور دعوتِ نشر و اشاعت کے اعتبار سے بھی مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے۔ بنوقینقاع کی جلا وطنی کے بعد مسلمان کسی حد تک داخلی طور پر بدترین دشمنوں کے خطرے سے محفوظ ہو گئے اور مدینہ کو اپنے لئے ایک پُر امن اور محفوظ مرکز بنا لیا۔ (۱۶) حضور ﷺ یہاں چاہتے تو بنوقینقاع کے ساتھ سخت برتاؤ بھی کر سکتے تھے جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے "Ammonities" کے ساتھ کیا تھا کہ ان کو اینٹوں کی بھٹی میں بھون دیا تھا لیکن حضور ﷺ نے رحمۃ للعالمین کا ثبوت دیتے ہوئے ایسا فیصلہ نہ دیا۔

جنگِ بدر کے بعد قریش خاموش ہو کر نہیں بیٹھ گئے تھے بلکہ وہ اپنے جذبہٴ انتقام کے تحت ایک اور فیصلہ کن معرکے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے کیونکہ تاریخ کا اصول ہے کہ مذہبی، سیاسی یا معاشی اقتدار جس کسی کو حاصل ہوتا ہے وہ اسے بچانے کیلئے آخری بازی تک کھیلتا ہے۔ قریش کے جاہلی اقتدار کو اگرچہ بدر میں ہی ضرب لگ چکی تھی لیکن قبائلی عصبیتوں نے قریش کے حق میں یہ کام کیا کہ جنگِ بدر کے بعد وہ تمام قوتیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کھل کر سامنے آ گئیں جو اسلام کو اپنے لئے خطرہ تصور کر رہی تھیں۔ چنانچہ بنی سلیم اور بنی غطفان کے کچھ لوگوں نے جنگی ارادے سے قوت اکٹھی کی جسے حضور ﷺ نے اپنی دفاعی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے ختم کیا۔ آپ ﷺ تمام متوقع صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ چنانچہ جب معرکہ بدر کے دو ماہ بعد ابوسفیان دو سو آدمیوں کے ہمراہ جنگی ساز باز کے سلسلے میں مدینہ کے علاقہ میں آیا اور واپسی پر مقامِ عریض میں چراگاہ کو تباہ اور ایک انصار کو قتل کیا تو حضور ﷺ نے اس کا قرقرۃ الکدر کے مقام تک تعاقب کیا۔ اس مہم کو غزوہ سولق کا نام دیا گیا کیونکہ بھاگتے ہوئے غارت گرسٹوؤں کے تھیلے چھوڑ گئے تھے جو اسلامی دستہ کے قبضہ میں آئے۔ پھر آپ ﷺ نے نجد کی جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر وہاں ایک ماہ تک قیام فرمایا تا کہ علاقہ میں حلیفانہ

تعلقات کو بڑھایا جاسکے۔ مکہ کے تجارتی قافلے بدر اور ساحل کا راستہ ترک کرتے ہوئے نجد اور عراق سے گزر کر شام جانے لگے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس راستہ میں بھی رکاوٹ پیدا کرنے کا انتظام کیا۔ ۳ھ میں ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں جانے والے قریشی قافلے کی اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو ایک سو افراد کی قیادت میں روانہ کیا۔ زید نے نجد کے چشموں میں سے القروہ نامی ایک چشمے پر قافلے کو جالیا۔ ایک لاکھ درہم کی چاندی قافلہ سے چھین لی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس اقدام سے قریش کی جنگی تیاریوں میں رکاوٹ ضرور پیدا ہوئی ہوگی کیونکہ وہ اپنی تجارت کا تمام منافع انتقامی جنگ کیلئے جمع کر رہے تھے۔ اس طرح نجد کا راستہ بھی بند ہونے کے باعث قریش کی تجارت کو نقصان ہونے لگا اور معاشی بحران میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال واقعات کا یہ تسلسل جنگِ اُحد پر منتج ہوا۔

قریش نے احابیش اور مختلف قبائل کو ساتھ ملایا اور ابوسفیان کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ قریش نے اپنے ساتھ بعض عورتوں کو بھی لیا تاکہ وہ ان کا حوصلہ بڑھاتے رہیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ، عمیر بنت علقمہ، ریطہ اور خناس وغیرہ شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو حضرت عباس نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے قریش کی ان تیاریوں کی اطلاع پہنچا دی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مشاورت کے بعد مدینہ شہر سے باہر مدافعت کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضور ﷺ ایک ہزار لشکر کے ساتھ مقابلے کیلئے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مقام شحط پر پہنچ کر یہ بہانہ کیا تم لوگوں نے جنگ کے بارے میں میرے مشورہ کو قبول نہ کیا اس لئے میں تمہارے ساتھ جانے اور جنگ میں شریک ہونے سے معذور ہوں۔ (۱۷) یہ کہہ کر وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت الگ ہو گیا اور اسلامی فوج صرف سات سو رہ گئی۔ بالآخر اُحد کے مقام پر معرکہ ہوا۔ شروع میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن حضور ﷺ کی واضح ہدایات کے برعکس جب مسلمان تیر انداز پہاڑی سے نیچے اتر کر مالِ غنیمت سمیٹنے لگے تو قریش کی فوج نے گھیرے میں لے کر اسلامی فوج کو خاصا جانی نقصان پہنچایا۔ اس دوران دشمنوں نے آپ ﷺ پر سنگ باری کی جس سے آپ ﷺ کا ایک دانت شہید ہو گیا، چہرے اور ہونٹوں پر زخم آئے اور آپ ﷺ ایک پہلو پر گر پڑے۔ اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو کوئی بددعا نہ دی بلکہ فرمایا

”اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔“

دوسری طرف قریش کی ہند اور دیگر عورتوں نے مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ کر ان کے ہار اور پازیب وغیرہ بنائیں۔ ہند نے خود یہ ہار پہنے اور اپنے ہار، بندے اور آویزے اتار کر وحشی کو دے دیئے جس نے حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ہند نے حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ بھی چبانا چاہا پھر اونچی چٹان پر چڑھ گئی اور بلند آواز سے شعر پڑھے۔



”آج ہم نے جنگ بدر کا بدلہ اتار دیا۔ پہلی لڑائی کے بعد دوسری لڑائی ہوتی ہے تو وہ زیادہ جوشیلی اور شعلہ بار ہوتی ہے۔“

جنگ احد میں مسلمانوں کے زیادہ جانی نقصان کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ایسے جنگی اقدامات کئے کہ قریش واضح فتح حاصل نہ کر سکے تھے۔ شاید اسی لئے ابوسفیان میدان احد سے جاتے ہوئے یہ کہہ گیا تھا کہ

”اگلے سال پھر ہمارا مقابلہ بدر میں ہوگا۔“

یہ آنحضرت ﷺ کی بے مثال اور یکتا فوجی قیادت کا کرشمہ تھا کہ انتہائی نازک اور سنگین حالت میں بھی آپ ﷺ نے مسلمانوں پر اپنا تسلط اور اقتدار و اختیار پورے طور پر قائم رکھا۔ آپ ﷺ گھرے ہوئے مسلمانوں کی، کفار کا حلقہ توڑ کر نکلنے میں قیادت فرماتے رہے۔ پھر ایک بلند مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی بکھری ہوئی جماعت کو منظم کیا اور اس میں وہی ولولہ اور حوصلہ پیدا کر دیا جو مشرکین کے اچانک حملے کے دوران میں بہت کام آیا تھا اور اس شکست کو جس کا انجام ہلاکت نظر آ رہا تھا فتح میں بدل دیا۔ آپ ﷺ نے قریش میں مایوسی کی لہر پیدا کر دی، ان کا دم و خم جواب دے گیا، وہ مسلمان کو مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اب انہیں اپنی امید بر آتی نظر نہیں آتی تھی، حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی ایک قطعی اور یقینی چیز نظر آ رہی تھی۔ آخر آپ ﷺ نے حالات کا رخ موڑا کہ مشرکین، دل گرفتہ اور آشفٹہ خاطر ہو کر عالم مایوسی میں واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ (۱۸)

کسی جنگ کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ صرف نقصان جنگ سے نہیں کیا جاتا بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ آیا شکست پانے والوں کا جذبہ بھی کچلا جاسکا، آیا ان کے ولولے کو بھی شکست دی گئی، آیا ان کا جذبہ بھی قتل ہوا؟ جنگ احد کے نتیجہ میں ہرگز ایسا نہ ہوا۔ اس کا اندازہ حضور ﷺ کا جنگ کے اگلے روز فتح کے دعویٰ اور مشرکین کے تعاقب اور پھر دیگر قبائل کے خلاف مہمات سے لگایا جاسکتا ہے۔ البتہ جنگ احد میں نظم و ضبط کی خلاف ورزی کے سبب مسلمانوں کی کچھ کمزوریاں بھی سامنے آئیں۔ اس پر قرآن نے واضح تبصرہ کیا۔

”اللہ نے تائید و نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم

اختلاف کیا۔ تو جو نبی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لئے کہ تم سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا۔ تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا۔ کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔ یاد کرو جب تم بھاگ چلے جا رہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسولؐ تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تاکہ آئندہ کیلئے تمہیں سبق ملے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔“

قرآن کے اس تبصرے سے واضح ہے کہ حضور ﷺ کے نزدیک جنگ کا مقصد محض رضائے الہی تھا۔ پھر آپ ﷺ نے خود فریبیوں کے چکر میں پڑنے کی بجائے فوج کی کمزوریوں کو دور کرنے کی اصلاح فرمائی جن کی وجہ سے جنگ اُحد میں مسلمانوں کو زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس وجہ سے ریاست مدینہ کے لئے خطرات میں اضافہ ہو گیا اور جنگ بدر کی وجہ سے حوصلہ شکنی کے جو اثرات مشرکین پر مرتب ہوئے تھے وہ اُحد کے معرکہ کے بعد زائل ہو گئے۔ اب مخالفین یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ ریاست مدینہ کے خاتمہ کی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ غزوہ اُحد کے دو ماہ بعد نجد کے قبیلہ بنی اسد نے مدینہ پر چھاپہ کی غرض سے فوج جمع کی۔ آنحضرت ﷺ نے ابو سلمہ مخزومی کی قیادت میں ڈیڑھ سو آدمیوں کا دستہ بھیج کر اس خطرے کا انسداد کیا۔ پھر صفر ۴ھ میں قبائلِ عسیر و قارہ کے لوگوں نے مدینہ آ کر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کیلئے آپ اپنے معلمین بھیجئے۔ چھ اہل اصحابؓ کو روانہ کیا گیا۔ مقام رجب پہنچ کر سازشیوں نے چار کو شہید کر کے باقی دو اصحاب کو قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جنہوں نے دونوں کو صلیب دے کر شہید کر دیا۔ (۱۹) پھر اسی ماہ میں بئر معونہ کا دردناک واقعہ پیش آیا۔ جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر بھی ضروری تھا کہ نجد کے

علاقے میں اسلامی حکومت کا اثر پھیلے۔ ابو براء عامر بن مالک پر اعتماد کرتے ہوئے آپ نے چالیس مبلغین کی جماعت دعوتی مقاصد کی غرض سے نجد روانہ کی جس میں اول درجے کے حفاظ، قاری اور معلم و داعی شامل تھے۔ ان تمام کو قبائل بنی سلیم نے شہید کر دیا۔ محض ایک صحابی عمرو بن امیہؓ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور واپسی پر غلطی سے بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس قتل پر حضور ﷺ نے افسوس کا اظہار فرمایا کیونکہ بنی عامر آپ کا حلیف قبیلہ تھا۔ اسی بناء پر آپ دیت کے معاملے کو طے کرنے کیلئے یہود بنو نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے جو کہ بنو عامر کے حلیف تھے۔ یہاں یہودیوں نے دوران گفتگو آپ ﷺ کو قتل کر دینے کی سازش کی جس کا آپ ﷺ کو علم ہو گیا۔ ایک ریاست کے سربراہ کے قتل کی سازش کوئی معمولی جرم نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کی زندگی کے خلاف یہ سازش گویا میثاقِ مدینہ کی کھلی خلاف ورزی اور اعلانِ بغاوت تھا۔ جس کا بروقت سدِ باب اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے رئیس محمد بن مسلم کے ذریعے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ

”تم نے جو بد عہدی کی ہے اس کی وجہ سے تمہیں ہمارے ساتھ مدینہ میں رہنے کا حق نہیں ہے۔ میں تمہیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں کہ اپنا انتظام کر کے جس طرف چاہو نکل جاؤ۔ اس کے بعد تمہارے قبیلہ کا کوئی فرد مدینہ کی حدود میں نظر آئے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔“ (۲۰)

بنی نضیر اس جلا وطنی پر رضامند تھے لیکن عبد اللہ بن ابی نے انہیں مدد کی یقین دہانی کراتے ہوئے روک لیا اور کہلا بھیجا کہ

”تمہیں مدینہ سے جانے کی ضرورت نہیں ہے اپنے قلعوں میں مقیم رہو میرے ساتھیوں کے علاوہ دو ہزار عرب اور بنو قریظہ اور غطفان کے لوگ مرتے دم تک تمہاری مدد کریں گے۔“ (۲۱)

عبد اللہ بن ابی کی اس شہ پر بنی نضیر نے جواب دیا۔

”ہم اپنا وطن نہ چھوڑیں گے جو جی چاہو کرو۔“ (۲۲)

اس پر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ کر لیا جو بیس روز جاری رہا۔ عبد اللہ بن ابی اور دوسرے منافقین اور دشمنوں نے تعاون و امداد و اعانت کے جو وعدے کئے تھے ان پر عمل کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔ بالآخر یہود نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر

مصالحات کی کہ یہودی شہر خالی چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اپنی املاک میں سے اسلحہ کے علاوہ صرف وہ چیزیں لے کر جائیں گے جو اونٹوں پر لادی جاسکتی ہیں اور باقی تمام چیزیں اسلحہ، زرہیں، نخلستان اور اراضی وغیرہ رسول اللہ ﷺ کا حق ہوں گی۔ (۲۳) آخر بنو نضیر مدینہ منورہ سے جلا وطن ہو گئے۔ بعض مضافاتِ شام جا کر بس گئے اور بعض خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے۔ بہت کچھ اپنے ساتھ لے گئے پھر بھی اپنے پیچھے مسلمانوں کیلئے خاصا مالِ غنیمت چھوڑ گئے۔ غلے کے ذخیرے، باغات و اراضی کے سوا ۵۰ زرہیں، ۵۰ خود اور ۳۴۰ تلواریں بھی مسلمانوں کی ملکیت میں آ گئیں۔

بعض مستشرقین الزام عائد کرتے ہیں کہ یہود بنو نضیر کو محض اس وجہ سے جلا وطنی کی سزا دی گئی کہ انہوں نے جنگِ احد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ الزام تعصب پر مبنی ہے کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہود نے کبھی بھی اسلامی ریاست کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا وہ اس کے خاتمے کیلئے قریش مکہ سے اندرونی ساز باز رکھتے تھے۔ جنگِ بدر سے پہلے اور بعد قریش مکہ نے یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اقدام کرنے اور اپنے ساتھ ملا لینے کیلئے خطوط ارسال کئے تھے۔ مگر حضور ﷺ نے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی پالیسی اپنائی تھی کہ اب تک یہود کھل کر مقابلہ کرنے سے باز رہے۔ مگر جنگِ احد کے بعد مسلمانوں کو کمزور خیال کرتے ہوئے بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کو قتل تک کر دینے کی سازش کر ڈالی۔ اس صورت میں یہود بنو نضیر کے خلاف حربی کارروائی ناگزیر ہو گئی۔ حالانکہ باقی یہود نے بھی احد کا ساتھ نہ دیا تھا اور کارروائی بنو نضیر کے خلاف کی گئی کیونکہ سازش انہوں نے کی تھی۔

محاصرہ کے دوران حضور ﷺ نے قلعہ کے گرد نخلستان کے چند درخت کٹوا دیئے تھے تاکہ یہود مال بچانے کیلئے جنگ برپا کرنے کی جسارت نہ کریں۔ اس پر بھی اعتراض ہوا۔ حالانکہ یہ محض ایک ایسا فوجی اقدام تھا جو آج بھی کسی فوج کو راستہ بنانے، دشمن کی کمین گاہوں کو ختم کرنے اور دوسری ضروریات کیلئے کرنا پڑتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب محمود خطاب شیت نے ”آئین جنگ اور قانون اولیٰ“ کا حوالہ دیتے ہوئے دیا ہے کہ

”جب کوئی لشکر دشمن کی اقلیم میں داخل ہو جائے تو اسے حق ہے کہ اس کی جگہ پر قبضہ کرے اور اس کی نقل حرکت سے وہ علاقہ دشمن کے لئے میدانِ جنگ قرار پاتا ہے اور دشمن کو اس احتلال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے، یعنی ہر طرح کا حربی نقصان، مادی نقصان، کھیتوں اور درختوں کی آتش زنی، علاوہ ازیں مالی اور جسمانی نقصان کا جواز بھی پہنچانے

میں بروئے کار لاسکتا ہے۔ یہ پورا علاقہ میدانِ جنگ قرار

پائے گا۔“ (۲۴)

اس کے مطابق حضور ﷺ یہودیوں کے قتال کا بھی حق رکھتے تھے مگر یہ حضور ﷺ کی امن پسندی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے بنی نضیر کو محض جلاوطنی کی سزا دی۔۔۔۔۔! یہ سزا بھی اس کیلئے ضروری ہو گئی تھی کہ مدینہ پر حملہ کرنے کی صورت میں یہ دشمن کا ساتھ دیتے اور ہر گھر کا رزار میں تبدیل ہو سکتا تھا۔ ان کے اخراج سے قوت کا توازن مسلمانوں کے حق میں ہو اور اسلامی مملکت کی اقتصادی حالت بہتر بنانے میں مدد ملی۔ دوسری طرف بنی نضیر نے جلاوطنی کے بعد اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ایک وسیع جال پھیلا دیا اور قریش مکہ کا جنگِ احزاب میں مکمل ساتھ دیا۔ پھر بنی نضیر کا اخراج غزوہ خیبر کی داستان کا دیباچہ بھی ثابت ہوا۔

یہودی بنی نضیر سے نپٹنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کا جواب دینے کے لئے تیا یاں شروع کر دیں جو انہوں نے اُحد میں دیا تھا۔ ذی قعدہ ۴ھ کی چاند رات حضور ﷺ پندرہ سو پیادوں اور دس سواروں کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور بدر کے مقام پر پہنچ کر آٹھ روز تک مشرکین کا انتظار فرمایا۔ ادھر ابو سفیان بھی مکہ سے دو ہزار افراد لے کر نکلا مگر ظہران سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا اور قریش کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ

”اے قریش (جنگ کے نقطہ نگاہ سے) ہریالی اور شادابی کا سال ہی بہتر رہ سکتا ہے، اس میں تم اونٹوں کو درختوں کے پتے بھی کھلا سکو گے اور ان کا دودھ بھی پی سکو گے، یہ سال تو قحط کا سال ہے (اس میں فی الوقت جنگ مناسب نہ رہے گی) اس لئے میں واپس ہو رہا ہوں تم بھی واپس چلو۔“ (۲۵)

اس واقعہ کا ایک بہت بڑا یہ فائدہ پہنچا کہ جنگ اُحد کے اثرات ہزیمت پورے طور پر مچو ہو گئے اور پورے عرب پر یہ واضح ہو گیا کہ اکیلے قریش رسول اللہ ﷺ کے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ پہلے ہی دو جنگوں میں بہترین آدمی مروا چکے تھے اور بہت سارا سرمایہ بھی ضائع کر چکے تھے۔ اسی حقیقت کو قریش نے بھی محسوس کر لیا تھا اور مدینہ پر ایک بہت بڑے حملے کی خاطر دوسروں کی مدد کیلئے اقدامات کر دیئے تھے۔ اس موقع پر جو یہود مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے قریش کیلئے بہت بڑا سہارا بن رہے تھے۔ قبل اس کے کہ مشرکین متحد ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوتے رسول اللہ ﷺ نے چند ایسی مہمات

میں کامیابی حاصل کی کہ جن کی بناء پر مسلمانوں کی قوت و شوکت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ محرم ۴ھ بنی غطفان کے ذیلی قبائل بنی محارب اور بنی ثعلبہ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع آئی۔ حضور ﷺ ہر وقت کسی بغاوت یا خطرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ چنانچہ اطلاع ملتے ہی آپ ﷺ چارسو کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور ذات الرقاع تک پیش قدمی فرمائی۔ اس اچانک فوج کشی نے دشمن کے حوصلے پست کر دیئے اور مقابلے میں نہ آئے۔ (۲۶)

دوسری مہم عرب کی شمالی سرحد پر واقع دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئی جو تجارتی کاروانوں کا جنکشن بھی تھا۔ یہاں کا حاکم اکیدر بن عبد الملک فرمانروائے روم کے ماتحت تھا۔ یہاں مدینہ کیلئے غلہ لانے والے کاروانوں کو تنگ کیا جانے لگا نیز حضور ﷺ کو دومۃ الجندل میں مدینہ کے خلاف اجتماعی فوج کی اطلاع بھی موصول ہوئی۔ اس پر ربیع الاول ۵ھ میں آپ ﷺ نے ایک ہزار کی جمعیت لے کر فوراً اقدام کیا۔ اسلامی فوج کی روانگی کی اطلاع پا کر مخالفین بکھر گئے۔ حضور ﷺ نے پیش قدمی کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس مہم کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ راستہ میں آپ ﷺ نے عیینہ بن حصین سے حلیفی معاہدہ طے فرمایا۔ اسی طرح ۲ شعبان ۵ھ کو حضور ﷺ نے بنو مصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کی جو مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ اس موقع پر گرفتار ہونے والے تمام جنگی قیدیوں کو مسلمانوں نے آزاد کر دیا تھا۔ کارروائی کے بعد مسلمانوں کے مابین معمولی جھگڑے کو عبد اللہ بن ابی نے ہوادے کہ فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس پر اس کا بیٹا عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اجازت طلب کی

”اگر اجازت ہو تو باپ کی گردن اتار دوں۔“

آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ

”ہم اسے قتل نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک

کرتے رہے گے جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔“

ان مہمات کے نتیجے میں مسلمانوں نے از سر نو اپنے آپ کو فوجی اعتبار سے منظم اور منضبط کر لیا تھا اور مدینہ کے اندر مسلمانوں کی مرکزی قوت و شوکت بھی حد درجہ محکم ہو گئی تھی۔ ان حالات میں یہ امر ناگزیر ہو گیا تھا کہ قریش، دوسرے قبائل اور یہود متحدہ اور متفقہ طور پر میدان میں اتریں اور مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔ بغیر اس اشتراک اور اتحاد کے استیصال کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین اسلام کا ایک متحدہ لشکر شوال ۵ھ میں ریاست مدینہ کو پامال کرنے کیلئے آندھی و طوفان بن کر آ گیا۔ اس میں بنی نضیر اور بنی قینقاع کے جلاوطن یہود بھی تھے، غطفان کے قبائل بنی سلیم، خزارہ، حرہ، اشجع اور اسعد وغیرہ بھی تھے۔ یہ متحدہ لشکر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس سے قبل عرب میں اتنی بڑی فوج کے

ساتھ حملہ نہ ہوا تھا۔ قرآن نے اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے کہ  
 ”جب وہ (اور ان کا لشکر) اوپر سے نیچے سے تم پر چڑھ  
 آئے۔ جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو  
 آگئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان  
 کرنے لگے اس وقت ایمان والے خوب آزمائے گئے اور  
 بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیئے گئے۔“ (الاحزاب: ۱۰-۱۱)

حضور ﷺ کو مشرکین کے اس لشکر کی تیاریوں کی خبر شوال ۵ ہجری میں مل چکی تھی۔ چنانچہ آپ  
 ﷺ نے مدینہ کے دفاع کیلئے مشاورت کی اور مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کیلئے  
 سلمان فارسیؓ کے مشورے سے شہر کے شمالی جانب خندق کھودی گئی۔ دفاعی مقاصد کے تحت اس سے قبل  
 عربوں میں خندق کھودنے کا رواج نہیں تھا۔ یہ خالصتاً ایک دفاعی جنگ تھی جس کیلئے بعض اقدامات فوجی  
 نقطہ نظر سے ناگزیر ہوتے ہیں۔ مثلاً فوجوں کو حتی الامکان پوشیدہ رکھا جائے، کچھ افواج کو محفوظ رکھا  
 جائے، محاذ کی لمبائی کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے، عقبی فوجیں بروقت تیار رہیں، دفاع کے ساتھ اگر ممکن ہو  
 تو حملہ کی بھی صورت نکالی جائے، مختلف دفاعی مراکز قائم کئے جائیں جہاں سے غذا، اسلحہ اور دیگر سامان  
 جنگ کی کثیر مقدار رکھی جاتی ہے اور مختلف حفاظتی چوکیاں قائم کرنا۔ حضور ﷺ نے ان تمام اصولوں کو مد  
 نظر رکھتے ہوئے خندق تیار کروائی، چوکیاں قائم کیں، عورتوں اور بچوں کو مضبوط اور مستحکم عمارتوں میں  
 منتقل کیا اور غلہ اور قیمتی اسباب کی حفاظت کا بھی مناسب بندوبست فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپ  
 ﷺ تین ہزار مجاہدین کو لے کر کوہ سلح پر مدافعت کیلئے تیار ہو گئے۔ مشرکین کی فوجوں نے کئی دن تک  
 محاصرہ کیا۔ خندق ان کے لئے بالکل نیا مسئلہ تھی۔ اس طرح کی مزاحمت کا سامنا انہیں پہلے کبھی نہیں ہوا  
 تھا اور اس سلسلے کی تدابیر سے وہ ناواقف تھے۔ ان کے گھوڑے اور اونٹ خندق کے بیرونی کنارے تک  
 کارآمد ہوتے، جنہوں نے اسے پار کرنے کی کوشش کی وہ اس کے اندر گر کر ختم ہو گئے۔ آخر قریش کا  
 شہرت یافتہ شہسوار عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابوجہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار بن الخطاب کو لے کر ایک  
 تنگ مقام سے خندق پار کرنے میں کامیاب ہو تو حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

محاصرہ کی طوالت کے پیش نظر قریش نے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تاکہ حضور  
 ﷺ کی افواج پر اندر سے حملہ کر دیا جائے۔ اس مشن پر ابوسفیان نے حمی بن اخطب کو مامور کیا۔ جس نے  
 بنو قریظہ کو ورغلا یا۔ پہلے تو وہ انکار کرتے رہے مگر حمی بن اخطب کے زیادہ جوش دلانے پر وہ مشرکین کا  
 ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ بنو قریظہ کی طرف سے یہ واضح عہد شکنی اور غداری تھی۔ آنحضرت ﷺ کے

جاسوسوں نے بھی ان کی غداری کی توثیق دی۔ صورت حال نازک تر ہو رہی تھی کیونکہ یہ یہودی اگر شہر سے حملہ آور ہوتے تو مسلمان ان کی مزاحمت کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس ڈیڑھ ہزار سپاہی تھے لیکن ان کا مقابلہ کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ فوج کو خندق سے ہٹانے سے بچھڑنے کے خطرہ کا خطرہ بڑھتا چلا گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے مشرکین کی فوج کے کچھ حصہ کو صلح پر راضی کر لینے کی تدبیر نکالی اور بنی غطفان کے سردار کو مدینہ کی تہائی پیداوار کی پیشکش کی۔ قریب تھا کہ سمجھوتہ ہو جاتا اور خنزرج کے انکار کی وجہ سے سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اسی ثناء میں ایک نو مسلم نعیم بن مسعود سے رسول اللہ ﷺ نے جنگی تکلیف کے اعتبار سے ایک ایسا کام لیا کہ جس نے نقشہ حالات پلٹ کر رکھ دیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر قریظہ اور لشکر کفار میں پھوٹ ڈلوادی۔ (۲۷) اس کارروائی سے جہاں بیک وقت دو جانب سے حملہ کا خطرہ ٹل گیا جو ریاست مدینہ کیلئے تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ لشکر کفار کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ پھر خدائی مدد نے کام تمام کیا۔ ایک ایسی آندھی آئی کہ دشمن کے خیمے اکھڑ گئے۔ دیگیں اور برتن الٹ گئے اور کھانے پینے کا سارا سامان طوفان کی نذر ہو گیا۔ اس کے ساتھ سردی اتنی شدید ہوئی کہ کفار میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی کی طرف قرآن میں اشارہ ہے

”اور جنگ میں اللہ ہی مومنین کیلئے کافی ہو گیا۔“

(الاحزاب: ۲۵)

”اپنے حق میں اللہ کی اس نعمت کا تصور کرو۔ جبکہ تمہارے خلاف لشکر جمع ہوئے اور ہم نے ان کے خلاف آندھی کی مصیبت بھیجی اور وہ غیبی لشکر بھیجے کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔“ (الاحزاب: ۹)

جس روز غزوہ خندق ختم ہوا اسی دن سے تاریخ اسلام کا ایک نیا باب شروع ہو گیا۔ (۲۸) متحدہ عساکر کی دل شکستگی کا مطلب یہ تھا کہ بار بار اتنا بڑا لشکر فراہم نہیں کیا جاسکتا اور انفرادی طور پر مسلمانوں کا خاتمہ اور استیصال ان کیلئے ناممکنات میں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست مدینہ کے ازلی دشمن قریش کا خطرہ ہمیشہ کیلئے ٹل گیا۔ چنانچہ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ

”اب قریش کے لوگ تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔“ (۲۹)

بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دکھایا کہ غزوہ احزاب کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ابتلاو آزمائش کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ سال دشمنان اسلام کیلئے جارحیت کا آخری ثابت ہوا۔ اس جنگ کے



بعد ہی اسلامی ریاست نے ترقی و توسیع کی منازل طے کیں اور اسلام مشرق و مغرب کا مذہب ٹھہرا۔۔۔!

جنگِ احزاب کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کیا جو جنگ کے دوران کھلم کھلا غداری کے مرتکب ہوئے تھے اور قریش کی شہ پر شہر کے اندر سے حملہ کی سازش تیار کی تھی۔ اس سازش کے معلوم ہونے پر حضور ﷺ نے معاملہ کو سلجھانے کے لئے وفد کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ ان کو سمجھانے پر یہود نے جواب دیا کہ

”رسول اللہ ﷺ کون ہے، محمد کہتے اور ان سے ہمارا کوئی

معاہدہ نہیں ہے۔“ (۳۰)

عین لڑائی کے وقت ریاست سے سرکشی و بغاوت، منشورِ مدینہ کی خلاف ورزی و عہد شکنی، دشمنانِ ریاستِ مدینہ سے ساز باز، مسلمانوں کے عقب کے حملہ آوروں سے مل کر مدینہ کی پوری آبادی کو ہلاکت میں مبتلا کر دینے کی کوششیں، یہ سب بنو قریظہ کے ایسے جرائم تھے جو ان کے خلاف کارروائی کے متقاضی تھے۔ چنانچہ اسلامی فوجیں خندق کے محاذ سے واپس آئی ہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ جنگ کیلئے تیاری کا حکم دے دیا کہ بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جاسکے۔ لہذا ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محاصرہ کی شدت کو بنو قریظہ دو تین ہفتوں سے زیادہ برداشت نہ کر سکے اور آخر کار اس شرط پر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ ان کے متعلق جو فیصلہ بھی کریں گے انہیں منظور ہوگا۔ سعد بن معاذ نے یہودیوں کے قانونِ تورات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر دیا کہ بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کا تمام مال ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا اور باقی کو قیدی بنا لیا گیا۔ بنو قریظہ کے استحصال کے ساتھ مدینہ سے یہودیوں کی آبادی کا کم و بیش خاتمہ ہو گیا۔

بعض مستشرقین جن میں ولیم میور، اسپرنگر، ویل اور اوسبرن پیش پیش ہیں حضور ﷺ پر معترض ہیں کہ انہوں نے (نعوذ باللہ) ایک سخت اور خونی فیصلہ کیا۔ جب کہ واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بنو قریظہ کو ان کے جرائم سے زیادہ سزاہر گز نہیں دی گئی۔ لین پول رقمطراز ہے۔

”یہ ایک ایسا سخت اور خونی فیصلہ ہے جو اہل ابی پر حملہ

کرنے والی افواج کے جرنیلوں کو زیب دیتا تھا یا اس کی

مثال عہد آگسٹن کے متصوفین کے مظالم ہی میں ملتی ہے لیکن

اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان اشخاص کا جرم محاصرہ

کے وقت حکومت کے خلاف بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح لنگٹن کی گزرگاہ فوج کے مفرورین کی لاشوں سے اٹی پڑی تھی، جو درختوں سے لٹک رہی تھیں، انہیں ایک غدار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہیے۔“ (۳۱)

اخلاقیات کے علمبردار آرنلڈ نے یوں تبصرہ کیا ہے کہ

”ظالم و مفسد کا فنا کرنا اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی ناپاک صحبت سے بے گنا ہوں کو بھی آلود کرے۔“ (۳۲)

پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود بنو قریظہ نے اپنی مرضی سے ثالثی کا اصول پسند کیا اور ثالث کے فیصلے کو بے چون و چرا قبول بھی کیا کیونکہ ان کو علم تھا کہ فتح کی صورت میں وہ بھی ایسا فیصلہ کرتے جو خود ان کے قانون جنگ کے مطابق ہوتا ہے جس میں بیان ہے کہ

”جب کسی شہر پر حملہ کرنے کیلئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہیں وہ سب تیرے غلام ہو جائیں گے، لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے، باقی بچے، عورتیں، جانور اور چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔“ (۳۳)

بہر حال بنو قریظہ کو دی گئی سزا کے نتیجے میں ایک فتنہ طراز گروہ کا بحیثیت ایک جنگی و سیاسی قوت کے خاتمہ ہو گیا۔

غزوہ احزاب کی فتح اور یہود قریظہ کے فتنہ پردازوں کے خاتمہ کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کی ترقی و توسیع اور کامیابیوں کا دور ہے۔ اس میں چھوٹی بڑی کئی جنگی مہمات بھی شامل ہوئیں۔ شعبان ۶ھ میں بنو مصطلق کے خلاف حضور ﷺ نے اس اطلاع پر کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں معمولی حملے کے بعد پورے قبیلے کو مال و اسباب سمیت گرفتار کر لیا۔ اسی طرح کے خطرے کے پیش نظر مقام فدک پر بنو سعد بن مکر کے خلاف کارروائی کی جو حضرت علیؑ کی سرکردگی میں ہوئی۔ علاقہ نجد کے سردار ثمامہ بن اثال گشتی دستہ سے ڈبھڑ میں گرفتار ہو کر مسلمان

ہوئے۔ اہل رجب جو تعلیمی وفد کے ارکان کے قاتل تھے کی سرکوبی کیلئے حضور ﷺ نے دو سو سواروں کے ساتھ اقدام کیا۔ بغیر کسی جھڑپ کے واپسی ہوئی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری غطفان کے سواروں کو لے کر الغابہ کی سرکاری چراگاہ پر حملہ آور ہوا۔ ابوذر کے بیٹے شہید کر کے رسول اللہ ﷺ کی بیس اونٹیناں ہنکا کر لے گیا۔ دشمن کی اس جسارت پر فوری گرفت کرنا لازمی تھی۔ حضور ﷺ خود ایک دستہ لے کر نکلے جبکہ حضرت سلمہ بن الاکوع آپ ﷺ سے قبل ہی روانہ ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے لیروں کا دور تک تعاقب کیا۔ کچھ اونٹنیاں بھی حاصل ہوئیں اور کئی ایک کو موت کے گھاٹ بھی اتارا۔

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی ثعلبہ کے مجرمین کی سرکوبی کیلئے حضرت عبیدہ کی سرگردی میں چالیس مجاہدین کا دستہ روانہ کیا گیا۔ کیونکہ بنی ثعلبہ نے ربیع الاول ۶ھ میں مسلمانوں کے دعوتی وفد کے ۳۹ ارکان کو شہید کر دیا تھا۔ حملہ سے مفسدین بھاگ گئے۔ مفرورین کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ اس نوعیت کی دیگر مہمات دومۃ الجندل اور فدک کی طرف بھی روانہ کی گئیں۔ دو مہمیں زید بن حارثہ کی سرگردی میں بھی روانہ کی گئیں جو دحیہ بن خلیفہ الکلبی جو قیصر روم سے مل کر واپس آرہے تھے کو لوٹنے اور وادی القریٰ میں مسلمان قافلہ پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی سزا کے مقصد کے لئے تھیں۔ اس میں کامیابی ہوئی ڈاکو قتل ہوئے یا بھاگ گئے یا ان کا مال قبضے میں لے لیا گیا۔ (۳۳) شوال ۶ھ میں عقیل اور عرینہ نامی دو قبائل کے آٹھ آدمی مدینہ آ کر مسلمان ہوئے۔ مگر نئی آب و ہوا میں بیمار پڑ گئے۔ مدینہ سے باہر سرکاری معالج سے ان کا علاج کروایا گیا۔ تندرست ہوئے تو سرکاری چرواہے یسار کو پکڑا، اس کی آنکھوں میں گرم سلانی پھیری۔ پھر اسے بے رحمانہ طریقے سے قتل کیا اور مویشی ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ (۳۵) عین دار الحکومت مدینہ میں اس قسم کے خون خرابہ اور ڈاکہ زنی کا واقعہ معمولی بات نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوری کارروائی کرتے ہوئے ۲۰ سواروں کے ساتھ کرز بن جابر الفہری کو بھیج کر گرفتار کر لیا اور اس کے بعد قصاص عادل کا حکم دیا چنانچہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان کے بھی ہاتھ پیر کاٹے گئے، آنکھوں میں سلانیاں پھیری گئیں اور پھر سولی پر لٹکا دیا گیا تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ قرآن کے یہ الفاظ اسی حوالے کا بیان ہیں کہ

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین

میں اس کے لئے دوڑ بھاگ کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں

ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا انہیں سولی دے دی

جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے

جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔“

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا لٹیروں کے تعاقب میں بھیجے جانے والے دستہ کے سربراہ کرز بن جابر الفہری خود اسلام لانے سے قبل اس قسم کا مظاہرہ کر چکے تھے اور ڈاکہ زنی اور ڈاکوؤں کے اسرار و رموز سے واقف تھے۔ اس لحاظ سے اس خاص مہم کیلئے ان کا انتخاب رسول اللہ کی بہترین انتظامی صلاحیت اور گہرے نفسیاتی مطالعہ دونوں پر صریح دلالت کرتا ہے۔ (۳۶)

ان مذکورہ بالا واقعات کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام کارروائیاں ایسے افراد کے خلاف کی گئیں جو کسی نہ کسی طرح اسلامی ریاست کے خلاف جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کو اپنے جرائم کے مطابق سزا دینا مقصود تھا اور یہ اقدامات اللہ تعالیٰ کی ہدایت کہ

”اور تم بدلہ لو تو بس اس قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے۔“

کے عین مطابق تھے۔

سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت زیارت کعبہ کی غرض سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا جہاں قریش سے مصالحتی معاہدہ طے پایا۔ واقعات کی تفصیل معاہدات کے باب میں دی جا چکی ہے یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ صلح حدیبیہ کے اس واقعہ سے سیاسی اور دفاعی لحاظ سے بڑے دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ معاہدے کی رو سے قریش دس سال تک مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کے پابند بنا دیئے گئے تھے۔ عرب میں ایسی تین قوتیں تھیں جو اسلامی ریاست مدینہ کیلئے خطرہ بنی ہوئی تھیں اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ یہ قریش مکہ، یہود اور عرب کے قبائل تھے۔ اگرچہ غزوہ احزاب میں مذکورہ قوتیں متحد ہو کر بھی مسلمانوں کو شکست دینے میں ناکام رہی تھیں لیکن اب حضور ﷺ نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ یہ قوتیں دوبارہ متحد نہ ہو سکیں اور ان سے علیحدہ علیحدہ طور پر نپٹا جائے۔ مختلف مہمات کے نتیجے میں قبائل عرب پہلے ہی دبے بیٹھے تھے۔ صلح حدیبیہ کے نتیجے میں ایک قوت قریش مکہ کو تو غیر جانبدار رہنے کا پابند بنا دیا تھا اور یہود کو جنگ کی صورت میں قریش سے امداد حاصل کرنے سے محروم کر دیا گیا۔ اب موقع تھا کہ حضور ﷺ خیبر کے یہود کی طرف رجوع کرتے جہاں مدینہ سے جلاوطن ہونے والے یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی ایک بڑی تعداد بھی آ بسی تھی۔

یہ یہود ابھی تک اپنی اس روش پر قائم تھے کہ مسلمانوں کے خلاف خیبر اور آس پاس کے یہودیوں کو بھڑکاتے اور اپنے حلیفوں کو ان سے لڑنے پر آمادہ کرتے رہیں۔ غداری اور عہد شکنی کے یہ پہلے ہی مرتکب ہو چکے تھے۔ گویا اس وقت اسلامی ریاست کو اگر سب سے زیادہ خطرہ تھا تو شمال کے یہود

خیبر سے ہی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ صلح حدیبیہ کے تقریباً بیس روز بعد چودہ سو لشکر کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر نے مقام رجب پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ خیبر اور غطفان کے درمیان تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اسلامی لشکر بنو غطفان اور اہل خیبر کے درمیان حائل ہو جائے تاکہ اول الذکر مؤخر الذکر کو کوئی کمک نہ پہنچا سکیں کہ وہ ایک دوسرے کے حریف تھے۔ جب بنو غطفان کو خیبر پر لشکر اسلامی کی خبر ملی تو وہ یہودیوں کی مدد کیلئے نکلے مگر ایک ہی منزل آگے بڑھ کر اس یقین پر واپس لوٹ آئے کہ اسلامی فوج حملہ کر کے ان کی قوت و طاقت کو پاش پاش کر دے گی۔ (۳۷) حضور ﷺ کی اس جنگی حکمت عملی سے یہود اب اکیلے رہ گئے تھے۔ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر یہود کو محاصرہ میں لے لیا۔ تیروں کا تبادلہ ہوا بالآخر خیبر فتح ہوا۔ فتح کے بعد یہودیوں نے صلح کی درخواست کی جسے آپ ﷺ نے بعض شرائط کے ساتھ منظور فرمایا۔ شرط یہ تھی کہ یہودی اپنی محنت کے معاوضہ میں زمین کی پیدوار کا نصف حصہ لیا کریں گے۔

اس فتح سے مسلمانوں کو بہت زیادہ غنائم ہاتھ آئے۔ مدینہ کے یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کے برعکس اہل خیبر سے مختلف سلوک کیا گیا کیونکہ فتح خیبر کے بعد یہاں یہودی سر اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ عرب میں ان کی قوت کا جنازہ نکل گیا اور اب اس طرف سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ اس طرح اسلام عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ حاصل کر گیا۔ خیبر پر غلبہ کے بعد فدک اور وادی القریٰ کے یہودی بھی زیر ہوئے اور یہود خیبر کی شرائط پر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ یہودی شمالی بستیوں کے زوال کے چھ ماہ بعد ہوازن کے بعض چھوٹے چھوٹے گروہوں نے انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو کچلنے کیلئے فوری طور پر اقدام کیا اور دو مہمیں ترہ اور نجد کے علاقے میں بھیجی گئیں جنہوں نے شریپندوں کا خاتمہ کر دیا۔ جولائی ۶۲۹ء میں ہوازن کا ایک حصہ جوسی کے علاقے میں آباد اور انتشار میں مشغول تھا راہ راست پر لایا گیا۔ محرم ۷ھ میں یہ اطلاع پا کر کہ بنو غطفان، بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو انمار حملہ کے لئے تیار ہو رہے ہیں حضور ﷺ ۴۴۰ افراد کا دستہ لے کر گشت کے لئے نکلے، دشمن منتشر ہو گیا۔ اسی طرح عبداللہ لیشی، زید بن حارث، اُسامہ بن زید، بشیر بن سعد وغیرہ کی سرکردگی میں چھوٹی چھوٹی مہمیں ہوئیں۔ ایک سریہ بنو سلیم کی سرحد پر مظاہر کرنے کی خاطر بھیجا گیا۔ کیونکہ بنو سلیم مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس سریہ کی قیادت ابو العوجاء نے کی جو پچاس ساتھیوں کے ساتھ پیادہ ہو گئے۔ لڑائی میں ابو العوجاء اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔ (۳۸)

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کا کام عرب کی سرحدوں سے باہر تک پھیلا دیا تھا اور اردگرد کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط ارسال کر کے تحریک اسلامی کو ایک بین الاقوامی حیثیت دے دی تھی۔ حضور ﷺ نے ایک سفیر حارث بن عمیر ازدی کو حاکم بصری شرجیل بن عمرو غسانی کی طرف بھی دعوتی

خط بھیجا تھا۔ شرجیل نے آپ ﷺ کے سفیر کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل بین الاقوامی قانون کی رو سے اعلان جنگ کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی وحشی سے وحشی قوم نے بھی سفیر کے قتل سے احتراز کیا ہے۔ رومیوں کے اس وحشیانہ اقدام کا جواب نہ دینا صحیح حکمت عملی نہ ہوتی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر روانہ فرمایا۔ معان نامی جگہ پر پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہر قتل ایک لاکھ فوج لے کر مقام قاب میں، جو بلقاء میں شامل ہے خیمہ زن ہے۔ اسلامی فوج آگے بڑھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بلقاء کی سرحد پر موتہ کے مقام تک پہنچ گئی۔ لڑائی میں امیر لشکر زید بن حارثہ اور ان کے نائبین جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے تو خالد بن ولید نے کمان سنبھال لی اور خوب مقابلہ کیا اور اپنی فوج کو دشمن کی بھاری فوج کے گھیرے سے بحفاظت مدینہ لے آنے میں کامیاب ہو گئے۔ دشمن کی زیادہ تعداد، غیر ملکی علاقہ، نئے حالات، رسد کے انتظام میں مشکلات اور کمک کے پہنچنے کی کم امید ہوتے ہوئے یہ خالد بن ولید کا ہی کارنامہ تھا کہ فوجوں کو محفوظ طور پر واپس لے آئے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ

”یہ بھگوڑے نہیں بلکہ پلٹ کر دوسرا حملہ کرنے والے ہیں

اگر اللہ نے چاہا۔“ (۳۹)

موتہ کی اس مہم کا یہ فائدہ ہوا کہ سرحدی قبائل کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ روم جیسی بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے کی ہمت کرنے والی بھی ایک قوت پیدا ہو چکی ہے اور اب مسلمانوں کی مخالفت بھی کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ ایک لاکھ رومی فوجیوں کے مقابلے میں محض تین ہزار کے اسلامی لشکر کا ٹھہراؤ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے قریش پر بھی مسلمانوں کی عسکری دھاک بیٹھ گئی جو رومیوں کے مقابل آنے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ نیز غسانی حکمران کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ اسلامی حکومت کے خلاف کوئی کارروائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

اس مہم کے اگلے ماہ بنو قضاعہ کے متعلق خبر ملی کہ وہ حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ علاقہ اسلامی ریاست کے حق میں برسوں خطرناک رہا۔ عمرو بن العاص تین سو کا دستہ لے کر ذات السلاسل کے مقام پر پہنچے جہاں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح مزید دو سو کو لے کر امداد کے لئے جا ملے۔ یہ مہم بڑی کامیاب رہی۔ عذرہ، بلی اور بہراء کی کچھ شاخوں نے نہ صرف اسلامی حکومت اور ریاست کی دوستی کا دم بھرا بلکہ کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس طرح اسلامی حکومت کا حلقہ اثر اور وسیع ہو گیا۔ (۴۰)

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایسے سیاسی و فوجی اقدامات اٹھائے کہ اسلامی ریاست مضبوط و مستحکم ہوتی گئی اور اس کے حلیفوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ خیبر کی فتح سے یہودیوں کی قوت کا

استیصال کر دیا گیا تھا اور بعض دیگر مہمات کے ذریعے قبائل عرب کی اسلامی ریاست کے خلاف سرگرمیوں کی کسی حد تک روک تھام کر دی گئی تھی۔ تیسری اور اصل قوت قریش مکہ کی تھی جس پر غلبہ پانا ابھی باقی تھا۔ اس راہ میں بظاہر رکاوٹ معاہدہ حدیبیہ کے تحت دس سال تک جنگ نہ کرنے کی شق تھی۔ حضور ﷺ عہد شکنی کا ارتکاب کر کے مکہ پر چڑھائی کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ لیکن یہ رکاوٹ خود قریش نے دور کر دی اور بے تدبیری اور ناقص حکمت عملی نے صورت حال کو انکے لئے بد سے بدتر بنا دیا۔ قبیلہ بنو بکر اور خزاعہ میں مدت سے رقابت چلی آرہی تھی۔ اس دوران وہ اتنی بڑھی کہ بنو بکر نے قریش کی حمایت اور مدد سے خزاعہ پر اچانک دھاوا بول دیا اور ان کے کئی آدمی مار ڈالے۔ معاہدہ حدیبیہ کی ایک شق کے مطابق خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے چنانچہ انہوں نے اس ظلم کے خلاف رسول کریم ﷺ سے فوجی و اخلاقی مدد چاہی جو معاہدہ کے مطابق آپ ﷺ پر لازم تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی حمایت کرتے ہوئے قریش کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا کہ ذیل کی شرائط میں سے کوئی ایک قبول کر لیں۔

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیں۔

۳۔ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے تیسری شرط قبول کرتے ہوئے معاہدہ حدیبیہ توڑنے کا اعلان کر دیا۔ مگر ایک طبقہ نے اس کے خطرناک نتائج کو جب محسوس کیا تو تجدید معاہدہ کیلئے ابوسفیان بن حرب کو مدینہ بھیجا مگر ساری کوششیں بیکار گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور نہایت محتاط طریقے سے ”جس طریق“ کرتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنا مقصد اپنی فوج پر ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ نامعلوم راستوں سے ہو کر مکہ کے نواح تک پہنچ گئے۔ قریش نے اطلاع ملنے پر تحقیق احوال کیلئے ابوسفیان وغیرہ کو بھیجا۔ مسلمانوں کا لشکر جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی لشکر کے فوجی مظاہرہ کی ایسی حکمت عملی اپنائی کہ ابوسفیان کی آنکھیں کھل گئیں۔ حضور ﷺ نے تمام دستوں کو باری باری ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ دیکھ سکے یہ ان جیالوں کا لشکر گراں ہے جو کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر مدینہ ہجرت کر گئے تھے اور آج مکہ کی طرف فاتحانہ یلغار کر رہے تھے۔ مگر شہر میں داخلے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کو تاکید کر دی کہ

۱۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اس کی جان نہ لی جائے۔

۳۔ جو ابوسفیان یا حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) کے ہاں پناہ گزین ہو جائے اسے نہ

یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں اس کے خلاف کھڑے ہونے پڑیں گے۔ ہمیں اس کے خلاف کھڑے ہونے پڑیں گے۔ ہمیں اس کے خلاف کھڑے ہونے پڑیں گے۔

ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔

قریش کی تاریخِ ظلم و جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی دشمن بھی اس سلوک کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرتے ہوئے قریش سے کیا کہ  
 ”تم پر آج کچھ گرفت نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔“  
 فتح مکہ سے قریش کی سیاسی خود مختاری اور بالادستی ختم ہوئی اور اسلام کی راہ میں ایک بڑی



رکاوٹ دور ہوگئی۔ بہت سے عوامی حلقوں میں یہ اعتقاد موجود تھا کہ مکہ میں صرف وہی غالب ہو سکتا ہے جو حق پر ہے اور جسے خدا کی تائید حاصل ہو۔ اس اعتقاد کے مطابق بھی اسلامی قوت حق پر ثابت ہوئی اور حضور ﷺ کی قیادت کو تسلیم کیا جانے لگا۔ فتح مکہ کے بعد اکثر قریش کے اسلام قبول کرنے پر عرب کے ان قبائل میں شدید پریشانی پیدا ہوئی جو مسلمانوں کے حلیف نہ تھے۔ ان میں ہوازن اور ثقیف کے قبائل تھے جو طائف اور مکہ کے درمیان آباد تھے۔ ان قبائل کو اپنی کثیر طاقت، فوجی صلاحیت اور تجربہ کار قیادت کا غرور تھا اور اس غرض سے کہ مسلمانوں کی فوجی قوت کا خاتمہ کر دیں اور قبل اس کے کہ مسلمان حملہ آور ہوں ان پر ایک زوردار حملہ کر کے ان کے عزم و ثبات کو متزلزل کر دیا جائے کہ پھر وہ جنگ کے قابل نہ رہیں مقام اطاس میں ایک لشکر عظیم جمع کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان فوجی تیاریوں کی تصدیق کے بعد بارہ ہزار مجاہدین کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہو کر وادی حنین پہنچے جہاں پہلے سے کمین گا ہوں میں چھپے ہوئے دشمنوں نے نکل کر تیر اندازی اور شدید حملے شروع کر دیئے۔ اس اچانک حملے سے مسلمان منتشر ہونا شروع ہو گئے۔ جس سے بڑی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ انتشار اور عام بدحواسی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے استقلال و شجاعت سے مسلمانوں کی ہمت بندھائی اور مسلمانوں کی قوت کو دوبارہ مجتمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمنوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ دشمنوں کا بہت جانی و مالی نقصان ہوا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار جنگی قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

ہوازن کے شکست خوردہ افراد نے طائف کے قلعہ میں پناہ لے لی اور اسلامی لشکر نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل ہونے پر بھی بنو ثقیف کے محصورین پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپ ﷺ نے نئی حکمت عملی اپناتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ وہ غلام جو طائف والوں کی طرف سے ہمارے پاس آجائے گا اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ اس طرح بیس کے قریب آدمی آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ بنو ثقیف والوں کے پاس خوارک کا وافر ذخیرہ موجود ہے اور وہ محاصرہ کی طوالت کو برداشت کر سکتے ہیں تو آپ ﷺ نے ایک ماہ بعد محاصرہ اٹھایا اور بنو ثقیف کے معاملہ کو کسی دوسرے وقت پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ بعد میں بنو ہوازن کی درخواست پر ان کے قیدی واپس کر دیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فیضانہ برتاؤ کا اثر طائف والوں پر بھی ہوا اور ایک سال کے اندر اندر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

یہ آخری بڑی جنگ تھی جو عرب میں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ لڑی۔ اب اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا وسطی و مرکزی جزیرہ نمائے عرب اسلامی ریاست کے دائرہ اقتدار میں آ گیا اور یہ اسلام کی فتح تھی جو اسلامی ریاست کی کامیابی سے کہیں زیادہ وسیع، دیر پا اور شاندار تھی! —

مکہ اور ہوازن کی فتح کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں اسلام اپنے پاؤں مضبوطی سے جما چکا اور حضور ﷺ اندرون عرب نشر و اشاعت اسلام کی طرف سے یکسو اور مطمئن ہو گئے تو آپ ﷺ نے باہر کے ان علاقوں کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھا جو رومی شہنشاہیت کے سامنے اپنی کمزوری کے باعث سرنگوں تھے اور اس کی بالادستی قبول کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ یہ وہ قبائل تھے جن میں اسلام پھیلنے کے مواقع پیدا ہو چکے تھے مگر رومی شہنشاہیت دعوت و تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی تھی اور تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر اسلام کو اس منطقے میں پھیلنے سے روکنا چاہتی تھی۔ غسانی کے ہاتھوں مسلمان سفیر کے قتل کے نتیجے میں ہونے والی جنگ موتہ اسی وجہ سے تھی۔ موتہ کے واقعات بھی حضور ﷺ کے سامنے تھے۔

رومیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی عظمت و اہمیت کو ختم کیا جائے جو رومی حکومت کو چیلنج کر رہی تھی کہ وہ عرب پر غالب آ کر رہے گی۔ حالانکہ پہلے یہی عرب روم کے باجگزار اور ماتحت تھے۔ اس کے علاوہ شام کے علاقہ میں دعوت اسلام کی ترویج سے بھی پریشان تھے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے رومیوں نے عرب قبائل، لخم، جذام، غسان اور عاملہ کی مدد سے مدینہ پر ایک بہت بڑے حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رجب ۹ھ میں شام سے آنے والے قافلے نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ بعض دوسرے ذرائع نے بھی جن میں مسلمان جاسوس بھی شامل تھے۔ اسلامی ریاست پر رومی حملے کا خدشہ ظاہر کیا۔ حضور ﷺ نے سرحد پر ہی دشمن کو روکنے کی غرض سے جنگ کیلئے تمام تیاریوں کا حکم دے دیا۔ یہاں آپ ﷺ نے اپنی سابقہ حکمت عملی کو تبدیل کرتے ہوئے جنگی تیاریوں کو راز میں نہیں رکھا۔ تیس ہزار کی اسلامی فوج پیش قدمی کرتی ہوئی تبوک میں خیمہ زن ہوئی۔ آپ ﷺ کے اس جرأت مندانہ اور بروقت اقدام سے رومی فوجوں کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ اسی خاموشی کے ساتھ بکھر گئے جس احتیاط و خاموشی کے ساتھ وہ جمع ہوئے تھے۔

تبوک میں آپ ﷺ نے ڈیڑھ ماہ تک قیام کیا۔ اس دوران ایلہ کا سردار یوحنا حاضر ہوا اور دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر قیصر روم کا باجگزار تھا۔ اس کی طرف حضور ﷺ نے خالد بن ولید کی قیادت میں ایک مہم روانہ کی۔ اکیدر گرفتار ہوا اور اس سے جزیہ لینے پر مصالحت ہوئی۔ محمود خطاب شیت نے تبوک کی جنگ کو اجماعی جنگ کہا اور لودندروف کی کتاب ”پوری قوم میدان جنگ میں“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

”اس زمانہ کی نئی جنگیں صرف لشکر اور فوج کی جنگیں نہیں رہ

گئی ہیں۔ یہ جنگیں اب اجماعی رنگ اختیار کر گئی ہیں۔ ایک



طرح قبیلے کے غیر مسلم افراد کے بھی دل جیت لئے تھے۔

حضور ﷺ نے اسامہ بن زید کی قیادت میں ۲۶ صفر ۱۱ ہجری کو شام کی طرف ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ یہ آخری مہم تھی جس کی روانگی کا آپ ﷺ نے حکم دیا۔ لیکن حضور ﷺ کی وفات کی خبر سن کر یہ روانگی ملتوی ہو گئی تھی۔

حضور ﷺ کی جنگی سرگرمیوں کا مقصد دائمی امن و سلامتی کے سوا کچھ نہ تھا۔ مگر مستشرقین حق و باطل کی اس آویزش کو مخصوص عینک سے دیکھتے ہیں۔ وہ کفار مکہ کی زیادتیوں، یہودان مدینہ کی عہد شکنیوں اور دشمنان اسلام کے تباہ کن عزائم کو کلیتہً نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان قوتوں کے مظالم اور شرارتوں کے جواب میں مسلمانوں نے جو کارروائیاں کیں، انہیں ظالمانہ کارروائیاں قرار دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ریاست مدینہ کے دفاع کیلئے مختلف مقاصد کے تحت مہمیں بھیجنے کا جو نظام وضع فرمایا تھا، وہ ان مہموں کو ڈاکے قرار دیتے ہیں۔ وہ اہل مکہ کی تیرہ سالہ کارروائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کفار مکہ کے مظالم اور جارحیت کے جواب میں مسلمانوں نے جو کارروائیاں کیں انہیں ظالمانہ کارروائیاں قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ کارروائیاں اشتعال انگیز تھیں۔ وہ اسیران بدر کے ساتھ مسلمانوں کے بے نظیر رحمانہ سلوک کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جن دو قیدیوں کو ان کے تاریک کارناموں کی وجہ سے موت کی سزا دی گئی تھی، ان کے کیس کو اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ (۴۳)

وہ کعب بن اشرف اور اس جیسے کینہ پرور یہودیوں کی اسلام کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی شرارتوں کی جو سزا ملی، اس کی وجہ سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ حضور ﷺ نے جو مصالحانہ رویہ اپنایا تھا، مستشرقین اس کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے وعدے توڑ کر ان کے خلاف بار بار دشمن کی جو مدد کی، وہ بھی ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہیں کر سکتی لیکن یہودی قبائل کو ان کی مسلسل عہد شکنیوں کی جو سزا ملی، اس کو ظالمانہ کارروائی کہہ کر مستشرقین پیغمبر اسلام کے دامنِ رفعت و رحمت پر تشدد پسندی کا الزام لگاتے ہیں (۴۴) منگمری واٹ نے اپنی مختلف تحریروں میں زور شور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ لکھتا ہے۔

" As These expeditions, even that to Badr, were razzias, where the aim was to capture booty without under danger

to oneself."

”بدر کی مہم سمیت یہ مہمیں ڈاکے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ  
غیر ضروری خطرات مول لئے بغیر مال غنیمت اکٹھا کیا  
جائے۔“

ٹائڈرائے بھی منگمری واٹ کی طرح ڈاکہ زنی مسلمانوں کا ذریعہ معاش قرار دیتے ہوئے لکھتا  
ہے۔ (۲۵)

"The Method, then which the Prophet  
employed in order to provide  
sustenance for himself and all his  
companions, was that of plundering the  
carvans which passed Medina on the  
way to or  
from Syria"

(پیغمبر نے اپنی اور اپنے صحابہ کی ضروریات زندگی پوری کرنے کیلئے جو طریقہ اپنایا وہ ان  
تجارتی کاروانوں کو لوٹنے کا تھا جو شام جاتے ہوئے یا شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے پاس سے  
گزرتے تھے۔)

مندرجہ بالا اقتباسات کی رو سے مستشرقین نے اسلامی غزوات و سرایا کو ڈاکوں کا نام دیا ہے  
اور اسلام کے خلاف اس الزام کو ثابت کرنے کیلئے دلیل یہ دی ہے کہ ڈاکے ڈالنے اور دوسروں کے  
اموال چھیننا عربوں کا عام معمول تھا۔ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے سامنے چونکہ کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا  
اس لئے عربوں کے تمام دستور کے مطابق انہوں نے بھی ڈاکہ زنی کو ہی اپنا پیشہ بنا لیا۔ مستشرقین کا یہ  
شوشہ متعدد وجوہات کی بنا پر بے بنیاد ہے۔ اولاً یہ کہ اسلام نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ڈاکے ڈالنے  
کیلئے نہیں دی تھی بلکہ یہ اجازت انہیں زمین سے فتنہ و فساد کو ختم کرنے اور دعوت دین کے راستے سے ہر قسم  
کی رکاوٹوں کو ختم کرنے کی خاطر دی تھی۔ جن آیات کریمہ میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی تھی  
انہی میں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ کسی پر ظلم نہ کرنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں  
کرتا۔

اسلام نے مسلمانوں کو فتنہ و فساد کے ختم ہونے تک قتال کو جاری رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے

مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ خود زمین پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں۔ اگر مسلمان ڈاکوں کو اپنا ذریعہ معاش بناتے اور دوسروں کا مال لوٹ لینے کو جائز سمجھتے تو زمین پر فتنہ و فساد برپا ہوتا اور اسلام کی نظر میں زمین پر فتنہ و فساد برپا کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اسلام نے اس کی جو سزا مقرر کی ہے وہ اتنی عبرت ناک ہے کہ اسلام کے نقاد اس کی سزا کو انتہائی ظالمانہ قرار دیتے ہیں۔ مسلمان اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے تجارتی قافلوں کے مال کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ انہوں نے حالات کے مطابق تجارت اور محنت مزدوری کر کے رزقِ حلال کمانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ غزوات و سرایا کے عنوان سے مستشرقین نے حضور ﷺ پر جتنے الزامات لگائے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ وہ غزوات یا سرایا نہ تو دشمن کو مشتعل کرنے کیلئے تھے نہ یہ ڈاکے تھے اور نہ ان کا مقصد لوگوں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانا تھا بلکہ یہ غزوات و سرایا ایک ایسی قوم کی دفاعی حکمتِ عملی کا حصہ تھے جسے چاروں طرف سے خونخوار دشمنوں نے گھیر رکھا تھا، لیکن وہ قوم دشمنوں کے اس ہجوم کے درمیان عزت اور وقار کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اپنے لئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کی خاطر زندہ رہنا چاہتی تھی۔ (۴۶)

## بین الاقوامی اسلامی قوانینِ صلح و جنگ کی تشکیل

حضور پاک ﷺ کے مذکورہ تمام جنگی اقدامات کے تفصیلی مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ کی تمام کارروائیاں اور غزوات مدافعت تھے جس کا مقصد اسلامی ریاست کا دفاع، تبلیغِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں کی بیخ کنی اور فتنہ و فساد کا خاتمہ تھا۔ حضور نے جو غزوات لڑے یا سرایا بھیجے نتائج کے اعتبار سے ان میں وہ تمام مقاصد پورے ہوئے جو آپ کے پیش نظر تھے۔ رسول اللہ کے غزوات و سرایا کے چند ایسے پہلو بھی ہیں جو بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ نے جن سیاسی حالات میں جنگی اقدامات کئے اور اس سلسلے میں جو حکمتِ عملی اختیار کی بلکہ پورے جنگی نظریات تک کو بدل کر رکھ دیا جو اس وقت مختلف مذاہب اور خطوں میں رائج تھے اور اسلام کے بین الاقوامی قوانینِ صلح و جنگ کی بنیاد قائم کی اور ان کو وضع کیا۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے چار بڑے مذاہب میں رائج جنگی نظریات کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ نے اس سلسلے میں کیا اصلاحات فرمائیں۔

مسئلہ جنگ کے لحاظ سے ان مذاہب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ مذاہب ہیں جنہوں نے جنگ کو جائز رو رکھا ہے۔ اس میں ہندومت اور یہودیت شامل ہیں۔ دوسری قسم ان مذاہب کی ہے جنہوں نے ظلم و تشدد، فتنہ و فساد کے سدباب اور امن و امان کو بحال کرنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے

بھی جنگ کو ظالمانہ اور ناجائز فعل قرار دیا۔ ان میں بدھ مت اور مسیحیت شامل ہیں۔

## ہندومت کا نظریہ جنگ

اس مذہب کی تاریخ و تدوین کے متعلق جاننا از بس مشکل ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے ہاں کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا۔ مختلف گروہ مختلف الخیال طبقات، شعائر اور عبادات کو جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں اس ہندومت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ تاہم جدید ہندوؤں نے چاروں ویدوں، گیتا اور منوسمرتی کو مذہب کی بنیاد و اساس کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ وید اس زمانے کی تصنیف ہے جب آریہ قوم وسط ایشیا سے نکل کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تھی اور ان کا مقابلہ ہندوستان کے اصلی باشندوں دراوڑوں، بھیل اور دوسری قوموں سے ہوا تھا۔ آریہ چونکہ بلند قامت اور خوبصورت تھے اس لئے وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں جن کے رنگ کالے تھے اور بد صورت تھے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ویدوں میں ان کی بنائے مختصت اور وجود دشمنی کو بصورت نظم پیش کیا گیا ہے۔ گیتا اس زمانے کی تصنیف ہے جبکہ آریوں کا تسلط پورے شمالی ہند پر قائم ہو چکا تھا اور ہندو تہذیب و تمدن انتہائی عروج پر تھی تو تفوق و برتری کیلئے خود آریوں کے دو با اثر خاندانوں میں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ اس کتاب میں کرشن مہاراج ہندوؤں کے عظیم پیشوانے جنگ کے متعلق اپنے فلسفیانہ افکار و خیالات پیش کئے ہیں۔

منوسمرتی، اس دور میں تصنیف ہوئی جبکہ سارا ہندوستان آریہ ورت بن چکا تھا اور مقامی باشندوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا اور آریائی تہذیب پورے عروج پر تھی۔ اس کتاب میں جنگ کے قواعد و ضوابط اور مفتوح اقوام کے حقوق و فرائض کے متعلق بہت کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں کے کچھ اقتباسات ہندوؤں کے جنگی نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔

(۱) ”اے اندر! ہم کو خوب دولت اور خوراک جمع کر

لینے دے۔ ہم بہادروں کی سی قوت پیدا کر لیں جو مویشی اور

گھوڑے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔“

(رگ وید، ۵۳ : ۵، ۴)

”اے اندر! جب میدان جنگ گرم ہو تو ہمارے پاس مال و

دولت کے جمع کئے ہوئے خزانے لا، ہمارے حریفوں کے

ہتھیار توڑ دے۔ ہمیں مال و دولت عطا کر۔ اے بہادر! ہم

فتح یاب ہوں۔ مال غنیمت حاصل کریں۔“

(رگ ویدا: ۲۵: ۲، ۳، ۵، ۶)

”جب اچھے نقشے کے ساتھ بہادر لوگ فوج کو آگے بڑھاتے ہیں تو وہ باقاعدہ جنگ میں فتح حاصل کرتے ہیں اور شہرت و ناموری کی تلاش میں بڑھتے ہیں اور دباتے چلے جاتے ہیں۔“

(رگ ویدا: ۱۷۴: ۱۰)

”روئے زمین کے جو حکمران ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا قتل کرنے کی خواہش سے اپنی تمام قوت کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور کبھی منہ نہیں موڑتے وہ مرنے کے بعد سیدھے بہشت کی طرف جاتے ہیں۔“ (منو: ۷: ۸۹)

راجہ کا خالص فرض یہ ہے کہ ممالک فتح کرے اور جنگ سے کبھی نہ ٹلے۔“ (منو: ۱۰: ۱۱۹)

”ہر بد قتل کردے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر۔“ (رگ ویدا: ۲۹: ۷)

”پس اے دیوی گائے! اپنی سوگرہوں والی بان سے جو استرے کے پھل کی طرح تیز ہے، ہلاک کر، اس کے سر کو کندھوں سے الگ کر دے، اس کے سر کے بال نوچ ڈال، اس کے بدن کی کھال کھینچ لے، اس کے پٹھے کھینچ لے، اس ڈھانچے پر سے گوشت کی بوٹی بوٹی اتار لے، اور اس کے سب اعضا اور جوڑوں کو الگ کر دے۔“

(اتھروید ۱۲: ۵: ۶۵ (۴۷)

مذکورہ اقتباسات واضح کرتے ہیں کہ آریوں کے نزدیک جنگ کا کوئی بلند و ارفع اخلاقی مقصد نہ تھا اور نہ یہ جنگیں کبھی مذہب کی اشاعت کیلئے لڑی گئی تھیں۔ ان کا واضح نصب العین مقامی باشندوں کو کلیتاً ختم کر کے ان کے اموال و مویشی پر قبضہ کرنا تھا۔ گویا ان کی جنگوں کا مقصد مال غنیمت، لوٹ غارت گری، شہرت و ناموری کی خواہش، ہوس قوت و اقتدار و ملک گیری، انتقام و وحشت و بربریت اور قتل انسان کے سوا کچھ نہ تھا۔



## یہودی مذہب میں جنگ

یہودیت کی مرکزی اور بنیادی تعلیم کی ماخذ ان کی کتاب تورات موجود ہے جس سے ہم ان کے مذہب کے احکام و قوانینِ تعلیم معلوم کر سکتے ہیں۔ اگرچہ جو توراہ آج موجود ہے وہ درحقیقت وہ کتاب نہیں ہے جو کہ حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی، بلکہ وہ کتاب ہے جسے عہدِ عتیق۔ (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ توراہ میں جنگ کے مقاصد کے حوالے سے بیان ہے کہ:

”اور ہم نے ان کو یعنی ان مردوں اور عورتوں اور لڑکیوں کو ہر ایک شہر میں حسینوں کے بادشاہ مسیحوں کی طرح حرام کیا، لیکن سارے مویشی اور شہروں اور مال اسباب کو ہم نے اپنے واسطے لوٹ لیا۔“ (کتاب استثناء ۳: ۷)

”اور \_\_\_\_\_ ہم نے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، سوائے چار پایوں کے جنہیں ہم نے غنیمت جان کر پکڑ لیا اور اس مال کے جو ہم نے شہروں میں سے لوٹا۔“

(کتاب استثناء ۲: ۳۵)

”جب تم یردن سے پار ہو کر کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں، اپنے سامنے سے بھگاؤ اور ان کی عورتوں کو فنا کر دو \_\_\_\_\_ ان کے سب اونچے مکان کو ڈھا دو، اور ان کو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کر دو اور وہاں آپ بسو، کیونکہ میں نے وہ سر زمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک بنو۔“

(کتاب اعداد ۲۳: ۵۱ - ۵۴)

گویا توراہ میں بھی جنگ کے کسی اخلاقی مقصد کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ جنگ کا مقصد ملک گیری بتایا ہے اور ایک ملک کے باشندوں کو طاقت کے زور سے مغلوب کر کے خود ان کو اور ان کے مال و اسباب کو قبضہ میں لے لینا ہے۔ پھر یہودی مذہب نے اپنے دشمنوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک وہ جنہیں خداوند نے بنی اسرائیل کی میراث میں نہیں دیا ہے دوسرے وہ جنہیں ان کی میراث میں دیا گیا ہے ان دونوں کے ساتھ ان کا الگ الگ معاملہ ہے۔ دشمنوں سے متعلق پابندی ہے کہ پہلے صلح کا پیغام دو

اگر قبول کر لیں تو انہیں اپنا باج گزار بنا لو۔ اور انکار کی صورت میں ان کے مردوں کو قتل کر کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے۔

دوسرے طبقے کے دشمنوں کو وہ کسی قسم کے انسانی حقوق نہیں دیتا۔ ان کے لئے ایسی کسی شرط کی پیشکش ضروری نہیں جسے پورا کرنے پر ان کی جان بچ سکتی ہو بلکہ میراث میں دی ہوئی ”قومیں کلیئہ“ نیست و نابود کر دی جائیں۔

### بدھ مت کا نظریہ

یہ ایسا مذہب ہے جو سرے ہی سے جنگ کے خلاف ہے۔ بدھ مت کے ماخذ بھی پردہ تاریکی میں ہیں کیونکہ بدھ نے اپنی زندگی میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جس میں اس کے مرتب کردہ احکام و قواعد اور اس کی تعلیم منضبط ہو اور نہ اس کی وفات کے ایک سو سال کے عرصہ میں کوئی بات ضبط تحریر میں لائی گئی۔ پہلی مرتبہ ویسالی میں ایک کانفرنس نے بدھ مت کے عقائد کو مرتب کرنے کی کوشش کی۔ مگر بعض بودھی علماء کے مطابق اس کانفرنس نے مذہب کے بنیادی اصول ہی بدل دیئے۔ اس کے بعد چار سو سال تک مذہبی احکام کی ترتیب کا سلسلہ جاری رہا اور کنشک کے زمانہ میں اس قدر تحریف کی گئی کہ عقائد میں بنیادی تغیر نمودار ہو گیا۔ بہر حال بدھ مت کی دستیاب کتابوں میں جو تعلیمات درج ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب نے ہر ذی روح شے کو معصوم قرار دیا ہے چنانچہ بدھ کے دس بنیادی احکام میں پہلا حکم یہ ہے کہ ”کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔“

بدھ مت نے اپنے کھلیشوں کو اتنی بھی اجازت نہیں دی کہ میدان جنگ میں ایک تماشائی کی حیثیت ہی سے وہ شریک ہو سکیں۔ اسی تعلیم کی وجہ سے بدھ مت دنیا میں کوئی طاقت ور تمدن قائم نہیں کر سکا۔ بدھ مذہب دنیا کے پیہم انقلابات کے باوجود زندہ رہا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک طاقتور تہذیب رکھتا تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ جابرانہ فرمانروائی کے آگے ہمیشہ سر جھکا تا رہا۔ اس نے ہمیشہ اس حکومت کی تائید کی جو اس پر قہر و غضب بن کر مسلط رہی۔ خیر و شر ازل سے موجود ہے ان کی باہمی کشمکش کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ خدا کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں نے ہمیشہ تخریبی عناصر کی سرکوبی کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ باطل بار بار سراٹھاتا ہے اور حق کے تحفظ کیلئے بار بار خون بہانے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ لیکن بدھ مذہب حق و باطل کے معرکوں میں حصہ لینے سے روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مذہب جنگ و جہاد کا کوئی تعمیری تصور بھی نہ دے سکا۔

## مسیحیت کا نظریہ

بدھ مت کی طرح اس مذہب کی اصلی تعلیم کسی قابل اعتماد ذریعے سے ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ اس لئے انسانی زندگی اور جنگ و جدل کے بارے میں حضرت عیسیٰ کے اصل احکام کے بارے میں کچھ رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اربعہ انجیل ہی مسیحیت کی تعلیم کے بارے میں معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے جو چار صحیفوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا پر مشتمل ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت دراصل سنیاں، رہبانیت اور ترک دنیا کا مذہب ہے۔ محبت اس کی تعلیم کی اساس ہے لیکن محبت کا جو تصور اس نے پیش کیا ہے وہ ناقابل عمل اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اس تصور کے تحت خدا کی ذات کے علاوہ اس کے ہر بندے سے محبت ضروری ہے خواہ وہ مفسد، شرانگیز اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ ظلم و استبداد کے استیصال کے لئے قوت اور جبر کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔ جنگ سے احتراز کا یہ حکم خود کوئی مستقل ضابطہ نہیں ہے بلکہ یہ رہبانیت و ترک دنیا کی تعلیم کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ دراصل حضرت عیسیٰ نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کی اخلاقی حالت کو سنوارنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس مقصد کے لئے ہر وہ تدبیر اختیار کی کہ حکومت وقت سے کسی قسم کا تصادم نہ ہو سکے اور پھر محض ڈھائی تین سال کی مدت میں یہ کارنامہ سرانجام دے کر قوم کو جہاد فی سبیل اللہ کیلئے تیار کرنا ممکن نہ تھا۔ حقیقت میں مسیحیت خود کوئی مستقل مذہب نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰ کی شریعت کا ہی ایک تسلسل ہے۔ بہر حال ظالموں، مفسدوں اور فتنہ پردازوں کو عمداً کھلا چھوڑ دینا کوئی نیکی اور محبت نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت پر مزید ظلم کے مترادف ہے۔

مختلف مذاہب میں جنگ کے نظریات کے مختصر جائزے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت موجود دو بڑی قوتوں روم و فارس اور خود عرب کے اندر تصورات جنگ کیا تھے؟

## روما و فارس

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دنیا کی دو عظیم الشان مملکتیں یعنی فارس اور روما الگ الگ مذہب و تہذیب کی علمبردار تھیں اور دونوں حکومتوں میں وطنی، قومی اور مذہبی تعصب نے شدید جذبہ منافرت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام سے قبل اور بعد ایک عرصہ تک ان میں باہم جنگ و قتال جاری رہا۔ مگر ان کے تعصب قومیت نے کچھ ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی کہ یہ لوگ حملہ و هجوم کے وقت مذہب اور اخلاق و شرافت کے تقاضوں کو بالکل بھول جاتے تھے۔ چنانچہ خسرو پرویز نے فلسطین پر حملہ کیا تو عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ فصلوں کو تباہ کرنا

اور باغوں کو تہس نہس اور عمارتوں کو مسمار کرنا، بستیوں کو لوٹنا اور نذرِ آتش کر دینا ان کی لڑائیوں کا ایک ضروری جزو تھا اور عورتوں بچوں اور بوڑھوں، زخمیوں، بیماروں اور مذہبی پیشواؤں کو بلا امتیاز تہ تیغ کرنا یا غلام بنا لینا ان کے ہاں بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔ (۴۷)

## عرب جاہلیت کے تصوراتِ جنگ

جنگ      جنگ      جنگ      جنگ  
اس کی آگ بھڑک اٹھی اور شعلے لپک رہے ہیں  
بلندیاں اس کے شور سے معمور ہو گئی ہیں  
آفرین تم پر جو صبح کے وقت سر منڈاتے ہو  
(دورِ جاہلیت کا ایک شاعر)

اہل عرب فطری طور پر سخت جنگ جو اور دلیر واقع ہوئے تھے اور ان میں مسلسل جنگیں جاری رہتی تھیں۔ ان جنگوں میں جس طرح کے وحشیانہ اور اخلاق سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ ان کے تصور ہی سے دنیا کانپ اٹھتی ہے۔ عرب شاعر اپنے جنگی کارناموں کا اظہار اپنے اشعار میں بڑے فخریہ انداز سے کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے ادبی لٹریچر سے جو بیشتر ان کے جنگی کارناموں پر مشتمل ہے ان کے مقاصدِ جنگ معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ حوالے کیلئے چند شعر درج ہیں۔

انسی لمن معشرا فنی او نلہم  
قبیل الکما الا این المحامونا  
ترجمہ:- میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس کے سردار  
بہادروں کی اس پکار پر ”ہاں قبیلہ و نسب کو بچانے والے  
کہاں ہیں“ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔  
واحیاناً الی بکرا خینا  
اذا مالہم نجد الا اخانا  
ترجمہ:- اور بہت دفعہ ہم اپنے بھائیوں یعنی بنی بکر پر حملہ کر  
دیتے ہیں جبکہ اپنے بھائی کے سوا ہم دوسرے کو نہیں پاتے۔  
بقرنا الحبالی من شؤة بعد ما  
خبطننا نخیف الریح نہدا و ختعمنا

ترجمہ:- ہم نے جوش میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چیر ڈالے  
جبکہ ہم خیف الرع میں نہد اور ضنعم پر غلبہ پا چکے تھے۔

فَالهِم بِيضَاتِ الْخَدَوِ

دَهْنَاكَ لَا النَّعْمِ الْمَوَاخِ

ترجمہ:- میدان جنگ میں ہمارا مقصد پردہ دار سفید قام  
عورتیں ہوتی ہیں نہ کہ چراگاہ سے آنے والے اونٹ“

(۴۸)

مذکورہ شعروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عرب کی تمام جنگیں لوٹ و غارت گری کیلئے ہوتی  
تھیں اور جن کا سبب انتقام یا تفاخر ہوتا تھا اور بغض و عداوت کی آگ ان کے وحشیانہ افعال کو ہلاکت  
آفرین اور قیامت خیز بنا دیتی تھی۔ عورتوں کو بے پردہ کرنا، دشمنوں کی نعشوں کو گھسیٹنا، زخموں کے کان اور  
ناک کاٹ ڈالنا اور انہیں آگ میں زندہ جلانا ان کی جنگوں میں معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں۔ اسلام سے  
قبل عرب کی جنگوں میں معاشی ضرورت کا پہلو زیادہ نمایاں تھا۔ چونکہ زمین عرب کی پیداوار اس کے  
باشندوں کیلئے بالکل نا کافی تھی اور ان دلیر اور تنومند انسانوں کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ  
اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ممالک کے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ قدیم عرب اقوام  
نے اس مقصد کے پیش نظر دنیا کے بیشتر ممالک پر یلغار کی اور سخت خونریزی اور سفاکی کے بعد ان ممالک  
کے باشندوں کو مغلوب کیا اور وہاں عظیم الشان مملکتیں قائم کیں اور جو لوگ عرب میں ہی رہ گئے تھے ان  
میں ہمیشہ قبائلی جنگیں جاری رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کی شدید معاشی ضرورت اور جنگ جو یا نہ طبیعت  
کیلئے تین مہینوں (اشہر حرام) کی پابندی بھی ناگوار تھی۔ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ مسلسل تین ماہ  
ان کیلئے لوٹ مار ممکن نہ ہو کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ ہی لوٹ مار تھا۔ (۴۹)

الغرض ظہور اسلام کے وقت مختلف مذاہب اور خطوں میں جو تصورات جنگ موجود تھے وہ  
انسانیت کی بھلائی اور اخلاقی اصلاح پر مبنی نہ تھے۔ ان تصورات کے تحت جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ سب  
قبائل اور نسلی عداوت، مال و دولت کی ہوس، وسعت سلطنت کی خواہش اور مذہبی تعصب کی بناء پر  
تھیں۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکام کے مطابق اپنی جنگی حکمت عملی کے تحت ان تمام مقاصد  
جنگ کو باطل قرار دے دیا اور ایک ایسا انقلابی نظریہ دیا جو انسانی خون کی حرمت پر قائم تھا۔ آپ ﷺ نے  
جنگ کے نئے مقاصد کو متعین کر کے اسے محض خون آشامی و غارت گری کے دائرے سے نکال کر ایک اعلیٰ  
اخلاقی مدنی نصب العین کی سطح تک لاکھڑا کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جنگ کے وہ کون سے مقاصد، جواز اور

صلح کے بین الاقوامی ضوابط متعین ہوئے جن کے تحت خود حضور ﷺ نے غزوات لڑے۔

## اسلام کا نظریہ جنگ

قبل از ہجرت مسلمانوں کیلئے جنگ کرنا ایک فعل حرام تھا۔ جب قریش کی عداوت حد سے تجاوز کر گئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو ان کے دیار و اموال سے بے دخل کر دیا تو مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اس موقع پر مسلمانوں کو جان و مال کی حفاظت کی خاطر جہاد کی اجازت دی گئی:

”ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن پر ظلم ہوا جن پر ظلم ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے۔ یہ لوگ اپنے دیار بغیر کسی جائز سبب کے نکالے گئے، ان کا جرم اگر تھا تو بس اتنا کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔“

(القرآن ۲۲:۳۹)

گویا مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کیلئے جنگ کرنا پہلا جواز ٹھہرا۔ حضور پاک ﷺ کی ابتدائی مہمات اسی مقصد کیلئے تھیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اکثر جنگی اقدامات دفاعی نوعیت کے تھے۔ یعنی آپ ﷺ نے اسی وقت ہتھیار اٹھایا جب آپ ﷺ کو مجبور کر دیا گیا۔ جنگ بدر، احد، خندق ان تمام میں قریش ہی حملہ آور ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے مدافعت کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرو کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“ (القرآن ۲:۱۹۰)

رسول اللہ کی جنگوں کا تیسرا جواز مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا تھا۔ قرآن میں ہے:

”اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کرتے تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں وہ دین کے معاملہ میں تمہاری مدد کرنا چاہیں تو ان کی مدد کرنا لازم ہے۔“ (القرآن ۸:۷۲)

”اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے

رہنے والے ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے  
کسی اور کو حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر  
فرما۔“ (القرآن - ۴: ۷۵)

چوتھی صورت میں آپ ﷺ نے ان لوگوں سے جنگ کی جو بد عہدی یا عہد شکنی کے مرتکب  
ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور  
تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں  
سے جنگ کرو۔ یہ بے ایمان لوگ ہیں اور ان کی قسموں کا  
کوئی اعتبار نہیں۔“ (التوبة: ۱۲)

معاہدہ صلح کے بعد بد عہدی کرنا دراصل جنگ کیلئے الٹی میٹم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ  
حضور ﷺ نے معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی پر یہود بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خلاف کارروائیاں  
کیں۔ پھر جب قریش معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ پر حملہ آور  
ہوئے اور بعد میں خود ہی عہد نامہ کو منسوخ قرار دیا تو آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا اور اسے  
پُر امن طور پر فتح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ کے غزوات اور مہمات کسی نہ کسی فتنہ و فساد کے خاتمہ کیلئے  
تھے۔ فتنہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس سے مراد ناحق خونریزی اور غارت گری بھی ہے اور کمزوروں پر  
جوہر و ستم، لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، حق کی مخالفت اور ناجائز اغراض کیلئے جنگ بھی اس تعریف میں  
شامل ہے۔ فساد سے مراد اجتماعی اخلاق اور نظام تمدن و سیاست میں بے اعتدالی ہے۔ قرآن نے ان  
دونوں صورتوں میں فتنہ و فساد کے استیصال کا حکم دیا ہے۔

”اور ان سے اس وقت تک لڑائی کرو کہ فتنہ نیست و نابود ہو

جائے اور خدا ہی کا دین (نظام حیات) رائج ہو جائے۔“

(القرآن - ۲: ۱۹۳)

فتنہ و فساد کی ایک صورت ریاست کا داخلی انتشار بھی ہے جس سے اس کی سالمیت تک خطرے  
میں پڑ جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان تمام قسم کے فتنہ و فساد کے خاتمہ کے لئے اقدامات فرمائے۔ ہوازن،  
غطفان، کرز بن جابر الفہری کی مہم، بنو وائل، خیبر، بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر کے خلاف غزوات انہی  
مقاصد کے تحت لڑے گئے۔ نیز کرز بن جابر الفہری اور وادی القرئی، ثعلبہ، اور دومتہ الجندل وغیرہ کی  
فوجی کارروائیاں بھی فتنہ و فساد کے استیصال اور خاتمہ کیلئے کی گئیں۔

جنگِ موتہ کے محرکات کو پیش نظر رکھا جائے تو اسلام میں سفیر کا قتل بھی جنگ کا جواز ٹھہرتا ہے۔ سفیر کا قتل درحقیقت اعلانِ جنگ کے مترادف تصور کیا جاتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے وقت جب یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ سے خون پر بیعت لی۔ کیونکہ یہ قومی وقار کا مسئلہ تھا اور اگر خدا نخواستہ یہ خبر صحیح ہوتی تو اس موقع پر جنگ ناگزیر تھی۔ جنگِ موتہ بھی اس لئے شام کے ساحل پر جا کر لڑی گئی۔ عیسائیوں کے رئیس شرجیل بن عمرو نے حضور اکرم ﷺ کے پہلے قاصد حبیہ کلبی کو لوٹ لیا تھا اور دوسرے حارث بن عمرو کو قتل کر دیا تھا۔ جب کہ خود حضور ﷺ نے ہمیشہ بین الاقوامی سفارتی آداب کو ملحوظ رکھا۔

دنیوی اغراض و مقاصد کیلئے معاہد قوم سے جب تک کہ معاہدہ کی مدت ہے، صلح کی پیشکش پر، سیاسی پناہ یا امان اور اظہارِ اسلام یا کوئی علامت دیکھنے کی صورت میں جنگ نہ کرنے کا اصول وضع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اقوام کے خلاف جو ظلم نہ کرنے والے اور دینِ حق کو مٹانے کی کوشش میں شریک نہ تھے، جنگی کارروائی نہ کر کے غیر جانبداری کا تصور بھی پیدا کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”اللہ تمہیں ان لوگوں سے بھلائی کرنے اور انصاف کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے سلسلہ میں نہیں لڑتے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی۔ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی۔ انہیں جو کوئی دوست بنائے وہ ظالم ہے۔“

(القرآن۔ ۶: ۹)

حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے مسلمانوں سے بہتر سلوک کے پیش نظر فرمایا تھا کہ اہل حبشہ سے اس وقت تک تعرض نہ کرو جب تک کہ وہ پیش دستی نہ کریں۔ (۵۰) اس طرح مسلمان برابر حبشہ پر یورش سے محترز رہے۔ موجودہ بین الاقوامی قانون میں غیر جانبدار علاقوں کا جو تصور موجود ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ تصور سے مختلف ہے۔ موجودہ قانون ہر ملک کو حق دیتا ہے کہ وہ دو یا زیادہ محارب طاقتوں کے سلسلے میں غیر جانبداری کا اعلان کر دے۔ ایسے ملکوں کی ناطر فداری کو تمام طاقتیں، جن میں محارب فریق بھی شامل ہیں تسلیم کر لیتی ہیں۔ حضور ﷺ نے جنگ کا ایک یہ اصول وضع کیا کہ کسی دشمن کے خلاف جنگ اس وقت تک نہ شروع کی جائے جب تک کہ اسے اس امر کی اطلاع یا تنبیہ نہ کر دی



جائے۔ (۵۱) حکم باری تعالیٰ ہے کہ!

”اگر ایک گروہ سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہیے کہ ان کا

عہد ان پر لوٹا دو۔ اس طرح دونوں جانب یکساں حالت

میں ہو جائیں۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں

رکھتا۔“ (سورۃ انفال: ۸۷)

آنحضرت ﷺ نے دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہ و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ پاؤں، ناک کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اسلام سے پہلے اسیرانِ جنگ کے متعلق دو ہی متفقہ فیصلے تھے، ایک قتل دوسرے دائمی غلامی، تیسرا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکمت عملی اپنائی کہ نہ ان کو قتل کیا گیا، نہ ایذا پہنچائی گئی بلکہ ان سے بہتر سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں اور جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا ازراہِ احسان چھوڑ دیا۔ بالکل قرآنی حکم کہ

”تو ان کو قید کر لو۔ اس کے بعد یا احسان رکھ کر یا کچھ بدلہ

لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ لڑائی بند ہو جائے۔“

کے عین مطابق تھا۔

جنگ بدر کے ستر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ ایک دو موقع پر آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ بھی کیا۔ فتح مکہ کے بعد ”جاؤ تم سب آزاد ہو“ کا اعلان فرما کر آپ ﷺ نے ہزاروں لوگوں کو نہ تو قید کیا اور نہ ہی ان کو غلامی میں لیا حالانکہ وہ مغلوب ہو چکے تھے۔ اکثر موقعوں پر آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو ازراہِ احسان چھوڑ دیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔	سر یہ نخلہ	۲	قیدی
۲۔	غزوہ بنو مصطلق	۱۹	=
۳۔	سر یہ صموم	۱۰	=
۴۔	سر یہ عیص	۹	=
۵۔	سر یہ حسمی	۱۰۰	=
۶۔	غزوہ حنین	۶۰۰۰	=
۷۔	سر یہ عیینہ	۶۳	=



کی بدیہی طور پر تنبیہ نہ کر دی جائے۔“

گو یا ایک مدلل اعلان جنگ کی صورت میں ہو یا ایک مشروط الٹی میٹم کی شکل میں ہو۔ اور اس اعلان کی اطلاع غیر جانبدار قوموں کو بھی دی جائے۔ پھر ۱۹۰۷ء کی بیگ کانفرنس میں طے پایا تھا کہ ان شہروں اور بستیوں پر جن کی فوجی مدافعت نہ کی گئی ہو۔ بمباری اور حملہ آوری نہ کی جائے اور بمباری خواہ کسی طریق سے ہو شروع کرنے سے پہلے انتباہ کر دیا جائے اور سائنسی، ادبی اور مذہبی ادارے ہسپتال وغیرہ جہاں تک ہو سکے بچائے جائیں اور لوٹ مار، تباہی اور آتش زدگی سے احتراز کیا جائے۔ لیکن ہوا کیا؟ دوسری جنگ تنظیم میں غیر محاربین اور جنگی قیدیوں کا وسیع پیمانے پر قتل کیا گیا یا کام کی زیادتی اور زہریلے اثرات کے تحت مار دیا گیا اور ان کے جسم سے کھاد، روغنیاں اور صابن بنائے گئے۔ ہزاروں طیاروں نے بے شمار شہر تباہ کئے اور لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے گئے۔ امریکہ کی آبدوزوں نے انیس سو چالیس جاپانی تجارتی جہاز غرق کئے۔ محوری ممالک نے امریکہ اور متحدین کے چار ہزار سات سو ستر جہاز ڈبوئے، بحر ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما اور ناگاساکی کی بربادی ہوئی اور اعلان کیا گیا کہ یہ طریقے زندگی اور تہذیب کے تحفظ ”جنگ کے اختصار“ اور فتح کے حصول کیلئے ضروری ہیں۔ (۵۲)

غرض اقوامِ حاضرہ نے سترہویں صدی میں ان بنیادی حقوقِ انسانیت کی طرف توجہ کی۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے جنگ کا مکمل قانون پیش کر دیا تھا۔ جس کی ایک ایک شق میں احترامِ آدمیت کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اور پھر اسلامی قانونِ جنگ اور اقوامِ حاضرہ کے قانونِ دُولی میں فرق یہ ہے کہ قانونِ دُولی کی پشت پر کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس کے اجراء و نفاذ کی ضامن ہو۔ چنانچہ ان قوانین کی ترتیب و تدوین کے بعد بھی وہی کچھ ہوتا رہا جو اس سے پہلے ہوتا رہا تھا۔ اسی بناء پر لاڈر سالبر نے کہا ہے کہ قانونِ بین الاقوام کو کوئی عدالت قوت سے نافذ نہیں کر سکتی اس بناء پر اس کو لفظ قانون سے تعبیر کرنا سخت غلطی ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے تشکیل کردہ قانونِ جنگ پر عمل کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے اور ان کی قوتِ ایمانی اس کے نفاذ و اجراء کی ضامن ہے۔ (۵۳)



## حوالہ جات باب ہفتم

- ۱- تاریخ ابن خلدون، جلد ۲، ص ۲۵۹۔
- ۲- ارض القرآن، ص ۲۲۸۔
- ۳- ابن حبیب بغدادی، ص ۲۷۱۔ بحوالہ نقوش رسول ﷺ نمبر، جلد ۵، ص ۱۱۴۔
- ۴- ابوداؤد، جلد ۲، ص ۲۲۳۔
- ۵- ابن سعد۔ جلد ۲، ص ۹۔
- ۶- ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۸۴۔
- ۷- ابن سعد جلد ۲، ص ۶، ۷۔
- ۸- ابن ہشام، حصہ اول، ص ۶۷۲۔
- ۹- ایضاً، ص ۶۰۵۔
- ۱۰- ابوالاعلیٰ مودودی، "تفہیم القرآن"، جلد دوم، ص ۱۲۳-۱۲۴۔
- ۱۱- ابن ہشام، حصہ اول، ص ۶۵۳۔
- ۱۲- ایضاً، ص ۳۶۴۔
- ۱۳- ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۲-۱۹۔
- ۱۴- ابوالاعلیٰ مودودی، "تفہیم القرآن"، جلد ۲، ص ۱۲۹۔
- ۱۵- ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۴۔
- ۱۶- محمود خطاب شیت، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار"، ص ۱۸۱۔
- ۱۷- ابن ہشام، جلد ۳، ص ۶۸۔
- ۱۸- محمود خطاب شیت، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار"، ص ۲۲۱۔
- ۱۹- ابن ہشام، جلد ۳، ص ۱۷۸۔
- ۲۰- ابن سعد، جلد ۲، ص ۵۷۔

- ۲۱۔ ایضاً
- ۲۲۔ طبری، جلد ۳، ص ۳۸، فتح الباری، جلد ۷، ص ۲۳۳۔
- ۲۳۔ البلاذری (فتوح)، ص ۲۴۔
- ۲۴۔ محمود خطاب شیت، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار"، ص ۲۳۹۔
- ۲۵۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۲۲۶۔
- ۲۶۔ ابن ہشام، جلد ۳، ص ۲۱۴۔
- ۲۷۔ ابن سعد، جلد ۲، ص ۶۹، ۷۰۔
- ۲۸۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۲۷۳۔
- ۲۹۔ ابن ہشام، جلد ۳، ص ۲۴۲۔
- ۳۰۔ ابن سعد، جلد ۲، ص ۷۵۔
- ۳۱۔ Ple, lane, selections from the Quran, Introduction P.L xv.
- ۳۲۔ Arnold's Sermons, 4th sermon, Wares of the Israelites, pp. 35-36.
- ۳۳۔ توریت، کتاب استثناء اصمحاء، ۲۰ آیت ۱۰۔
- ۳۴۔ ابن سعد، جلد ۲، ص ۹۰-۹۱۔
- ۳۵۔ ایضاً، ص ۱۳۰۔
- ۳۶۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۳، ص ۱۳۳۔
- ۳۷۔ ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۴۴۔
- ۳۸۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۷۵۱۔
- ۳۹۔ ایضاً، ص ۲۳۳۔
- ۴۰۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۵، ص ۳۹۲۔
- ۴۱۔ رئیس احمد جعفری، "رسالت مآب"، ص ۳۰۹۔
- ۴۲۔ محمود خطاب شیت، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار"، ص ۴۹۶-۴۹۸۔
- ۴۳۔ پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبیؐ، جلد ۶، ص ۵۶-۵۵۵۔
- ۴۴۔ ایضاً
- ۴۵۔ منگمری واٹ، محمد، پرافٹ اینڈ سٹیشنرین، ص ۱۰۸۔
- ۴۶۔ ضیاء النبیؐ، ص ۵۹۳، جلد ۶۔

- ۴۷۔ حیدر زمان صدیقی، "اسلام کا نظریہ جہاد" ص ۲۷، ۲۸۔  
 ۴۸۔ ایضاً، ص ۳۱-۳۲۔  
 ۴۹۔ کتاب الامال، جلد اول۔  
 ۵۰۔ سنن ابوداؤد، جلد ۴، ص ۱۱۲۔  
 ۵۱۔ ڈاکٹر مجید خدوری، "اسلام اور قانون جنگ و صلح" ص ۳۲۲-۳۲۳۔  
 ۵۲۔ سید واجد رضوی، "رسول ﷺ میدان جنگ میں" ص ۳۰۰۔  
 ۵۳۔ حیدر زمان صدیقی، "اسلام کا نظریہ جہاد" ص ۱۵۰۔

## باب ۸

## رسول اللہ کی خارجہ سیاست کے اقتصادی پہلو

اسلام سے پہلے عرب کے جزیرہ نما میں کبھی بھی ایک ملک گیر اور مرکزی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اور نہ اس صحرائی براعظم میں ہر طرف یکساں ترقی کے شواہد ملتے ہیں البتہ یمن وغیرہ میں حضرت مسیحؑ سے بھی ہزاروں سال پہلے متمدن طاقتور اور وسیع مملکتوں کے وجود کا پتا چلا ہے۔ مثلاً کندہ والوں نے حضرموت سے صراۃ جاما، سبا و حیرہ تک یعنی عرب کے جنوب سے شمال تک کچھ عرصہ حکومت قائم کر لی تھی یعنی حجاز وغیرہ کے وسیع علاقے اس سے آزاد رہے۔ گویا آغاز اسلام پر صورت حال یہ تھی کہ کوئی مرکزی مملکت عرب میں موجود نہ تھی۔ بلکہ سینکڑوں قبیلے خود مختار نہ طور پر نیم حضری اور نیم بدوی زندگی گزار رہے تھے۔ ہر قبیلہ خود جنگ اور صلح کرنے میں آزاد تھا۔ کسی بیرونی حاکم کو ان پر اختیار سماعت نہ تھا۔ ان قبائل کے علاوہ بیسویں شہر بھی تھے۔ مکہ، مدینہ، طائف، یبوع (حجاز میں)، جرش، صنعاء عدن (یمن میں)، صمار اور دبا (عمان میں)، ہجر (بحرین میں)، یمامہ، فید ( نجد میں)، دومۃ الجندل، خیبر، فدک، تیمار، وادی القرئی (شمالی عرب میں) ایلہ، مقنا صحرائے سینا کے مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جن کو تقریباً شہری مملکتوں کی حیثیت دی جاسکتی تھی۔ یمامہ، یمن وغیرہ بعض علاقوں میں غلے کی کاشت ہوتی تھی اور آس پاس کے عربی علاقوں میں برآمد بھی ہوتی تھی لیکن اس سے پورے ملک کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ کھجور، اونٹ اور بکریوں کی صورت میں بدویوں کی غذائی ضرورت تو پوری ہو جاتیں۔ لیکن لباس، برتن، ہتھیار، زیور اور دیگر ضرورتوں کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی۔ اگرچہ حضری یعنی شہری زندگی گزارنے والے عرب بدویوں سے مختلف تھے۔ لیکن ان کے اپنے اندر بڑی حد تک یکسانیت نظر آتی تھی۔ چاروں طرف نخلستان تھے۔ طائف، سوقیہ وغیرہ میں انگور، انجیر، انار، شفتالو وغیرہ کے بکثرت باغ تھے۔ چشموں کے ساتھ ترکاری، تربوز، لکڑی وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی تھی۔ کہیں کہیں غلہ بھی بویا جاتا اور مرغیاں بھی پالی جاتیں لیکن ان مقامی وسائل کے بعد بھی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں تو مختلف میلوں، منڈیوں میں جا کر تبادلہ اشیاء کرنا پڑتا۔

عرب کی ہر بستی میں میلے لگتے تھے۔ کہیں مقامی اور کہیں بین المقاماتی چھوٹے میلے ہفتہ وار لگتے، بڑے بین القبائل اور بین المقاماتی میلے سالانہ مقررہ ایام میں لگتے تھے۔ لیکن جو اہمیت مکہ کے عکاظ اور منیٰ کے میلوں کو حاصل تھی وہ کسی اور میلوں کو حاصل نہ تھی۔ چونکہ عرب بیرونی ذرائع کے محتاج رہتے پھر قدرت نے عرب میں کچھ ایسے خام مواد مہیا نہیں کیے تھے اور نہ آب و ہوا اتنا عمدہ تھی کہ غیر ملکی یہاں آتے اور غلہ یہاں پہنچاتے۔ لہذا عربوں کو ہی تجارت کی غرض سے باہر کے ممالک کا رخ کرنا پڑتا۔ حجازی عربوں کے متعلق قرآن مجید کی شہادت "رحلة الشتاء والصيف" سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر سال دو مرتبہ جاڑوں اور گرمیوں میں کئی کئی ماہ کے تجارتی سفر پر نکلتے تھے۔ جاڑوں میں یمن جاتے اور گرمیوں میں شام و مصر۔ اس کاروبار میں مکہ کے قریش باقی قبائل پر سبقت حاصل کیے ہوئے تھے۔ رسول کریم ﷺ کے دادا ہاشم نے روم، ایران، حبشہ اور یمن کے حکمرانوں سے منشور اور اجازت نامے حاصل کیے ہوئے تھے کہ ان علاقوں میں تجارت کے لئے آزادانہ کاروان لاسکیں۔ عرب اپنے تجارتی کاروانوں کی حفاظت کیلئے کچھ تو خود ہتھیار بند ہو کر بطور دستہ جاتے اور کچھ ان علاقوں سے جہاں انہیں گزرنا ہوتا قبائل سے حلفی اور دوستی پیدا کر لیتے۔ لیکن قریشی کاروبار شمال، جنوب، مشرق، مغرب سب طرف پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عراق، یمن، حبش، شام اور اندرون عرب، بحرین، نجد و خیبر بھی جاتے۔ ان بیرونی تجارتی تعلقات کے لئے انہوں نے معاہدات کا جو وسیع اور ملک گیر جال پھیلا یا ہوا تھا ان کا ذکر محمد بن حبیب اس طرح کرتے ہیں!

"جو تا جر بھی یمن اور حجاز سے نکلتا تو وہ اس وقت تک قریشی خفارے یعنی محافظ دستے کا محتاج رہتا جب تک کہ وہ حضری قبائل کے علاقے میں رہے۔ کیونکہ ایک حضری قبیلہ دوسرے حضری قبیلے کے تاجروں کو نہ ستاتا۔ مزید برآں حضریوں کی حلفی جن جن قبائل سے تھی ان کے ہاں بھی امن رہتا اور یہ باہمی امن کے اصول پر مبنی تھا۔ چنانچہ قبائل کلب ان حضری قبیلہ بنو اسد سے حلفی کے باعث نہ چھیڑتے اور حضری قبائل کہا کرتے تھے کہ قریش نے ہمارا وہ قرض ادا کر دیا جو حضرت اسمعیلؑ سے ہم کو وراثتاً خدمت کی صورت میں ملا تھا۔ جب یہ آگے بڑھ کر عراقی سمت میں جاتے اور بنی عمرو بن مرشد سے خفارہ حاصل کر لیتے تو تمام



Handwritten text in Urdu script, consisting of approximately 20 lines. The text is mostly illegible due to fading and blurring. It appears to be a historical or religious document, possibly a treaty or a record of events. Some words like 'تجارت' (Trade) and 'عربوں کی تجارت' (Trade of Arabs) are faintly visible.

سرخ وینس کے کپڑے وغیرہ کے بدلے میں چین سے اطلس کنوواب، چینی برتن، چائے اور مختلف اقسام کی ادویہ حاصل کرتے تھے۔

حبشہ کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات عرصہ قدیم سے چلے آ رہے تھے۔ چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا تھا اور خشکی کے راستے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔ جب رومیوں اور بیزنٹینیوں نے بحر احمر میں حمل و نقل شروع کر دی تو حجازوں کے روزگار پر بہت بڑا اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے دادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کے لانے کی اجازت حاصل کی۔ (۳) قیصر روم نے ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بناء پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کارواں حبشہ آیا کرے۔ مکہ کے تاجر چمڑا، گوند، لوبان وغیرہ کے بدلے میں زیادہ غلہ حاصل کیا کرتے تھے۔ حکومت شام نے ہتھیار کی برآمد بند کر دی تھی۔ موقع ملتا تو یہ لوگ اس کو بھی چوری چھپے درآمد کر لیا کرتے تھے۔ (۴) حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور مصر سے ہو کر جاتا تھا۔ جبکہ دوسرا راستہ سمندری تھا جو جدہ سے شروع ہو کر حبشی بندرگا ہوں تک پہنچتا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے میں۔

"جو شخصیت زیادہ تر اپنے تجارتی معاملات میں راست بازی کے باعث "الامین" کے قومی خطاب سے مخاطب ہوئی ہے، جس نے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ بروایت امام احمد بن حنبل "بحرین و عمان جیسے دور دراز ممالک کا خاصا تفصیلی سفر کیا ہے۔ اس سے یہ بات اس زمانے میں عقلاً بعید نہیں معلوم ہوتی کہ حبشہ بھی گئی ہو۔ جہاں اس کے ہم وطن ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔" (۵)

پھر ہجرت حبشہ کے موقع پر آپ ﷺ کی طرف سے حبشہ کے حکمران نجاشی کے متعلق اس فرمان کہ "وہاں کا حکمران رحمدل ہے" سے بھی اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے حبشہ کا سفر کیا ہو۔ بیزنٹینی سلطنت کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات کے ضمن میں حضور اکرم ﷺ کے دادا ہاشم نے اہم کردار ادا کیا تھا جس نے قیصر روم کی طرف سے تجارتی پروانہ حاصل کیا تھا۔ مکہ والے ہر سال رحلتہ الشتاء اور رحلتہ الصيف کے نام سے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام (بیزنٹینی حکومت کے ماتحت

تھا) کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ بیزنٹینی حکومت آزاد تجارت کی حامی نہ تھی۔ عرب کاروانوں کے لئے چند منڈیاں مقرر تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقامات پر وہ آزادانہ نقل و حرکت نہ کر سکتے تھے۔ (۶) اسی طرح انہیں سونا اور ہتھیار اور اسی قسم کی بعض چیزوں کے برآمد کرنے کی قطعی ممانعت تھی اور سرحد پر ان کی بڑی سختی سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ مزید برآں ان سے متعدد ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔ چنانچہ رومی تجارت مکہ آتے تو ان سے اسی طرح ٹیکس وصول کیا جاتا جس طرح یونانی علاقے میں مکی تاجروں سے لیا جاتا تھا۔ (۷) بعض روایات کے مطابق حضور ﷺ کا بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ ایک کاروان کی معیت میں شام جانا ثابت ہے۔ پھر دوبارہ پچیس سال کی عمر میں خود بھی مال تجارت لے کر وہاں گئے۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کم از کم دو مرتبہ یمن اور ایک مرتبہ بحرین و عمان بھی تشریف لے گئے تھے۔ (۸) حضور ﷺ کے مذکورہ تمام سفر تجارتی منافع کے علاوہ بھی بہت دور رس اثرات کے حامل تھے۔ ان کے باعث ایک تو آپ ﷺ مختلف ملکوں کو جانے والوں راستوں اور ان کی جغرافیائی اہمیت سے واقف ہو گئے تھے اور اس وجہ سے ان اطراف ہونے والی مختلف جنگی کارروائیوں اور تبلیغی مقاصد کی خاطر قاصدوں کی روانگی میں آسانی ہوئی ہوگی۔

ایک کامیاب حکمران اور ماہر امور خارجہ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ارد گرد کے علاقوں اور ملکوں کے سیاسی و معاشی حالات سے واقفیت رکھے۔ ایک نئے دین کے دعویٰ دار ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر یہ ذمہ داری بھی تھی کہ وہ ان خطوں اور ممالک کے افراد کے مذہبی عقائد اور رجحانات پر بھی گہری نظر رکھیں۔ اس ضرورت کو آنحضرت ﷺ نے تجارت کی غرض سے میلوں میں شرکت اور مختلف ممالک میں قیام فرما کر اعلان نبوت سے پہلے ہی پورا کر لیا ہوگا۔ عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے میلوں میں آپ ﷺ کو مشہور شعراء کا کلام سننے کا موقع ملتا۔ اس کا آپ ﷺ موازنہ کرتے اور اس کے حسن و قبح کا جائزہ لیتے تھے۔ پھر یہودی اور مسیح خطیبوں کی تقاریر بھی اکثر و بیشتر یہیں سنی تھیں۔

ان تقاریر پر بھی غور و غوض کیا کرتے۔ چونکہ تجارتی میلوں میں عرب کے چاروں اطراف سے قبائل تجارت کیلئے آیا کرتے تھے اس لئے حضور ﷺ اس موقع کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے اور ان قبائل کے پڑاؤ میں جا کر اسلام کی دعوت دیتے۔ مؤرخین کے مطابق بیعت عقبہ سے قبل آنحضرت ﷺ پندرہ قبائل کے پڑاؤ میں تبلیغ کیلئے گئے تھے۔ ان میں سے کندہ عرب کے انتہائی مشرق میں آباد تھے۔ (۹) شام کے پہلے سفر میں آپ ﷺ سے بحیرانامی ایک راہب نے ملاقات کی تھی۔ جس نے آپ ﷺ میں نبی ہونے کی وہ تمام علامات دیکھیں جو عیسائیوں کی کتب میں مندرج تھیں۔ پھر اہل قافلہ کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ وہ آپ کو شام نہ لے جائیں مبادا وہاں کے یہودی علامات نبوی ﷺ دیکھنے کے بعد آپ ﷺ کو کوئی گزند نہ

پہنچائیں۔ ارضِ شام میں آپ ﷺ نے مسیحی پیشواؤں سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان سے صحفِ سماویہ، مجوسیت (دینِ زرتشت) اور مسیحیت کے بارے میں بہت کچھ سنا۔ اگرچہ آپ ﷺ کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن دل و دماغ کی پاکیزگی، کمالِ ہوشمندی، بالغ نظری اور ان تمام اوصاف و کمالات کا جو قدرت نے آپ ﷺ کے اندر ودیعت کئے تھے۔ یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ مشاہدات و مسموعات پر قانع نہیں ہو جاتے تھے بلکہ آپ ﷺ کا ذوقِ تجسس اور شوقِ تحقیق آپ ﷺ کو دل ہی دل میں یہ سوچنے پر آمادہ کرتا تھا کہ ان کی تہ میں کیا حقیقت مضمحل ہے؟ \_\_\_\_\_ (۱۰)

دوسری بار آنحضرت ﷺ خدیجہؓ کا مال لے کر شام گئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کے قریب تھی اس سفر میں ان کے حالات و واقعات پر جو شام کے پہلے سفر یا مکہ کے گرد و پیش میں آپ ﷺ کے علم و مشاہدہ میں آئے تھے پھر غور کرنے کا موقع ملا۔ شام پہنچے تو آپ ﷺ کو عیسائیوں سے سابقہ پڑا اور آپ ﷺ نے ان کے راہبوں اور قسیسوں سے مسیحیت کے بارے میں گفتگو کی۔ نسطوری مذہب کا ایک راہب آپ ﷺ سے ملا اور آپ ﷺ نے اس سے ایک دوسرے راہب کی معیت میں مسیحیت سے متعلق بحث و مذاکرہ کیا۔ (ان ایام میں نصاریٰ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے) (۱۱) اس ذریعے سے آپ ﷺ نے عرب کے اندر اور مختلف قبائل اور اردگرد کے سیاسی نظاموں اور حکمرانوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی ہوں گی اور یہ معلومات آپ ﷺ کو ان قبائل اور ممالک سے متعلق خارجہ حکمت عملی تشکیل دینے میں سود مند ثابت ہوئی ہوں گی۔ جیسا کہ بعض محققین نے تجارت کی غرض سے حبشہ جانا بھی ظاہر کیا ہے۔ شاید اسی ذریعے سے آپ ﷺ حبشہ کے حکمران نجاشی کی ذاتی خصوصیات کے متعلق واقف تھے کہ وہ نیک اور رحم دل حکمران ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قریشِ مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا تھا۔ گویا یہ فیصلہ آپ ﷺ کی حبشہ کے سیاسی حالات اور وہاں کے حکمران نجاشی سے متعلق مکمل آگاہی کی بنیاد پر کیا گیا تھا اور بعد میں حالات و واقعات کی رو سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ انتہائی درست بھی ثابت ہوا۔ گویا آنحضرت ﷺ خارجہ حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔

کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار کافی حد تک اس بات پر ہوتا ہے اس ملک کی عوام خوشحال ہوں اور ان کو تمام بنیادی سہولتیں میسر ہوں جس قوم کی اکثریت ہر وقت روٹی کے چکر میں رہے اسے نہ تو اعلیٰ تر حقیقتوں کا ذوق دیا جاسکتا ہے اور نہ وہ بڑے بڑے مقاصد کیلئے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دے سکتی ہے۔ مکہ سے ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل کی۔ اس نوزید مملکت کو بے شمار اقتصادی مسائل کا سامنا تھا۔ مکہ سے جو مسلمان ہجرت کر کے

مدینہ آئے تھے وہ اپنا سب کچھ لٹا کر آئے تھے اگر کسی کے پاس کوئی سامان تھا تو وہ ان کی مستقل کفالت کیلئے کافی نہ تھا۔ مدینہ کی مقامی آبادی زیادہ تر زراعت پیشہ تھی اس لئے یہاں مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین کیلئے روزی کمانے کے مواقع بھی نسبتاً کم تھے کیونکہ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ تھے۔ حضور ﷺ نے "مواخاۃ" کے اصول کے تحت انصار کو مہاجرین کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس طرح فوری طور پر مسلمان مہاجرین کسی سنگین اقتصادی صورت حال سے بچ نکلے۔ مگر عوام کی مستقل معاشی بہتری کا بندوبست کرنا باقی تھا۔ کسی بیرونی اقتصادی امداد کے امکانات معدوم تھے۔ ایک مکہ ہی تھا جہاں سے مہاجرین کی رشتہ داریوں کے سبب امداد ہو سکتی تھی۔ چونکہ قریش مکہ کے ظلم و ستم کے نتیجے میں ہی مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تھا اور قریش نے ان کا سب کچھ ضبط بھی کر لیا تھا اس وجہ سے قریش مکہ سے امداد کی امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ وہ الٹا مدینہ میں پناہ لینے والے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں اسلامی ریاست اپنی تشکیل کے چند سال کے اندر ہی ایک خوشحال معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ریاست مدینہ کے عوام کی اقتصادی حالت کو سنوارنے میں بہت سارے عوامل نے کام کیا مگر ہماری بحث صرف ان اقتصادی پہلوؤں سے ہے جو خارجی ہیں اور ریاست مدینہ کی اقتصادی بہتری میں اہم کردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف سرایوں اور غزوات سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت اہم اقتصادی عامل ہے۔ بعض محققین اور مستشرقین کے خیال میں "مالِ غنیمت" ہی کی وجہ سے مسلمانوں کے دن پھرے، ناداری اور مفلسی ختم ہوئی اور ان کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ یہ خیالات کہاں تک درست ہیں اس کیلئے ضروری ہے کہ تمام سرایوں اور غزوات سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی صحیح مقدار اور اس کی مالیت کا پتہ چلایا جائے پھر مدینہ کی آبادی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دیکھا جائے کہ اس معاشی عامل نے ریاست مدینہ کے مسلمانوں کی خوشحالی میں کیا اہم کردار ادا کیا ہے۔

ہجرتِ نبوی کے بعد کے دو برسوں کے درمیان ۲۳-۶۲۲ء کے زمانہ میں کل بارہ مہمیں مسلمان جانبازوں نے سرانجام دیں۔ ان میں صرف چار میں سے کچھ مالِ غنیمت حاصل ہوا اور ان چاروں میں سے صرف ایک میں مالِ غنیمت کو با مقصد یا وافر کہا جاسکتا ہے اور وہ غزوہ بدر تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو کسی حد تک وسیع مالی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ (۱۲) ۳ھ / ۲۵-۶۲۳ میں مسلم جانبازوں نے کل سات مہمیں سرانجام دیں جن میں صرف تین مہموں میں ان کو مالی یا اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔ اس برس کا پہلا مالِ غنیمت غزوہ الکرد میں حاصل ہوا اور ایک روایت کے مطابق پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا اور دوسری روایت کے مطابق سولہ سو (۱۶۸۰) اونٹوں پر۔ ایک اور اہم غزوہ اُحد تھا۔ جو اگرچہ فوجی

اور سیاسی اعتبار سے کافی دُور رس نتائج کا حامل تھا مگر مالی اور اقتصادی لحاظ سے خاص کر مالِ غنیمت کے لحاظ سے ناقابل ذکر مہمات میں آتا ہے۔ (۱۳) ہجرت کے چوتھے برس یعنی ۲۶-۶۲۵ء نے مسلم مجاہدین کو سات مہموں میں نبرد آزمائی کرتے دیکھا مگر ان میں سے صرف دو کسی حد تک مالِ غنیمت کے لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہوئیں۔ مالی منفعت والی پہلی مہم سریہ قطن تھا اور آخری نفع بخش مہم مدینہ کے ایک یہودی قبیلہ بنو نضیر کے خلاف غزوہ نبوی تھا۔ ہجرت کے پانچویں برس یعنی ۲۷-۶۲۶ء میں کل پانچ مہمیں پیش آئیں جن میں صرف تین میں ہی مسلمانوں کو غنیمت حاصل ہوئی۔ ربیع الاول / اگست میں رسول اکرم ﷺ کا غزوہ دومۃ الجندل دراصل کسی قبیلہ یا طبقہ کے خلاف فوجی کارروائی نہیں تھی بلکہ وہ کچھ شمالی قبیلوں کے ڈاکوؤں اور رہزنوں کی گوشمالی کی انتظامی کوشش تھی جنہوں نے اس علاقہ کے بازار اور شاہراہ تجارت کو پرخطر بنا دیا تھا اور کاروانوں کی آمد و رفت میں رخنہ ڈالا تھا۔ اس کارروائی کے نتیجے میں کچھ مویشی بطور غنیمت میں ملے تھے۔

ہجرت کے چھٹے سال (۶۲۷ مئی تا ۶۲۸ء) کو ہم سرایا کا سال کہتے ہیں کہ اس برس صرف سرایا ہی میں غنائم حاصل ہوئے تھے اگرچہ اس برس تین غزوات بھی پیش آئے مگر وہ سب کے سب خالی گئے۔ اٹھارہ سرایا میں سے صرف سات میں مسلمانوں کو مالی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ ۷۷ / مئی ۶۲۸ تا اپریل ۶۲۹ء میں کل چودہ مہمات وقوع پذیر ہوئیں۔ ان میں سے چھ غزوات تھے اور آٹھ سرایا۔ ان غزوات میں ایک خالصتاً مذہبی نوعیت کا پرامن مقاصد کیلئے تھا اور غزوۃ القضاء کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہے اس میں کسی غنیمت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ بہر حال اس برس کی بیشتر مہمات میں اموالِ غنیمت تھوڑے یا زیادہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں کی شکل میں ضرور حاصل ہوئے۔ اس سال کے پہلے غزوہ یعنی غزوہ خیبر میں مویشیوں، اسبابِ روزمرہ، زیوروں اور نقد رقوم کی صورت میں کثیر مال ملا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو مستقل ذریعہ آمدن کی ضمانت بھی فراہم ہو گئی۔ یہودانِ خیبر سے کافی بڑی تعداد میں ہتھیار بھی بطور غنیمت میں حاصل ہو گئے تھے۔

اگرچہ ۸ھ (۶۲۹-۳۰ء) میں تقریباً بیس مہمیں ترتیب دی گئیں مگر ان میں صرف چھ میں مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ نویں ہجری سال (۳۱-۶۳۰ء) کی زیادہ تر مہموں میں کچھ نہ کچھ ضرور ملا تھا۔ بعض میں مالِ غنیمت کی مقدار واقع تھی اور بعض میں محض نام بھر کی۔ (۱۴) ہجرت کے دسویں برس (۳۲-۶۳۱ء) کل ایک مہم یعنی سریہ حضرت علی بن ابی طالبؓ یمین کی جانب بھیجا گیا۔ جس نے مویشیوں، قیدیوں اور کپڑوں پر مشتمل کچھ مالِ غنیمت حاصل کیا۔ (۱۵) عہدِ نبوی کے وہ سالہ مدنی زمانے کی یہی کل مہمیں تھیں جن میں مالِ غنیمت ملا تھا۔ تمام غزوات اور سرایا کا ایک تجزیہ واضح کرتا ہے کہ ان میں صرف نصف

میں مالی فوائد حاصل ہوئے تھے اور ان میں سے بیشتر میں بہت سی حقیر مالی منفعت حاصل ہوئی تھی۔ ان میں مالی فوائد اور مستقل آمدنی کے اعتبار سے زیادہ وہ غزواتِ نبوی ﷺ تھے جو مدینہ منورہ اور شمالی علاقوں خیبر، فدک، تیما اور وادی القریٰ کے یہودیوں کے خلاف پیش آئے تھے۔ (۱۶) عجیب و غریب حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے جانی دشمن قریش مکہ سے بہت کم مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا حالانکہ ان کے کاروانوں کے تاخت کے افسانے تمام ابتدائی مؤلفین سیرت اور ان سے زیادہ جدید مؤرخین اسلام اور مستشرقین مغرب بانگِ دہل سناتے ہیں۔ ذیل میں تمام مہماتِ عہدِ نبوی کے اعداد و شمار دیئے جا رہے ہیں تاکہ اموالِ غنیمت کا ایک عملی تجزیہ پیش ہو سکے۔

سنہ	نمبر شمار	مہم سریہ یا غزوہ	مالِ غنیمت کا تخمینہ
۶۲۲-۲۳ء	۱	سریہ نخلہ	بیس ہزار درہم
=	۲	غزوہ بدر اکبر	ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم
=	۳	غزوہ بنو قینقاع	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
=	۴	غزوہ السویق	دو ہزار درہم
۶۲۳/۳ء	۵	غزوہ الکدر	بیس ہزار درہم
=	۶	سریہ قروہ	ایک لاکھ درہم
=	۷	غزوہ أحد	چھ سو سولہ درہم
=	۸	سریہ قطن	بارہ ہزار چار سو درہم
۶۲۵-۲۶/۵۴ء	۹	غزوہ بنی النضیر	تین لاکھ درہم
=	۱۰	غزوہ مرسیع	دو لاکھ درہم
۶۲۶-۲۷/۵۵ء	۱۱	غزوہ دومتہ الجندل	دس ہزار درہم
=	۱۲	غزوہ خندق	دو ہزار درہم
=	۱۳	غزوہ بنو قریظہ	سات لاکھ بیس ہزار درہم
۶۲۷-۲۸/۵۶ء	۱۴	سریہ القرطاء	
=	۱۵	سریہ الغمر	
=	۱۶	سریہ ذوالقصة	
=	۱۷	سریہ الحجوم	ستر ہزار درہم
=	۱۸	سریہ الطرف	

	سریہ فدک	۱۹	=
	سریہ بنی فزارہ	۲۰	=
	غزوہ خیبر	۲۱	۶۲۸-۲۹/ھ
چھ لاکھ پچاس ہزار درہم	غزوہ فدک	۲۲	=
	غزوہ تیما	۲۳	=
	غزوہ وادی القرئی	۲۴	=
	سریہ فدک	۲۵	=
دو لاکھ درہم	سریہ نجد	۲۶	=
	سریہ حیضہ	۲۷	=
	سریہ الجنباب	۲۸	=
	سریہ الکدید	۲۹	۶۲۹-۳۰/ھ
	سریہ السی	۳۰	=
پچاس ہزار درہم	سریہ موتہ	۳۱	=
	سریہ الحفرة	۳۲	=
	غزوہ فتح مکہ	۳۳	=
	غزوہ حنین	۳۴	۶۳۰-۳۱/ھ
بتیس لاکھ درہم	سریہ بیشہ	۳۵	=
	سریہ انفلس	۳۶	=
دو لاکھ پچاس ہزار درہم	سریہ دومتہ الجندل	۳۷	=
	سریہ الیمن	۳۸	۶۳۱-۳۲/ھ

میزان: کل مہمات: ۳۸ کل رقم: اکٹھ لاکھ ستاون ہزار درہم

مسلم معیشت کی بہتری میں غنائم کے حصہ و کردار اور رسول اکرم ﷺ کے غزوات اور سرایا کی اقتصادی اہمیت متعین کرنے میں چند اسباب، عوامل اور عناصر کا لحاظ از بس ضروری ہے۔

سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غنائم عہد نبوی کی مالیت کا مجموعی تخمینہ کتنے افراد و امت مسلمہ کو خورد و نوش اور دوسری ضروریات زندگی کی کفالت کیلئے کافی ہے؟ بعض شہادتوں اور روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اوسط درجہ کا بلکہ مختصر خاندان جو تین چار افراد پر مشتمل ہو اپنی ضروریات زندگی



کیلئے کم از کم سالانہ تین ہزار درہم کی رقم کا محتاج تھا۔ (۱۷) اور اتنی رقم میں بھی گزر بسر بہت معمولی درجہ میں جزری کے ساتھ ہی ممکن تھی۔ تو غنائم کے تخمینہ کی کل رقم باسٹھ لاکھ درہم محض دو ہزار چھیا سٹھ خاندانوں یا بارہ ہزار تین سو چھیا نوے سے لے کر چودہ ہزار دو سو اکتیس افراد کے صرف ایک سال کے اخراجات کیلئے کافی ہوگی۔ جب کہ مسلم آبادی محض شہر مدینہ کی حدود تک محصور نہیں تھی بلکہ وہ اس کے قرب و جوار کے علاقے میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ صدر مقام اور اس کے اطراف کے علاوہ دوسرے شہروں اور قصبوں اور قریوں میں مسلم آبادی موجود تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق و تفتیش کے مطابق کم از کم ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ کے آخری حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں قیام کیا۔ جبکہ عہدِ نبوی ﷺ کے آخری زمانے میں مسلمانانِ عرب کی تعداد پانچ سے دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ (۱۸) تاریخی شہادت کی رو سے عہدِ نبوی ﷺ کے وہ سالہ مدنی دور میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کی مالیت مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کی زیادہ سے زیادہ ایک تہائی آبادی کی صرف ایک سال کی ضرورت کی کفالت کر سکتی تھی۔ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کے ان تمام فوجی، نیم فوجی، مذہبی اور سیاسی مہمات کی تنظیم و ترتیب پر کافی مصارف برداشت کئے تھے اور بعض اوقات بہت سے خسارے بھی برداشت کرنے پڑے تھے۔ مختلف مہمات کے دوران پکڑے گئے قیدیوں کے انتظام و انصرام کے اخراجات بھی اس میں شامل تھے۔ بعض سرایا ایسے تھے جن کو صرف مسلمانوں کو نقصان ہی سے واسطہ پڑا تھا۔ اس لحاظ سے مسلم معیشت میں غنائم کے کردار کی اہمیت بہت کم ہو جاتی ہے جس کا دعویٰ مستشرقین نے کیا ہے۔ مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ اموالِ غنیمت نے مسلمانوں خصوصاً اہل مدینہ کی اقتصادی حالت بہتر بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا یا یہ کہ غزوات و سرایا نبوی کی کوئی اقتصادی اہمیت نہیں تھی صحیح نہ ہوگا۔ اسلام نے مالِ غنیمت کو نہ صرف حلال رکھا ہے بلکہ مسلمانوں کو اس سے متمتع ہونے کا پورا پورا حق دیا۔ (۱۹) البتہ رسول کریم ﷺ نے محض مالِ غنیمت کی خاطر جنگ سے منع فرمایا۔ بہر کیف آنحضرت ﷺ غنائم کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور اس کی تقسیم کا اس طرح بندوبست فرمایا کہ اس سے صرف مسلم مجاہدین ہی مستفید نہ ہوئے بلکہ عام مسلمانوں کی حالت سنوارنے میں بھی مدد ملی۔ خاص طور پر ابتدائی برسوں میں جب مسلمانوں کو مادی وسائل کی سخت ضرورت تھی۔

## تجارتی ناکہ بندی

ایک ملک کا جغرافیہ اس کی خارجہ پالیسی میں انتہائی اہم ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب وہ اہم بین الاقوامی تجارتی گذرگاہ پر واقع ہو۔ مدینہ سمندر سے صرف ۷۰، ۷۵ میل کے فاصلہ پر تھا شام و عراق

کے اہم علاقے اس کے بالکل سامنے واقع تھے۔ عرب کی عظیم ترین تجارتی شاہراہ اس کے سرے سے گزرتی تھی۔ قریش مکہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور ان کی تجارت کا زیادہ تر انحصار اسی راستے پر تھا جو مدینہ سے گزر کر شام کی طرف جاتا تھا۔ لہذا مدینہ کو سیاسی لحاظ سے ایک نمایاں مقام حاصل تھا اور اس وجہ سے مکہ اور مدینہ کے بڑے بڑوں میں دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ حج کرنے کیلئے مکہ آئے اور اپنے دوست قریشی سردار امیہ بن خلف کے ہاں قیام کیا۔ یہ دونوں حضرات کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے ابو جہل نے سعد بن معاذ کو کہا کہ اگر تم امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو میں تمہیں ختم کر دیتا تو اس کے جواب میں سعد بن معاذ نے یہ ہی جواب دیا تھا کہ ہم تمہاری تجارت کی شہ رگ کاٹ کر تمہارے ناک میں دم کریں گے۔ (۲۰) آنحضرت ﷺ نے یحییٰ بن یحییٰ اور مدینہ کی طرف اور جوانی میں دوبارہ شام کی جانب جو سفر کئے تھے اس کے دوران میں آپ ﷺ نے مدینہ کی جغرافی اور سیاسی اہمیت سمجھ لی تھی اور قریش کی تجارتی شاہراہ کے ہر بیچ و خم سے آپ ﷺ واقف تھے۔ دوسری طرف آپ ﷺ صرف قریش کا ایک قریبی فرد ہونے کی بنا پر بلکہ خود تا جرہ کر اور کاروانوں میں شریک ہو کر قریش کی معیشت کے سب سے بڑے تجارتی ذریعہ سے آگاہ تھے۔ قریش کو شام و عراق کی شاہراہ پر تجارت سے ۱/۲-۲ (اڑھائی) لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی تھی۔ (۲۱) مسلمانوں کو چونکہ قریش نے ہی مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا اور مدینہ میں پہنچ کر وہ اپنی ایک ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بھی قریش مکہ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تھا اور ریاست مدینہ کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کیلئے بندوبست کرتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اقتصادی ہتھیار استعمال کرتے ہوئے قریش کی ناکہ بندی کی جائے تاکہ ان کو یہ احساس دلایا جائے کہ ان کے اہم اقتصادی مفادات اب اسلامی ریاست سے وابستہ ہو چکے ہیں اور اس ریاست سے بہتر تعلقات قائم کیے بغیر ان کی تجارت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ ہجرت کے ساتویں ماہ رسالت مآب ﷺ نے امیر حمزہ بن عبدالمطلب کی قیادت میں تیس آدمیوں کا ایک دستہ عیص کی جانب ساحل سمندر کی طرف روانہ کیا تاکہ شام سے آنے والے قریشی تجارتی قافلے کو روکا جائے۔ یہ قافلہ تین سو افراد پر مشتمل تھا اور ابو جہل میر کارواں تھا۔ مسلمان درختوں کی جانب سے ساحل سمندر کی طرف پہنچے اور ٹڈ بھینٹ کیلئے تیار ہو گئے لیکن مجدی بن عمرو جہنی جو مسلمانوں اور قریش دونوں کا حلیف تھا، نے بیچ بچاؤ کر دیا اس طرح قریش کا قافلہ امن و امان سے مکہ چلا گیا۔

ماہ شوال میں آپ ﷺ نے عبیدہ بن حارث کو ساٹھ افراد کی قیادت میں وادی رابغ کی طرف روانہ کیا۔ قریش سے ان کی ٹڈ بھینٹ احمیاء نامی ایک چشمے، جو مثنیہ المرۃ کے دامن میں واقع ہے پر

ہوئی۔ اس سر یہ میں باقاعدہ لڑائی ہوئی نہ تلوار زنی ہوئی صرف تیر اندازی کی گئی۔ ذیقعدا ہجری میں آپ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں ۸۰ افراد کا ایک دستہ ضرار کی طرف روانہ فرمایا۔ (۲۲) پانچویں دن علی الصبح یہ دستہ ضرار پہنچا۔ قریش کا قافلہ ایک دن پہلے ہی اس قیام سے گزر چکا تھا اس لئے بغیر کسی مقابلے ہی لوٹ آیا۔

ربیع الاول ۲ ہجری میں آنحضرت ﷺ خود قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے دو سو افراد کی معیت میں کوہ رضوی کے دامن میں واقع ایک مقام بواط پہنچے۔ (۲۳) قریشی قافلے کی قیادت امیہ بن خلف کے سپرد تھی۔ یہ ایک سوشم شیر بکف اور اڑھائی ہزار اونٹوں کے گلہ پر مشتمل تھا۔ امیہ بن خلف اپنے قافلے کو دوسری راہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ (۲۴) جمادی الاول ۲ ہجری (اکتوبر ۶۲۳ء) کے آخری ایام میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں مکہ کی طرف سے شام کو جا رہا ہے۔ تعاقب کی غرض سے دو سو افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے وادی ینوع میں عیشہ نامی مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ راستہ بدل کر نکل گیا ہے۔ ہجرت کے سترہویں مہینے رجب میں عبداللہ بن جحش اسدی کو آٹھ افراد کے ساتھ وادی نخلہ کی طرف بھیجا گیا۔ نخلہ پہنچنے پر قریش کے تجارتی قافلے سے سامنا ہو گیا۔ باقاعدہ لڑائی میں قافلے کا شریک عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور سامان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ عبداللہ بن جحش سامان اور دو قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ماہ حرام میں مقابلہ سے بے زاری کا اظہار فرمایا اور خمس لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جو واقعہ جنگ بدر کا پیش خیمہ بنا وہ بھی اقتصادی نوعیت کا ہے۔ نخلہ کے واقعات کے بعد قریش انتقام کی آگ میں بھڑک رہے تھے۔ انہی دنوں رسالت مآب نے سنا قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک دستہ خبر رسائی کیلئے روانہ فرمایا۔ ابوسفیان بھی بے خبر نہ تھا اور ایک قاصد اہل مکہ کو اطلاع کرنے کیلئے بھیج دیا کہ قافلے پر حملے کا خطرہ ہے۔ ابوسفیان قافلے کو صحیح سلامت مکہ پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے باوجود ابو جہل ایک ہزار سو ماؤں کی قیادت کرتا ہوا مدینہ کی طرف چل پڑا۔ نتیجتاً غزوہ بدر کا واقعہ ہوا۔

قریش بدر سے پہلے احمر کے ساتھ ساتھ شام کو تجارتی قافلے لے جایا کرتے تھے لیکن اب انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کر لیا۔ جمادی الآخر ۳ ہجری کو قریش کے ایک قافلے کی اطلاع ملنے پر آپ ﷺ نے زید بن ثابت کو ایک سو افراد کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ زید نے نجد کے چشموں میں سے القروہ نامی ایک چشمے پر قافلے کو جالیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ سارا سامان لگا۔ اس میں زیادہ تر چاندی تھی۔ رجب ۸ ہجری میں امیر ابو عبیدہ بن جراح کو تین سو سواروں کے ہمراہ قریش کے ایک قافلے کا تعاقب

کرنے کیلئے سیف الحجر کی طرف بھیجا۔ یہ جماعت بیس دن سمندر کے کنارے ٹھہر کر واپس آگئی۔ (۲۵) کیونکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کی توجہ منتشر کی جائے۔

قریش کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی پالیسی کے تحت حضور ﷺ نے مدینہ کے گرد و نواح میں واقع بہت سے قبائل کو باقاعدہ معاہدات کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ چنانچہ قبائل جہینیہ، بنو ضمہرہ، بنو مدلج، بنو شجع، بنو غفار وغیرہ کے ساتھ معاہدات کے بعد آنحضرت ﷺ کیلئے قریش کی تجارتی شہ رگ کو کاٹنا آسان ہو گیا تھا۔

آپ ﷺ کے نزدیک قریش کی ناکہ بندی کے دو اہم مقاصد پیش نظر تھے۔ ایک یہ کہ دشمن معاشی لحاظ سے کمزور ہو دوسرے وہ منافع جو فوری طور پر مصارف جنگ کی صورت میں مسلمانوں پر ہی استعمال ہونے والا تھا اس کا قصہ ختم ہو جائے۔ تجارتی ناکہ بندی کو کامیاب بنانے کیلئے گہرے تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اس وقت کی جانی چاہئے جب انسان اس سے پیدا ہونے والے رد عمل کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح تیار ہو۔ نیپولین بونا پارٹ جو مغربی دنیا کا عظیم جرنیل سمجھا جاتا ہے نے بھی برطانیہ کی تجارت کی ناکہ بندی کی تھی جسے کانٹی نینٹل سسٹم بھی کہا جاتا ہے۔ برطانیہ کے پاس مضبوط بحری بیڑا بھی تھا اور اونی مصنوعات، چینی، چائے، قہوہ اور دیگر کئی اشیاء پر اس کی اجارہ داری تھی۔ نیپولین نے پہلے تو برطانوی درآمدات کو حکماً ممنوع قرار دیا پھر اپنے دوست ممالک پر زور ڈالا کہ وہ بھی برطانوی مصنوعات اپنے اپنے ہاں ہرگز درآمد نہ کریں۔ یہ ایک ایسی پابندی تھی جس پر زیادہ دیر تک عمل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فرانس اور اس کے دوست ممالک کی تجارت بحران کا شکار ہوگئی۔ دوسری طرف برطانیہ نے جو ابی کارروائی کے طور پر ان ممالک کی ناکہ بندی کر دی تو نیپولین اور اس کے حامی سخت مجبور ہو گئے۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ فرانس کے حلیف ممالک اسی وجہ سے اس سے کٹ گئے اور دشمن بن گئے۔ خود نیپولین کا یہ حال تھا کہ اسے فوج کیلئے ہزار ہا کی تعداد میں سمگل شدہ برطانوی کمبل بلیک میں اونچے نرخوں پر خریدنا پڑے اور اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس کے زوال کے اسباب میں ایک بڑا سبب اسی کی تجارتی ناکہ بندی تھی۔ (۲۶) ۱۹۷۹ء میں سوویت فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کیا تو رد عمل کے طور پر امریکہ نے سوویت یونین کو گندم کی سپلائی روک دی اور دیگر یورپی ممالک پر بھی ڈباؤ ڈالا کہ وہ ایسا کریں۔ اس سے امریکی کاشتکاروں اور تاجروں کا کاروبار متاثر ہوا تو اس کے خلاف حکومت پر دباؤ ڈالا۔ مجبور ہو کر امریکی حکومت نے یہ پابندی ختم کر دی۔

نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ نے قریش مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کا نہ صرف کامیابی سے بندوبست کیا بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا۔ اتفاق کی بات یہ کہ رواں صدی

میں نے اپنے دل سے یہی خواہش کی تھی کہ میں اپنے ہاں سے ہجرت کر کے  
 جاپان جاؤں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی  
 ہے اور وہیں مسلمانوں کو ہر طرح کی ترقی و ترقی کی سہولت ہے۔  
 میں نے اپنے دل سے یہی خواہش کی تھی کہ میں اپنے ہاں سے ہجرت کر کے  
 جاپان جاؤں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی  
 ہے اور وہیں مسلمانوں کو ہر طرح کی ترقی و ترقی کی سہولت ہے۔

میں نے اپنے دل سے یہی خواہش کی تھی کہ میں اپنے ہاں سے ہجرت کر کے  
 جاپان جاؤں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی  
 ہے اور وہیں مسلمانوں کو ہر طرح کی ترقی و ترقی کی سہولت ہے۔

میں نے اپنے دل سے یہی خواہش کی تھی کہ میں اپنے ہاں سے ہجرت کر کے  
 جاپان جاؤں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی  
 ہے اور وہیں مسلمانوں کو ہر طرح کی ترقی و ترقی کی سہولت ہے۔  
 میں نے اپنے دل سے یہی خواہش کی تھی کہ میں اپنے ہاں سے ہجرت کر کے  
 جاپان جاؤں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی  
 ہے اور وہیں مسلمانوں کو ہر طرح کی ترقی و ترقی کی سہولت ہے۔

بعض معاندین اسلام نے آنحضرت ﷺ کی تجارتی ناکہ بندی پر الزام لگایا کہ مسلمانوں کا مقصد محض لوٹ مار حاصل کرنا تھا۔ اس الزام کا اصل جواب تو یہ ہے کہ جن حالات میں آنحضرت ﷺ نے قریش کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی تھی ایسے حالات میں آج کی کوئی بھی مہذب ترین حکومت بھی ملحقہ شاہراہوں، پانیوں اور فضاؤں سے دشمن سلطنت کو سلامتی سے گزر جانے کا موقع نہیں دے سکتی۔ ہوائی جہاز مار گرائے جاتے ہیں۔ بحری جہازوں کو پکڑ لیا جاتا ہے یا تار پیڈو کر دیا جاتا ہے، سرمائے ضبط کر لئے جاتے ہیں۔ ڈاک روک دی جاتی ہے۔ تجارتی متبادلہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر مدینہ کی ریاست کیلئے یہ انفرادی رائے کیوں قائم کر لی گئی کہ وہ اپنے دشمنوں کو اس کے باوجود ختم کرنے کی کھلی چھٹی دے۔ جب یہ حقیقت واضح ہے کہ تجارتی شاہراہ ایسے علاقوں سے گزرتی تھی جو معاہدانہ تعلقات کی بناء پر مدینہ کے زیر نگیں علاقے تھے تو آخر اسلامی حکومت کیوں اپنے علاقوں سے حریف طاقت کو گزرنے کا موقع دیتی۔ (۲۸) مزاحمتی کارروائیوں کو لوٹ مار کا الزام دینا اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ (۱) اگر لوٹ مار ہی مقصد ہوتا تو قریش کے تجارتی قافلوں کی تخصیص کیوں تھی۔ تجارتی قافلے تو یمن سے بھی روانہ ہوتے تھے ان کی کبھی ناکہ بندی نہیں کی گئی۔ (۲) لوٹ مار کو اسلامی نقطہ نظر سے حرام قرار دیا گیا، یہ مالِ غنیمت کی تعریف میں نہیں آتا (۳) جو لوگ غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کیلئے گھر سے باہر نکلتے ہیں وہ جلد از جلد اپنے مستقر پر واپس آ جاتے ہیں کیونکہ انہیں خوف ہوتا ہے مبادا دشمن یہ مالِ غنیمت ہم سے چھین نہ لے۔ وہ ہفتوں تک خطرات میں باہر قیام نہیں کرتے جیسا کہ مسلمانوں نے کیا۔ دیارِ بنو سلیم میں پہلی بار مسلمان تین دن تک ٹھہرے اور دوسری مرتبہ دو ماہ تک اسی طرح دیارِ بنو ثعلبہ اور بنو محارب میں ان کی مدتِ قیام پورا ایک مہینہ تھی۔ اتنی لمبی مدت تک۔ غارت گراور لٹیرے اور مالِ غنیمت کے رسیا قیام کرنے کی جرات کیسے کر سکتے ہیں؟ (۲۹) پھر رسول اللہ ﷺ مکہ والوں کی تجارتی ناکہ بندی کر کے ان کو بھوکا نہیں مارنا چاہتے تھے یا اپنے اوپر کئے گئے ظلم کا بدلہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ وہ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ضرورت کے وقت مکہ کی مالی مدد بھی کی۔ فتحِ مکہ سے پہلے وہاں سخت قحط پڑا تو آنحضرت نے ابوسفیان کے پاس پانچ سو اشرافیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکہ کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرے۔ صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث قریش کی تجارت سخت متاثر تھی۔ ابوسفیان کا روزگار بھی تجارت ہی تھا۔ حضور ﷺ نے اسے مدینہ کی کھجوروں کی ایک بڑی تعداد بھیجی اور معاوضے میں طائف کا چمڑا طلب فرمایا جس کا اسٹاک شامی بندش کی وجہ سے ابوسفیان کے پاس پڑا پڑا خراب ہو رہا ہوگا۔ (۳۰) مکہ سے غلہ کی درآمد مشرقی عرب خاص کر یمامہ سے ہوا کرتی تھی۔ یمامہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثالی نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حکم دیا کہ اس علاقے

سے اب غلہ مکہ کو برآمد نہ کیا جائے۔ مکہ والے پیٹ سے مجبور ہو گئے اور جناب رسالت مآب کو رشتہ داری اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر خط لکھا کہ یمامہ سے غلے کی مکے کو برآمد کی ممانعت منسوخ کر دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس اقتصادی امداد کو اسلام کی تالیفِ قلبی کے اصول کے تحت آنحضرت ﷺ کی خارجہ حکمت عملی کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک ایسی امداد کا مقصد یا ضرورت اس لئے رہتی ہے کہ

- ۱۔ دشمن کو دوست اور مددگار بنانے کیلئے
- ۲۔ یا کم از کم غیر جانبدار ہو جانے کیلئے
- ۳۔ اور دوستوں کو انعام دے کر مزید اور عظیم تر کارگزاریوں پر آمادہ کرنے کیلئے
- ۴۔ نیز دیگر دوستوں کو ترغیب و تشویق دلانے کیلئے
- ۵۔ یا ڈھمکل لوگوں کو تائید میں مستحکم کرنے کیلئے
- ۶۔ یا مماثل مصالح کیلئے (۳۱)

بالآخر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مستشرقین مغرب آپ ﷺ کی تجارتی ناکہ بندی کی بابت جو الزام تراشیاں کرتے ہیں وہ بلا جواز ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے نزدیک انسانیت کو بھوک و ننگ اور مصیبتوں سے محفوظ و مامون رکھ کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا تھا۔ یہ مقصد بھی اسلام کے پیغام اور دین کے غلبہ کی صورت میں انسانیت ہی کی بھلائی کیلئے تھا! —



## حوالہ جات باب ہشتم

- ۱- کتاب الحجر، ص ۲۶۳۔
- ۲- عرب تمدن، ص ۱۴، ۱۴۴۔
- ۳- ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۱۲۱۔
- ۴- لامنس کی فرانسیسی کتاب مکہ بوقت ہجرت"، ص ۱۲۹، ۱۳۰۔ بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی
- ۵- ایضاً، ص ۱۲۲۔
- ۶- Lawman, La Meeque a Lave, lledel, Hegire, p 129.
- ۷- ازرقی، اخبار مکہ، ص ۱۰۷۔
- ۸- شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، جلد اول، حالات قبل نبوت، مسند احمد بن حنبل، جلد ۴، ص ۲۰۶۔
- ۹- ڈاکٹر حمید اللہ، "عہد نبوی میں نظام حکمرانی"، ص ۲۴۰۔
- ۱۰- محمد حسین ہیکل، "سیرۃ الرسول ﷺ"، ص ۱۴۷-۱۴۸۔
- ۱۱- ایضاً، ص ۱۵۶۔
- ۱۲- نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۲، ص ۶۰۸۔
- ۱۳- ایضاً، ص ۴۰۹۔
- ۱۴- ایضاً، ص ۶۲۳۔
- ۱۵- ایضاً، ص ۴۲۵۔
- ۱۶- واقدی، ص ۶۳۵۔
- ۱۷- ڈاکٹر حمید اللہ، "محمد رسول اللہ ﷺ" (انگریزی، حیدرآباد دکن ۱۹۷۷ء) ص ۸۰، بحوالہ نقوش، جلد ۲، ص ۵۸۹۔



- ۱۸۔ قرآن کریم، سورہ انفال۔ آیت اوغیرہ۔
- ۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔
- ۲۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، جلد ۲، ص ۱۲۱۔
- ۲۱۔ تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۱۵۰۔
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔
- ۲۳۔ محمد صدیق، "رسول اکرم کی سیاست خارجہ"، ص ۶۵۸۔
- ۲۴۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۷۷۶۔
- ۲۵۔ پروفیسر شمس الدین، "جدید تاریخ یورپ"، (نڈرسنز، لاہور ۱۹۶۱) "ص ۲۶۳-۲۶۵۔
- ۲۶۔ نیویارک ٹائمز، اپریل ۱۹۷۳، نمبر ۱۶۔
- ۲۷۔ نعیم صدیقی، "محسن انسانیت" ص ۳۸۴۔
- ۲۸۔ سید شمیم حسین قادری، "اسلامی ریاست" ص ۳۴۹۔
- ۲۹۔ رئیس احمد جعفری، "آنحضرت بحیثیت سپہ سالار" ص ۱۸۳۔
- ۳۰۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۶۳۔
- ۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی" ص ۲۵۷۔

## رسول اللہ ﷺ اور عالمی امن کا قیام

بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت عالمی امن کی تباہی کے اسباب

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں امن کی حالت انتہائی مخدوش تھی۔ اس وقت کی دو متمدن اور طاقتور سلطنتیں روم و فارس برسوں سے باہم برسرِ پیکار نظر آتی ہیں اور ایک دوسری کو نیچا دکھانے کیلئے بڑی سے بڑی جنگ سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ بڑی طاقتوں کی یہ معرکہ آرائیاں انہی تک محدود نہ تھیں بلکہ ان میں ان کی حلیف اور سرحدی ریاستوں کو بھی ملوث ہونا پڑتا۔ اس طرح بڑی طاقتوں کی خانہ جنگی پورے عالمی امن کو تباہ کئے ہوئے تھی۔ یہی نہیں بلکہ خود ان ریاستوں کے اندر بھی امن و سلامتی کی فضا موجود نہ تھی۔ کبھی سیاسی ابتری کی وجہ سے فتنہ و فساد پھیلتا، کبھی ہوسِ اقتدار کے سبب خونریزی ہوتی تو کبھی مذہبی تعصب کی بناء پر ایک طبقے کو تہ و تیغ کیا جاتا۔ جزیرہ عرب کے رہنے والے قبائل اپنی معاشی ضروریات کے پیشے نظر لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے اور کاروانی راستوں پر خطرہ بنایا ہوا تھا۔ نیز معمولی معمولی جھگڑوں کی بناء پر باہم لڑائیوں سے باز نہ آتے تھے۔ بلکہ یہ لڑائیاں انتقام در انتقام طویل خونریز جنگوں میں بدل جاتیں۔ گویا فتنہ و فساد، ظلم و ستم اور بد امنی کی فضا ہر خطے میں موجود تھی۔ (۱) ایسی فضا کیوں پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے کئی ایک محرکات تھے۔

### ۱۔ دولت کا ارتکاز

جس معاشرے میں دولت کی گردش رک جائے اور وہ چند ہاتھوں میں مجتمع رہے تو اس معاشرے میں امیر و غریب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے سبب ایک محدود طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن دیگر عوام غربت و افلاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ معاشی طبقہ واریت معاشرے کے امن کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ روم و فارس کی اقتصادی حالت کا جو نقشہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کھینچا ہے وہ صحیح اور حقیقت پسندانہ ہے۔ ان کے مطابق:

" جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنا لیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطانیت ان پر غالب آگئی تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش کے دن گزاریں چنانچہ ان میں سے ہر شخص دادِ عیش دینے لگا۔ ان کے اس طرزِ زندگی کو دیکھ کر دنیا کے ہر گوشہ سے علماء اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لئے سامان مہیا کرنے کی غرض سے عجیب عجیب دقیقہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں کرنے لگے اور نئے نئے اسبابِ زینت کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست امراء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا تھا اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ "

" ایسے ہی انہوں نے عالیشان سربفلک محل، اعلیٰ درجہ کے آبن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کیلئے خوبصورت غلام اور باندیاں اپنی زندگی کے لوازم بنائے اور مقصدِ حیات صرف یہ سمجھ لیا کہ صبح شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں۔ طرح طرح کے کھانے وسیع دسترخوانوں پر چنے ہوں اور وہ لباسِ فاخرہ پہنے اس پر بیٹھے ہوں۔ غرض ان ملوکِ ایران و روم کی داستانِ یاستان کہاں تک بیان کی جائے۔ تم اپنے زمانے کے بادشاہانِ دہلی کی جو حالت دیکھتے ہو وہی ان ملوکِ ایران اور روم کی حالت کا قیاس کرنے کیلئے کافی ہے۔ "

" بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشیانہ زندگی سے بہت خطرناک معاشی اور معاشرتی امراض پیدا ہو گئے جو حیاتِ معاشری کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئے۔ ان سے نہ شہری محفوظ رہا نہ دیہاتی نہ امیر اور نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت

کا حل یہ تھا کہ یہ سامانِ تعیش کثیر زر و مال صرف کئے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے کے لگے ہوئے ٹیکسوں میں اضافہ کئے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے وصول کئے جاتے تھے۔ اگر وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے تھے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی تھی۔"

جان بی۔ فرتھ اسکوائر نے اپنی کتاب "قسطنطنین اعظم" میں رومی بازنطینی سلطنت کے نظامِ محصول بندی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"خلاصہ یہ کہ اس سخت محصول بندی سے صوبجات کے زمیندار اور چھوٹے کاشتکار بالکل ہی فنا ہو گئے۔ قسطنطنین کے زمانے میں بالخصوص اس کے آخری دورِ حکومت میں اس بات کی شہادت بکثرت موجود ہے کہ صوبجات کے گورنر جس طرح چاہتے تھے رعایا پر جبر کریں۔ ظاہر ہے کہ اس محصول نے رعایا پر بڑی سختیاں پیدا کی تھیں۔ ہر ایک علاقے میں جس قدر سرمایہ پس انداز لوگوں کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور کاشتکار بالکل تباہ ہو گئے۔ اس سختی کی وجہ سے رعایا میں جات بندی کا طریقہ نکل آیا اور اس طریقہ کی سختیاں خزانہ شاہی کی ضروریات کے مطابق بڑھتی گئیں اور آزاد کاشتکار جو پہلے کسی کے غلام تھے نہ نوکر بالکل ہی بگڑنے لگے۔ جب مفلسی بڑھی تو امیروں کے غلام نہیں تو ادنیٰ رعیت بن کر کاشتکاری کرنے لگے اور پھر یہ ادنیٰ پیشہ ان کی ذات ہو گئی۔ یہ کاشتکار گو غلام نہ تھے لیکن اپنی مرضی سے نقل و حرکت پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ جس وقت ان غریبوں کا حق ملکیت زمین سے اٹھ گیا تو پھر دوسروں کے

نوکر اور بندے ہو گئے۔ اس حال میں جو کچھ زمین سے پیدا کرتے تھے اس کا ایک مقرر حصہ مالک کو دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں مالک کی سکونت ہوتی وہاں جا کر چند مقرر ایام تک بیگار میں کام کرتے تھے۔ غرض ان کاشتکاروں کی حالت کو جن کو لونس کہتے ہیں رفتہ رفتہ ایسے غلاموں کی ہو گئی جن کو پوری آزادی نہ ملی ہو بلکہ غلامی اور آزادی کی درمیانی حالت میں ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ اب وہ محض سرف (Serf) رہ گئے تھے۔"

یورپ میں اسپین کی حالت بالخصوص نہایت اہتر تھی۔ امراء جنہیں رومی شہنشاہوں کے تحت تمام اعلیٰ مناصب اور عہدے حاصل تھے ہر قسم کے محصول سے بری قرار دیئے گئے۔ یہ لوگ نہایت شاندار محلات میں رہتے۔ غلاموں اور کنیزوں کا ایک جم غفیر ان کی مشایعت کیا کرتا تھا۔ ان کا زیادہ وقت حماموں میں گزرتا جو بد اخلاقیوں کے اڈے بن گئے تھے۔ ان کی دولت و ثروت اور اعلیٰ معیار زندگی کے مقابلہ میں عوام الناس کی حالت نہایت شکستہ اور قابلِ رحم تھی۔ متوسط طبقے اور شہروں اور دیہاتوں کی آزاد آبادی رومیوں کے ظلم و ستم سے تنگ تھی۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ وحشی اقوام کے حملوں نے ملک میں اور زیادہ اہتری پھیلا دی۔ انہوں نے ہر طرف قتل عام اور تباہی کا بازار گرم کر دیا اور ہزاروں عورتوں، بچوں اور پادریوں کو غلام بنا لیا۔

## (۲) قوم پرستی

توریت کی گرمی، زبور کی شاعری، انجیل کی نرمی بھی دنیا میں آچکی تھی وید کی تقسیم انگیزی کا تجربہ بھی انسان کر چکا تھا۔ کنفیوشیس کی تعلیم بھی رائج ہو چکی تھی۔ کاوٹیلیا کی ارتھ شاستر، ارسطو کی پالیٹکس، مہا بھارت اور الیڈ واڈیے جیسی کتابیں بھی لکھی جا چکی تھیں۔ لیکن دنیا میں امن قائم نہ ہو سکا تھا اور نہ انسان کو انسانیت بخشی جاسکی تھی کیونکہ یہ تمام کوئی ایسا نظریہ ہی نہ دے سکے جو انسان کی عظمت پر پورا اترتا۔ بلکہ مختلف قسم کی طبقہ واریت اور عصبیتیں پیدا کر کے رکھ دیں جن کی بنا پر ہمیشہ انسانوں کے درمیان نفرتیں ہی پیدا ہوئیں اور امن عالم تباہ و برباد ہوا۔ ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوئے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا فخر تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے اور اسی بنا پر عربی اور عجمی کا فرق پیدا ہوا۔ فرانسیسی تاریخ دان

موسیو سید یو کے مطابق " عربوں کے کلام میں حُسن و خوبی پیدا کرنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ یہی سبب ہے ان کو اپنی زبان پر بجا طور پر ناز تھا اور اسی خوش بیانی میں وہ باہم غالب و مغلوب ہوا کرتے تھے۔ "

عام انسانوں کا فطری مزاج ہے کہ نہ وہ دوسروں کا احسان یاد رکھتے ہیں اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف بھولتے ہیں۔ اگر ان کے اندر عفو و درگزر سے کام لینے کا حوصلہ نہ ہو تو یہ مزاج انتقام در انتقام کے طویل سلسلے کو جنم دیتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ کے آغاز پر عرب کے قبائل کی جنگوں کا ایک سبب نہ ختم ہونے والا یہی جذبہ انتقام تھا۔ عرب قبائل میں یہ ہی نہیں بلکہ ایران و روم کی ہزار سالہ کشمکش اور ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کشاکش بھی ایسی ہی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان کو ہر طرح سے ایذا رسانی پہنچائی گئی حتیٰ کہ قتل تک کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مسلمانوں کی جائیداد تک ضبط کر لی گئی۔ پھر انتقام کے جذبہ کے تحت بدر، احد اور خندق میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے رفیقوں کو نیست و نابود کر دینے کی غرض سے چڑھ دوڑے۔

### (۳) عدم مساوات

معاشرے میں وہ طبقے ہمیشہ باغیانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جن کے ساتھ غیر مساویانہ اور ظلم و ستم کا سلوک روا رکھا جائے۔ نتیجتاً بد امنی و انتشار اور بغاوت جنم لیتی ہے۔ نبوت محمدؐ کے وقت پورے عالم میں کسی نہ کسی طرح ایک ہی آدم و حوا کی اولاد کی مختلف درجات میں تقسیم کر کے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ہندوستان میں جب آریہ حملہ آور پنجاب سے آگے بڑھے تو ان کے مذہبی طبقات نے مفتوحہ آبادی کو الگ تھلگ رکھنے کیلئے نہایت سخت قواعد وضع کئے۔ اگر مفتوح آبادی کا کوئی فرد فاتح طبقے کے کسی شخص کو چھو لیتا تو اس کو مذہباً ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ ذاتوں کے مذہبی رسوم و شعائر شودروں کیلئے بالکل ممنوع تھے۔ شودروں کو یہ اجازت تو ضرور تھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی یاد میں قربانیاں کریں لیکن ان مراسم میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ اگر لیتا تو اسے سخت سزاؤں کا مستوجب قرار دیا جاتا تھا۔ شودروں کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جاتا، گرم لوہے سے داغا جاتا محض اس وجہ سے کہ انہوں نے کسی برہمن کو وید پڑھتے سُن لیا یا اس کی نشست پر بیٹھ گئے تھے۔ ایران میں شاہی خاندان، مذہب کے نمائندوں اور بعض اوپر والے طبقوں کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے کر واضح طور پر دو طبقے پیدا کر دیئے گئے تھے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ زن و مرد کے درمیان بھی عدم مساوات تھی جو عرب کے علاوہ ہندوستان کے اندر بھی شدت سے موجود تھی۔ یہاں اس وقت عورت سے متعلق مختلف زبانوں کی امثال کا

ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چینیبوں میں مثل ہے کہ اپنی بیوی کی بات تو سننی چاہیے لیکن اس پر یقین ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ روسی مثل ہے دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ "اطالیوں کا قول ہے" گھوڑا اچھا ہو برا، اسے مہینز کی ضرورت ہے، عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہوتی ہے۔ "اپینی زبان میں مثل ہے۔ "بری عورت سے بچنا چاہئے مگر اچھی صورت پر بھی کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہنود، یونانی اور رومی قوانین اس سے کوئی کم نہیں ہیں۔ روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جا برانہ تھی۔ عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا کوئی حصہ معاشرے میں نہ تھا۔ قانون یونان میں انہیں کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا یہاں تک کے حق وراثت بھی نہیں دیا گیا تھا۔ عربوں کے نزدیک تو کسی عورت کو زانیہ کہنے کیلئے اس قدر کافی تھا کہ وہ کسی فرد کے ساتھ اتنی علیحدہ رہے جتنی دیر میں ایک انڈا ابالا جاسکتا ہے۔" (۲) ایران میں مرد ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی اور قانونی گرفت سے آزاد تھا۔ وہ خون کے قریب ترین رشتوں سے شادی کر سکتا تھا اور جتنی بیویوں کو چاہتا طلاق دے سکتا تھا۔ عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کی رسم صرف ایرانیوں تک محدود نہ تھی بلکہ آیونی یونانیوں (Ionian Greeks) میں عورتوں کو گھروں میں بالکل مقفل رکھا جاتا تھا اور انہیں کسی حالت میں باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایران میں زمانہ قدیم سے یہ دستور تھا کہ عورتوں کی حفاظت کے لئے مردوں کو ملازم رکھا جاتا تھا نیز نہ صرف مذہباً جائز قرار دے دیا گیا تھا بلکہ یہ ایرانیوں کی سماجی زندگی کا خاصہ بن گیا تھا۔

الغرض عورت ہر جگہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی تھی اور اس کی حیثیت مرد کے ہاتھوں محض ایک کھلونے کی سی تھی۔ مرد وزن میں شدید عدم مساوات کا یہ عنصر عالمی امن کی تباہی کا سبب بنا ہوا تھا۔

### (۴) مذہبی عدم رواداری اور فرقہ واریت

عہد نبوی ﷺ کے آغاز کے وقت مذاہب کے پیروکاروں میں مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ اس بنا پر وہ اپنے سوا باقی تمام مذاہب اور فرقوں کو جھوٹے اور نجات کیلئے قطعاً ناموافق سمجھتے تھے۔ بلکہ کئی ایک مذاہب کسی اجنبی کو اپنے اندر آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ مذہب کونسل اور پیدائش سے محدود کر دیا گیا۔ قسطنطین پہلا بازنطینی فرمانروا تھا جس نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ اس بادشاہ نے یہودیوں کے متعلق یہ قانون وضع کیا کہ اگر کوئی یہودی کسی ایسے شخص کو پتھر سے مارے یا اس کی زندگی کو خطرے میں ڈالے جس نے یہودی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی ہو تو ان تمام لوگوں کو زندہ جلایا جاسکتا تھا جو ایسی کارروائی میں شریک ہوں۔ اس کے بعد ایک قانون یہ وضع کیا گیا کہ کوئی عیسائی یہودیت نہیں اختیار کر سکتا۔ مرنے سے چھ ماہ قبل قسطنطین نے ایک اور قانون

کے ذریعے یہودیوں کو ممانعت کر دی کہ وہ کسی عیسائی غلام کو نہ رکھیں۔ (۳) ڈین ملمین (Dean Melman) کے مطابق "قسطنطنین کے جانشین نے یہودیوں کے بارے میں جو سخت تر قواعد وضع کئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین عداوت کے جذبات کتنے شدید تھے کہ بد قسمتی سے یہودیوں نے اپنے رویے سے حکومت وقت کو اشتعال دلانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہودیوں کے جو شیلے نو جوانوں نے آریوسی اور اٹاناشیوسی فرقوں کے جھگڑوں میں شریک ہو کر ان کے مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کو زیادہ ہوادی جن سے اسکندریہ کی فضا مکدر تھی۔ انہوں نے بت پرستوں کی طرح آریوسی فرقہ کی طرف داری میں بڑی سنگدلی اور غارتگری کا مظاہرہ کیا۔ کئی گرجاؤں کو جلا دیا اور بہت سی دو تیزاؤں کی آبروریزی کی جنہوں نے کلیسا کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ اسی زمانہ میں جوڈیا میں یہودیوں نے پھر بغاوت کی۔ جس نے عیسائیوں کے ظلم و ستم کیلئے ایک اور بہانہ فراہم کر دیا۔ یہودیوں پر محاصل کا شدید ترین بوجھ ڈال دیا گیا۔ انہیں منع کر دیا کہ وہ کوئی عیسائی غلام اپنے پاس نہ رکھیں ورنہ انہیں موت کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح عیسائی عورتوں سے شادی کی بھی ممانعت کی گئی۔ شہنشاہ ہیڈریان کے زمانہ کا ایک قانون دوبارہ نافذ کیا گیا جس کی رو سے بیت المقدس میں ان کا داخلہ روک دیا گیا۔ (۴) جولین کے زمانہ اقتدار میں یہودیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کے بعد جولین کے جانشینوں نے بھی قدیم حکمت عملی اختیار کر کے یہودیوں پر ظلم و ستم روا رکھا۔ یمن میں زونو اس کے ہاتھوں عیسائیوں کو کس طرح تہ و تیغ کیا گیا۔ قرآن میں اصحابِ اخدود کا قصہ بیان کر کے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"خندق والے ہلاک ہو گئے اس حالت میں کہ اوپر سے ان پر آگ جلا دی گئی۔ آگ جلانے والا طبقہ خندق کے کنارے پر کھڑا ہوا ان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔۔ مومنوں کے ساتھ انہوں نے جو بے رحمانہ سلوک کیا اس سے خود ان کے دل بھی متاثر ہوئے۔ دشمنوں کا ان مومنوں پر یہ الزام تھا کہ وہ عزیز و حمید خدا پر ایمان کیوں لے آئے؟" (البروج: ۸-۴)

واقعہ یہ تھا کہ ایک پاکباز مسیحی قمیون روم سے ہجرت کر کے نجران میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ قمیون کی تبلیغ کے اثرات کے نتیجے میں نجران کے باشندے مسیحیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھی تھی۔ زونو اس جو یہودی خیالات کا مالک تھا خبر ہونے پر نجران پہنچا اور لوگوں کو دین موسوی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی



اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ لہذا اس نے انتقاماً خندق کھودنے کے احکام صادر کئے۔ جب اس کام سے فراغت ہوئی تو خندق آگ سے بھردی۔ بعد ازاں زونو اس کے حکم سے ایک ایک عیسائی کو گرفتار کر کے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ جو عیسائی آگ میں جلنے سے بچ گئے انہیں بے دردی سے تیغ کیا گیا۔ جو عیسائی نذرِ آتش یا تیغ ہوئے ان کی تعداد کسی بھی صورت میں بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ (۵) اسی کا بدلہ لینے کیلئے شہنشاہِ روم جتستین کے کہنے پر شاہِ حبش نے یمن پر چڑھائی کی تھی۔

یہ تو تھا بیان مختلف مذاہب کے ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا۔ خود ایک مذہب کے ماننے والے بھی فرقوں میں بٹ کر مذہبی تعصب کا ثبوت دے رہے تھے۔ مسیحیت کے پیرو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ دین اور اصولِ دنیا سے متعلق ان میں سے ہر ایک کی رائے مختلف اور نظریہ جدا تھا۔ یہ فرقے ایک دوسرے کے عقائد کی کھلے بندوں تردید و تغلیظ کرتے تھے۔ ان کے خیالات اکثر و بیشتر ذاتی عناد اور شخصی خصومت کا باعث بن جاتے تھے۔ ان فرقوں میں بعض کا عندیہ یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت عام مخلوق کے برعکس پیکرِ نور اور مجسمہٴ لطافت ہے۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت مسیحؑ کے جسم و روح میں ایک روحانی رابطہ پایا جاتا ہے۔ ایسا روحانی رابطہ جس کا تصور بھی ہمارے بس کی بات نہیں۔ بعض حضرت مریمؑ کی پرستش کرتے تھے اور بعض کا قول یہ تھا کہ ولادتِ مسیح کے بعد حضرت مریمؑ کی دوشیزگی قائم نہیں رہی تھی۔ جب کسی ملت کا زوال قریب آتا ہے تو اسی طرح کے لایعنی اور لا حاصل بحث و مباحثے ہوتے تھے۔ مسیحیت کے علاوہ دینِ زرتشت میں بھی اختلافات راہ پا گئے تھے۔ یزدان و اہرمن کے پیروں نے دینِ زرتشت میں بہت سے فرقوں کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

## (۵) تصور حیات

دنیا میں امن و سلامتی اور مسرت و کامرانی کا دار مدار اس پر ہے کہ انسان اپنی تخلیق اور زندگی کے منشاء و مقصد کو صحیح طور پر جانے کیونکہ حقیقی امن اور خوشی اس کے مقصدِ تخلیق کے حاصل ہونے پر ہی ہے جس کیلئے فی الحقیقت قدرت نے اسے پیدا کیا ہے۔ عہدِ نبویؐ کے آغاز کے وقت جو بڑے بڑے مذاہب اور تمدن باقی تھے ان میں انسان کی تخلیق اور مقصدِ حیات سے متعلق مختلف نظریات موجود تھے۔ وسطِ ہند کی قدیم ترین قوم سنہتال میں یہ روایت مشہور ہے کہ ٹھا کر جیو کے سوا دنیا میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ ٹھا کر جیو نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ مالن بدھی کو بلوائیں جو پانی کے نیچے ایک چٹان میں رہتی ہے۔ جب مالن بدھی کو حکم پہنچا تو وہ سطحِ آب پر آئی، اسے کہا گیا وہ انسان بنائے۔ چنانچہ اس نے انسان کے دوپتلے بنائے انہیں خشک ہونے کیلئے دھوپ میں رکھ دیا۔ لیکن دن کے گھوڑے نے ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر

توڑ ڈالا۔ ان کے ٹکڑے سو رانائے سبھنائے میں پھینک دیئے گئے اور مالن بدھی کو دوبارہ انسانی پتلے بنانے کا حکم ملا۔ اب اس نے جو پتلے بنائے اس نے غلطی سے پرندوں کی جان ڈال دی جس سے وہ اڑ گئے۔ ان پرندوں کیلئے پانی میں زمین بنائی گئی جہاں انہوں نے انڈے دیئے جو راگوب بو آر نے کھالیے۔ جب ان پرندوں نے دوبارہ انڈے دیئے تو ان پر محافظ مقرر کر دیا۔ ان انڈوں سے بلچورم (مرد) اور بلچو بدھی (عورت) پیدا ہوئے اور ان سے انسانی نسل چلی۔

قدیم بابلیوں کا خیال تھا کہ پہلے پانی ہی پانی تھا اور دیو مردوک کے خون اور ہڈیوں سے آدمی بنایا گیا۔ اژدہ ہے طیامت کے بچے کنکسو کو قتل کر کے اس کا خون مٹی میں ملا دیا گیا اور اس سے آدمی کا پتلا بنایا گیا۔ یونانیوں کے عقیدے کے مطابق پرومیتھس دیوتا نے یونان کے ایک ساحلی مقام نیو پیس کی مٹی سے انسان بنایا۔ مصریوں کی روایت تھی کہ خنوم دیوتا نے جو سب دیوتاؤں کا باپ ہے انسان کا پتلا اس طرح مٹی سے بنایا تھا جس طرح کہہ چاک پر برتن بناتا ہے۔ (۶)

تخلیق انسانی کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد محض خفیف سے جزوی اختلاف کے وہی تھے جن کو بعد میں اسلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کی تخلیق کی اور بعد میں درخت کا پھل کھانے پر زمین پر بھیج دیئے گئے۔ اس کے باوجود عیسائیت میں ترک دنیا اور رہبانیت کے فلسفہ نے جگہ لے لی تھی جو پہلے ہی یونانیوں کے ہاں شدت سے موجود تھا۔ نتیجتاً ہزاروں لاکھوں انسان جو اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں کو قوت سے فعل میں لا کر تمدن کی ترقی اور انسانیت کی خوشحالی میں اضافہ کر سکتے تھے، دنیا اور علاقہ دنیا سے الگ ہو کر خانقاہوں، جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت اور نفس کشی کے دن گزارنے لگ گئے تھے۔ عیسائیت نے زندگی کو لعنت تو قرار نہیں دیا لیکن اس نے انسان کی پیدائشی گناہ گاری کے تصور سے ایک ہمت شکن اور تمدن کش طرز فکر پیدا کر دیا۔ قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو اور خدا کی چیزیں خدا کو دے دو کے فلسفے کا نقصان یہ ہوا کہ دین و دنیا الگ الگ کر دیئے گئے اور سیاست کو اخلاق سے واسطہ نہ رہا۔ اس طرح ظلم و ستم بڑھا اور فتنہ فساد پھیلا اور ستم ظریفی یہ کہ پھر اس فتنہ و فساد کو ختم کرنے والے دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں روحانیت حاصل کر رہے تھے۔

یہ تھے وہ عوائل جو عہد نبوی ﷺ کے آغاز میں امن عالم کی تباہی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ پھر حضرت محمد ﷺ نے وہ اقدامات فرمائے کہ امن و سلامتی کی راہیں کھل گئیں۔ درحقیقت آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ بنی نوع انسان پر سلامتی کی راہیں کھل جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی

ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں جو اس کی رضا کے طلب گار

ہیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔" (المائدہ: ۱۵-۱۶)

### رسول اللہ ﷺ کے انقلابی اقدامات

حضور ﷺ کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے دراصل روشنی کے راستے اور صراطِ مستقیم ہیں۔ ان کے سوا تمام وہ راستے جو بد امنی، بے چینی، فتنہ و فساد، ظلم و جور، زبردستی و زیادتی، خونریزی و سفاکی اور استحصال و غصب کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اندھیروں اور ظلمتوں کے راستے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

"اللہ امن و سلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمہارا حامی و مددگار ہوگا کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تنہا کسی محافظ و معاون کے بغیر مدینہ سے الحمر اکایا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔ اور کوئی چور اور ہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔"

### ۱۔ دعوتِ توحید:

امن و سلامتی کے قیام کی اس منزل تک پہنچتے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسانیت کو ایک خدا کی طاقت کو تسلیم کرنے اور اسی ہی کے قوانین و ضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نظریہ دیا۔ کیونکہ یہ ہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان بے شمار مصنوعی آقاؤں کے ظلم و ستم اور غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ دراصل فقر و احتیاج انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ وہ ہزار ترقی کر جائے کسی کے آگے جھکنے اور کسی نہ کسی کو معبود بنانے سے باز نہیں آ سکتا۔ اس نے آگ کو دیکھا اس سے کتنی ہی انسانی ضروریات وابستہ ہیں تو اسے پوجنا شروع کر دیا۔ سورج اور چاند اسے دنیا کیلئے فیض رساں نظر آئے تو ان کے آگے گر پڑا۔ گزگا اور جمنا کے ذریعے فصلوں کو لہلاتے اور انسانوں کو اپنی پیاس بجھاتے دیکھا اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مان لیا اور کبھی کبھی اپنے سے برتر انسانوں کے آگے ماتھا ٹیکا۔ ان غلط راستوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کی تمام غلط طاقتیں انسان پر خدا بن بیٹھیں۔ (۷) رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مشرک طاقتوں کو جو کہ دنیا میں فتنہ و فساد کا باعث بنی ہوئی تھیں اللہ کا یہ پیغام دے کر باطل کر دیا۔

”تمہارا اللہ صرف ایک اللہ اور بجز اس اللہ کے کوئی اللہ نہیں ہے اور وہ بہت بڑا مہربان اور بہت زیادہ رحم والا ہے۔“

(سورۃ البقرہ: ۱۲۶)

”بلاشبہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تمہارے جیسے بندے ہیں۔“

(سورۃ الاعراف: ۱۹۴)

”اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق

کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے اس کا تنگ کرتا ہے“

(سورۃ العنکبوت: ۲۶)

اس عقیدہ کے تحت عرب و عجم، عدنانیوں و قحطانیوں سب کا خدا ایک ہی ٹھہرا اور جب تک سارے جہاں کے انسانوں کا خدا ایک نہ ہو اس وقت تک مساواتِ انسانی کی کوئی حقیقی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ پھر فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں مٹانے کا حکم دیا اور تین سو ساٹھ بتوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا جو مشرکوں کے معبود تھے۔ (۸) جن افراد نے نظریہ توحید کو قبول کیا وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے جھکنے کے نتیجے میں پہنچنے والی مصیبتوں سے آزاد ہوئے اور ذمہ داری اور احتساب کیلئے صرف خدا کی ذاتِ واحد کی طرف رجوع کر کے اپنے آپ کو امن اور سلامتی کی راہ پر ڈال لیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق

”آدمی کو قابو میں رکھنے والی چیز صرف ذمہ داری کا احساس ہی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جو چاہے کرے، کوئی اس سے جواب طلب کرنے والا نہیں اور نہ اس کے اوپر کوئی ایسی طاقت ہے جو اسے سزا دے سکے تو آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شتر بے مہار بن جائے گا۔ یہ بات جس طرح ایک شخص کے معاملہ میں صحیح ہے اسی طرح ایک خاندان، ایک طبقہ، ایک قوم اور تمام دنیا کے انسانوں کے معاملہ میں بھی صحیح ہے۔ ایک خاندان جب یہ محسوس کرتا ہے

کہ اس سے کوئی جواب طلب نہیں کر سکتا تو وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ ایک طبقہ بھی جب ذمہ داری اور جواب دہی سے بے خوف ہو جاتا ہے تو دوسروں پر ظلم ڈھانے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوتا۔ ایک قوم یا ایک سلطنت بھی جب اپنے آپ کو اتنا طاقتور پاتی ہے کہ اپنی زیادتی کے برے نتیجہ کا خوف اسے نہیں ہوتا تو وہ جنگل کے بھیڑیے کی طرح کمزور بکریوں کو پھاڑنا شروع کر دیتی ہے۔ دنیا میں جتنی بد امنی پائی جاتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ جب تک انسان اپنے سے بالاتر کسی اقتدار کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر کوئی ایسا ہے جس کو مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور جس کے ہاتھ میں اتنی طاقت ہے کہ مجھے سزا دے سکتا ہے، اس وقت تک کسی طرح ممکن نہیں کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور صحیح امن قائم ہو سکے! ایسی طاقت سوائے خداوند عالم کے اور کون سی ہو سکتی ہے؟

خود انسان میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس انسان یا انسانی گروہ کو بھی حیثیت دیں گے خود اس کے شتر بے مہار ہو جانے کا امکان ہے۔ خود اس سے اندیشہ ہے کہ تمام فرعونوں کا ایک فرعون وہ خود بن جائے گا اور خود اس سے خطرہ ہے کہ خود غرضی اور جانبداری سے کام لے کر وہ بعض انسانوں کو گرائے گا اور بعض کو اٹھائے گا۔“ (۹)

غرض رسول اللہ ﷺ عقیدہ توحید کے تحت عرب کے اندر ایک ایسی جماعت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے جس کے ارکان خود بھی امن میں آگئے تھے اور دوسروں کو بھی فتنہ و فساد اور بد امنی پھیلانے سے روکا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا مقصد چونکہ پورے عالم میں امن کا قیام تھا اس لئے آپ نے امن و سلامتی کا پیغام روم و فارس، یمن، حبشہ اور دیگر سلطنتوں تک بھی پہنچایا۔ ان ممالک کے فرمانرواؤں کے نام آپ ﷺ کے خطوط اسی مقصد کیلئے تھے۔ حضور ﷺ کے ان خطوط کے اثرات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات نے آپ ﷺ کے جانشینوں کیلئے ایسے مواقع پیدا کر دیئے کہ وہ روم

اور ایران میں داخل ہو کر ظلم و ستم اور بد امنی کا خاتمہ کر کے وہاں ایسے نظام کی بنیاد رکھتے جو امن و سلامتی کا سب سے بڑا داعی تھا۔

## ۲۔ خاندان کی اصلاح

آنحضرت ﷺ نے انسانوں کے اندر دائمی امن کے قیام کیلئے یہ طریقہ استعمال فرمایا کہ ابتدا فرد کے ضمیر میں امن و سلامتی برپا کرنے سے کی۔ پھر میاں بیوی، والدین اور اولاد اور رشتہ داروں کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کر کے اس کے دائرہ کار کو ایک خاندان کے اندر تک پھیلا دیا۔ پھر ایک گروہ کے دوسری جماعتوں، افراد کے حکومت اور ایک سلطنت کے دوسری سلطنتوں سے تعلقات کے ایسے اصول وضع فرمائے کہ امن کا پھیلاؤ پورے عالم تک ہو جائے۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم اور جنس کی بنیاد پر عدم مساوات کے خاتمے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ٹھہرائی اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا، نکاح و طلاق میں اسے برابر کے حقوق دے کر اور وراثت میں حصہ دار بنا کر عورت کو جو رو ظلم سے آزادی دلائی۔ دور جاہلیت کے رواج کے برعکس آپ ﷺ نے عورتوں کے قتل کے قصاص میں مرد قاتل کے قتل کا قانون نافذ کیا اور یہ بھی طے فرمایا کہ اگر ایک عورت اپنے عزیز مقتول کے قاتل کو معاف کرنا چاہے اور رشتہ داروں میں اس پر اختلاف ہو اور وہ قصاص لینے پر مصر ہوں تو عورت قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے اسے معاف کر سکتی ہے اور اس صورت میں قاتل کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔ عورت کو یہ بھی حق دیا گیا اگر مسلمان عورت کفار کو امان دے بیٹھے تو اسلامی لشکر اس کا احترام کرے گا۔ ایک غزوہ کے موقع پر حضرت ام ہانیؓ نے عرض کی کہ میں نے ایک کافر کو امان دی ہے لیکن حضرت علیؓ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جسے تم نے امان دی اسے ہم نے امان دی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے عورت کو ایسے اونچے مقام تک بلند کیا جس تک تمدن کی آخری حدود تک نہیں پہنچی تھی۔ خود آنحضرت ﷺ نے جو نکاح فرمائے ان سے عرب کی قبائلی عصبیتیں بے وقعت ہو گئیں، جہاں عرب عجم کا فرق تو ایک طرف عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب شدت سے موجود تھا، پھر عدنانیوں میں حضری اور بدوی کا فرق بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جو عقد فرمائے وہ قبائلی اور جغرافیائی نقطہ نظر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

حضور ﷺ نے بنی اسد، بنی عبد المضر، بنی عامر، بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی امیہ، بنی خزیمہ، بنو مصطلق، یہود عرب، بنو کلاب، کلب و سلیم اور بنو کنده کے قبائل میں نکاح فرمائے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے حوالے سے ہر بڑے قبیلے کی نمائندگی تھی۔ اہل مکہ کے باہر بی بی

زینب بنت خزیمہ اور بی بی میمونہ بنت حارث دونوں کا تعلق یمن کے زبردست قبیلہ عامر بن صنعه سے تھا۔ حضرت میمونہ سردار نجد کی اہلیہ کی بہن تھیں۔ حضور ﷺ کے نکاح کے بعد اہل نجد مدینہ کے زیر اثر ہوتے گئے جو متعدد بار اسلام کے خلاف فتنہ انگیزیاں کر چکے تھے۔ ام المومنین حضرت جویریہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہ قیدیوں میں آئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو جماعت کے لوگوں نے پورے قبیلے کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پورا قبیلہ رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور مطیع نظام بن گیا۔ (۱۰) ام حبیبہ قریش کے سردار اعلیٰ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اس نکاح کے بعد ابوسفیان حضور ﷺ کے مقابلے پر میدان میں آنے سے کتراتا رہا۔ بی بی ماریہ قبلیہ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔ ان کا ایرانی الاصل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ بی بی صفیہ کا تعلق خیبر کے یہود سے تھا۔ اس مختصر مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نکاحوں کے ذریعے سے مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی آنحضرت ﷺ نے کتنی وسیع کوششیں فرمائیں بلکہ نتائج بتاتے ہیں کہ یہ کوششیں بیکار نہ رہیں۔

### ۳۔ مساواتِ انسانی کا قیام

حقیقی امن کے قیام کیلئے ضروری تھا کہ رنگ و نسل اور قومی عصبیتوں کو زک پہنچے اور ایسے اصول فراہم ہوں جو انسانوں کے درمیان مساوات پیدا کر سکیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا۔

”لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔“ (القرآن - ۱۳: ۴۹)

حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا۔

”کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔“ (۱۱)

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ نظریات و نظائر میں فرق روا نہیں رکھا اس لئے آپ ﷺ کے ہاں آقا و غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے اور ان قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت بلال حبشی غلام تھے آزاد کرائے گئے اور حضور ﷺ

کی قائم کردہ مساوات کے نتیجے میں اس مقام پر پہنچے کہ آپ ﷺ ان سے فرماتے۔

”اے بلال! ہمیں (اذان کہہ کر) راحت پہنچا۔“

معاملاتِ حکومت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی قسم کے فرق کو روا نہیں رکھا۔ صلاحیت اور قابلیت کے مطابق تمام کو مشاورت میں شامل فرمایا۔ عدل و انصاف کے معاملے میں طبقاتی تفریق کو یہ کہہ کر ختم کر ڈالا کہ

”خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس

کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“ (۱۲)

پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قبلہ، قانون اور قیادت کی یکساں فراہمی نے بھی مسلمانوں کی تفاوتوں کو ختم کیا اور ان کا رخ ایک وحدت کی طرف موڑا۔ روزانہ پانچ وقت کی نماز، جمعہ، عید اور حج کے اجتماعات نے تو اس فرق کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے یہ تمام اقدامات عدم مساوات کے خاتمے اور افراد میں ہمدردی، محبت اور ربط قائم کر کے ایسے معاشرہ کے قیام کیلئے تھے جو امن و سلامتی کا بہترین نمونہ ہو۔

## ۴۔ معاشی عدل

دولت انسانی معاشرہ کیلئے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصے میں رک جائے گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پورے معاشرے میں گردش نہ کرے اور مخصوص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مند زندگی کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے اور امن اجتماعیت کا شیرازہ درہم برہم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ عرب جیسے کم پیداوار ملک میں دولت سیم وزر، اجناس، زرعی اراضی اور موبیشوں کی شکل میں نہایت محدود حلقوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ اس سمٹی ہوئی دولت کو عوامی طبقوں میں پھیلا ناسب سے ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ حضور ﷺ نے اسلام کے معاشی قوانین کے تحت ایسے اقدامات فرمائے جو دولت کو گردش میں رکھنے کیلئے بالکل کافی ثابت ہوئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

”ان آبادیوں کا جو مال و متاع اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا

ہے وہ اللہ اس کے رسول، رشتہ داروں، یتیموں،

مسکینوں اور مسافروں کیلئے مخصوص ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ

دولت تمہارے صاحبِ ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر



کھاتی رہے۔“ (الحشر: ۷)

اسلام کا یہ اصول ایک ایسا معاشی نظام قائم کرتا ہے جس میں باعزت طور پر تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکیں اور ان کے درمیان ایک قسم کا معاشی توازن پیدا ہو سکے۔ حضور ﷺ نے یہودی بنی نصیر سے حاصل ہونے والا مال نے پورے کا پورا ضرورت مند مہاجرین میں تقسیم کیا تھا۔ انصار کو اس میں اس وجہ سے شریک نہیں کیا گیا کہ وہ پہلے سے ہی خوشحال تھے۔ البتہ دو انصاریوں کو مال کی تقسیم میں شریک کیا گیا کہ وہ ضرورت مند تھے۔ ثقیف والوں کی دولت ان کے قبضے سے نکال کر پورے عرب میں پھیلا دی گئی۔ اسی طرح مدینہ کے گرد و نواح کے جن شہر پسند قبائل نے شورش اٹھائی، ان کے شیوخ اور دولت مندوں کے اموال کا ایک بڑا حصہ غنیمت کے اصول کے تحت اسلامی فوج نے ان کے قبضے سے نکالا اور گردش میں ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کے اصول میں اصلاح فرمائی اور بیس فیصدی حصہ اسلامی خزانہ کیلئے ٹھہرایا گیا۔ جس سے غرباء اور حاجت مند طبقوں کی ضروریات پوری کی گئیں اس طرح ملکی دولت میں ایک عمومی حرکت آتی گئی۔ پھر اسلامی ریاست نے تمام ان طبقوں سے جو زمینوں، مویشیوں یا تجارتی سرمایہ کے مالک تھے، مسلم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ اور غیر مسلم ہونے کی صورت میں خراج اور جزیہ کی آمدنیاں حاصل کیں اور ان آمدنیوں (خصوصاً زکوٰۃ) کا ایک عظیم حصہ غریب طبقوں کیلئے مخصوص کر دیا۔ ہر سال غلے اور کھجوروں اور مویشیوں کی ایک بھاری مقدار امراء سے غرباء کی طرف منتقل ہونے لگی۔ (۱۳)

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو بہت دی لیکن اس کیلئے جبر اور لزوم عائد نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں میں عموماً کنجوسی اور بے رحمی ہوتی ہے اس کا کوئی مؤثر علاج وجود میں نہ آسکا۔ افراد کی آزادی کے باعث حصول دولت پر عموماً کوئی روک نہیں رہی اور مالدار مالدار ہوتے چلے گئے اور مفلس مفلس تر۔ قبل اسلام غالباً ایک مرتبہ مزدک نے اس کے خلاف زکوٰۃ عمل کیا اور اشتراکیت کی تعلیم دی۔ لیکن یہ تعلیم معقولیت پر نہیں بلکہ نفرت اور رشک و حسد پر مبنی تھی۔ (۱۴) حضور ﷺ نے اس طرح کے اقتصادی اقدامات اٹھائے کہ کسی پر ظلم ہوئے بغیر اجتماع دولت کی جڑوں کو کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ ہر قسم کے سود کی ممانعت کر دی گئی۔ وصیت پر پابندی عائد کی گئی کہ کوئی شخص اپنی پوری دولت کسی ایک شخص کو نہ دے دے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی جاسکتی ہے۔ پھر وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ رکھا گیا تاکہ ایک سے زیادہ خاندان میں دولت بٹی رہے اور دس بارہ ایسے قریبی رشتہ دار نامزد کئے جو لازمی طور پر تر کے میں حصہ پائیں۔ پھر دولت مندوں کو صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب فرمائی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جس نے اپنے بھائی کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اور پانی سے اس کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم سے سات خندقوں کے فاصلے پر رکھے گا اور ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے۔“ (۱۵)

قرآن میں ہے:

”جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک سزا کی خبر دے دو، جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی، یہی ہے جو تم نے اپنے لئے خزانہ جمع کیا تھا، سو جو کچھ تم جمع کرتے تھے، اس کا مزا اچکھ لو۔“  
(التوبہ: ۳۴-۳۵)

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ

”جس شخص نے دینار یا درہم یا سونے یا چاندی کی ایک اینٹ یا چاندی جمع کی، اسے کسی قرض خواہ کی خاطر نہ رکھایا راہِ خداوندی میں خرچ نہ کیا تو وہ کنز ہے، جس کے ساتھ قیامت کے دن داغ لگائے جائیں گے۔“ (۱۶)

خود اسلامی ریاست کے سربراہ حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا، نہ کوئی دینار، نہ کوئی غلام یا باندی اور نہ کوئی دوسری چیز، سوائے اس مادہ خچر کے جس کا رنگ سفید تھا۔ جس پر آپ ﷺ سواری کرتے تھے اور بجز اپنے ہتھیار اور کچھ زمین کے اور اسے بھی آپ ﷺ نے خدا کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ (۱۷) حضور ﷺ کے سماجی مساوات اور اقتصادی اخوت کے نئے نظام نے امیر اور غریب سے اس واضح فرق کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا جو انسانوں کے مابین کشمکش اور پھر بد امنی کا باعث بنتا ہے۔

۵۔ مذہبی رواداری، پُر امن بقائے باہمی

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عالمی امن کو تباہ و برباد کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب

یہ بھی تھا کہ قوموں کے افراد کے اندر مذہبی رواداری نہیں رہی تھی۔ ایک مذہب اپنے اندر دوسرے مذاہب کے افراد کا داخلہ روکتا ہے تو دوسرے مذاہب کے پیروکار دیگر مذاہب کو برداشت نہ کرتے ہوئے قتل و غارت تک اتر آتے ہیں۔ \_\_\_\_\_! آنحضرت ﷺ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی وہ پر امن بقائے باہمی اور مذہبی رواداری کے اصول کا قائل تھا۔ قرآن میں ہے۔

”اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال

ہمارے لئے ہیں اور تمہارے تمہارے لئے، ہماری کچھ

بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس کے پاس جانا

ہے۔“ (الشوری: ۱۵)

حضور ﷺ نے لوگوں کو زبردستی دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے "لَا اِكْرَاهَ فِي

الدِّينِ" یعنی دین میں کوئی جبر نہیں کے اصول کے تحت ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”اور اہل کتاب کے ساتھ صرف احسن طریقے سے بحث

کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں، اور

کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا، اور ہمارا اور

تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔“

(العنکبوت: ۲۵)

قرآن حکیم میں رواداری کی یہی وہ تعلیم ہے جو احترامِ آدمیت کو ہمیشہ اہمیت دیتی ہے۔ نجران

کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور

اس کا خیال نہیں کیا کہ یہ توحید کی بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ

ﷺ کھڑے ہو گئے، ایک صحابی نے گزارش کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا! تو حضور

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی؟ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔“ پھر

حضور ﷺ نے بچوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا کہیں مشرکین نا سمجھی کی وجہ سے اللہ رب العزت کی

شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں۔ یہی نہیں حضور ﷺ نے دعوتِ اسلام کی غرض سے جو خطوط عیسائی اور

یہودی حکمرانوں کے نام ارسال فرمائے ان کے آغاز میں عموماً یہ آیت (اے اہل کتاب آؤ اس بات کی

طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے) تحریر فرمائی۔

گویا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان امور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی

دعوت دی جو ان کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض مؤرخین اور مستشرقین کا خیال ہے

کہ سورہ توبہ کے نزول کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل میں تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ سورہ توبہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

”اہل کتاب جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑو کہ ماتحت ہو کر تمہاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔ یہود میں بعض کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں میں سے اکثر کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا (جس کا واقع میں کہیں نام و نشان نہیں) یہ بھی ان لوگوں سی کی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔“ (التوبہ: ۲۹-۳۰)

مصری محقق ڈاکٹر محمد حسین ہیکل سیرۃ الرسول میں لکھتے ہیں کہ ”سورہ توبہ کی ان آیات کے پیش نظر جو سرورِ کائنات ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں۔ بہت سے مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ اہل کتاب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا موجودہ رویہ آپ ﷺ کے پچھلے رویہ سے بالکل مختلف تھا۔“ بعض مستشرقین نے بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان آیات میں اہل کتاب کو مشرکین کے ساتھ ایک سطح پر رکھا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”محمد ﷺ یہودیت اور مسیحیت کی مدد سے جزیرہ عرب سے بت پرستی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آغاز رسالت میں وہ بار بار اس امر کا اعلان کرتے رہے کہ وہ عیسیٰ، موسیٰ، ابراہیم اور گزشتہ انبیاء کے ادیان کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کیلئے آئے ہیں۔ لیکن بعض مشرکین کے مقابلے میں انہیں پے درپے کامیابیاں نصیب ہوئیں اور یہ نظر آنے لگا کہ وہ قلیل عرصہ میں ان پر کامل فتح حاصل کر لیں گے تو انہوں نے یہود سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنے لگے حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نمائے عرب سے نکال کر ہی دم لیا۔“

تاہم اس دوران میں انہوں نے مسیحوں سے رشتہ الفت و مودت کو پوری طرح استوار رکھا اور لوگوں کے سامنے ایسی آیات بھی پیش کرتے رہے جو مسیحوں کی تعریف و توصیف سے پُر ہوتی تھیں۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب انہیں عرب میں کامل اقتدار حاصل ہو گیا اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تو انہوں نے عیسائیوں سے بھی وہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا جو اس سے قبل مشرکین

اور یہود سے کرچکے تھے اور انہوں نے عیسائیوں کو بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل کر لیا جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ ان کی کامیابی میں بہت بڑا دخل عیسائیوں کی امداد و معاونت کو بھی ہے۔ یہ حبشہ کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے محمد ﷺ کے پیروں کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب اللہ کی یہ زمین ان کیلئے تنگ ہو چکی تھی۔ بعد میں خود محمد ﷺ نے اہل نجران اور دوسرے عیسائیوں کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا کہ

”انہیں اسلامی ریاست کے تحت بدستور اپنے دین پو قائم رہنے اور اپنی عبادات پر اور رسوم بجالانے کی مکمل آزادی ہوگی“۔ (۱۸)

حقیقت میں یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رویہ آغاز سے لے کر حضور ﷺ کی وفات تک یکساں رہا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ابتداء ہی سے قرآن کریم نے حضرت مسیح ابن مریم کو دنیا کے سامنے اللہ کے بندے اور رسول کی حیثیت سے پیش کیا اور ان کی الوہیت کے عقیدے کی سخت مذمت کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دین کے معاملے میں کبھی مدافعت نہیں کی اور عیسائیوں سے امداد لینے کی خاطر بے جا تعریف اور خوشامد سے بھی کبھی کام نہیں لیا۔ مزید یہ کہ حضور ﷺ شروع ہی سے عیسائیوں کے دین میں تبدیلی اور اس کے اندر خود ان کے طرف سے نئی چیزوں کے اضافہ کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی مذہبی تعصب کا مظاہرہ نہ فرمایا بلکہ پر امن بقائے باہمی کے اصول کے تحت دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا۔

## جنگ اور امن

امن کیلئے جنگ ناگزیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگیں "حرب مبادلہ" کی حیثیت رکھتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جنگیں تمام تر دفاعی تھیں نہ کہ جارحانہ، ان کا مقصد دائمی طور پر امن و عافیت کو قائم رکھنا تھا۔ ان کی غرض انسانیت کا احترام تھا نہ کہ بے گناہوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانا، اور جنگ میں اسیران جنگ اور رہائے ویرغمال کے ساتھ عمدہ اور بہتر سلوک روا رکھا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی ہمیشہ جنگ سے احتراز پر مبنی رہی اور خود کبھی ایسے اسباب فراہم نہ کئے تھے کہ نوبت جنگ تک پہنچ جائے۔ ہجرت کے بعد مدینہ سے گزرنے والے قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی بھی اس لئے کی گئی تھی کہ قریش کا روانی تجارت سے حاصل ہونے والے منافع کی رقم سے

ہتھیار حاصل کریں گے اور مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔

جنگ ایک استثنائی حالت ہے۔ اسلام صلح و سلامتی کا علمبردار ہے اور صلح اس کا بنیادی کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس قبیلہ سے صلح کی جس نے بھی صلح کیلئے رغبت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے بنو ضمرہ سے غزوہ ودان میں کیا اور بنو مدلج سے غزوہ عیشیہ میں اور قریش سے غزوہ حدیبیہ میں۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر جنگ سے بچنے کیلئے ہر ممکن کوششیں کیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس سفر میں عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا جو کہ نہایت مشکل اور دشوار تھا تا کہ آپ ﷺ جنگ سے بچ سکیں۔ یہاں تک آپ ﷺ اپنا لشکر حدیبیہ لے آئے اور یہاں پہنچ کر بھی امن کو قائم رکھنے کے مقصد پر مصر رہے۔ آپ ﷺ نے گفتگو کا میدان بڑا فراخ کر دیا اور جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو پھر بھی آپ ﷺ قریش سے جنگ نہ کرنے کے مقصد پر قائم رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ پورا کر لیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے بعض صحابہؓ اس صلح کی بعض شرائط کو ناپسند کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے سوائے اُحد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں خود پیش بندی کے طور پر دشمن پر حملہ کیا لیکن اس پہلو کی وجہ سے حضور ﷺ کو جنگ شروع کرنے کا ذمہ دار قرار دینا اصل حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہو گا۔ حضور ﷺ کے تمام غزوات کے اسباب کا حقیقی اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والا ہمیشہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں۔ پیش بندی کے طور پر دشمن پر پہلے حملہ کرنے کا مقصد دشمن کو خود چھیڑنا نہ تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا ایک اہم اصول تھا جس میں دشمن پر اس کے حملہ کرنے سے پہلے غلبہ حاصل کر لینے کی روح مضمر ہوتی ہے۔

بعض مستشرقین نے عہد رسالت کے غزوات کو کشت و خون سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں غزوات کی تعداد کچھ زیادہ نظر آتی ہے۔ مگر ان جنگوں میں کشت و خون کس حد تک ہوا؟ کتنے آدمی مارے گئے اور کتنے گرفتار ہوئے۔ پھر اس تعداد کا موازنہ دنیا کی مشہور جنگوں سے کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں جنگی کارروائیوں کی زیادتی کو بنیاد بنا کر کشت و خون کا جو افسانہ تراشا گیا ہے۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ عہد نبوی ﷺ کی تمام لڑائیوں میں طرفین کا جو نقصان ہوا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

## مقتولین کفر

## شہدائے اسلام

## غزوات و سرایا

۷۰	۲۲	۱- غزوہ بدر، رمضان ۲ ہجری
x	۲	۲- غزوہ سویق، ذی الحجہ ۲ھ
؟	۲	۳- غزوہ بنو سلیم، محرم ۲ھ
۱	x	۴- سریہ محمد بن مسلمہ، ربیع الاول ۳ھ
۳۰	۷۰	۵- غزوہ احد، شوال ۳ھ
۱	x	۶- سریہ عبداللہ بن انیس، محرم ۴ھ
x	۱۰	۷- سریہ رجب، صفر ۴ھ
x	۶۹	۸- سریہ بدر معونہ، صفر ۴ھ
۲	x	۹- سریہ عمرو بن امیہ الضمیری، ربیع الاول ۴ھ
۱۰	x	۱۰- غزوہ بنو مصطلق، شعبان ۵ھ
۱۰	۲	۱۱- غزوہ احزاب، ذیقعد ۵ھ
۱	x	۱۲- سریہ عبداللہ بن عتیک، ذیقعد ۵ھ
۴۰۰	۴	۱۳- غزوہ بنو قریظہ، ذی الحجہ ۵ھ
۱	۳	۱۴- غزوہ ذی قردہ، ربیع الثانی ۶ھ
	x	۱۵- سریہ ذی النقصہ، ۶ھ
	۹	۱۶- سریہ وادی القرئی، ۶ھ
۳۰	x	۱۷- سریہ عبداللہ بن رواحہ، ۶ھ
۸	x	۱۸- غزوہ عریتیں، ۶ھ
۹۳	۱۸	۱۹- غزوہ خیبر، ۷ھ
۱۱	۱	۲۰- غزوہ وادی القرئی، ۷ھ
۲	x	۲۱- سریہ حسمی، ۷ھ
x	۴۹	۲۲- سریہ ابن ابی العوجا، ۷ھ
x	۱۴	۲۳- سریہ ذات اٹح، ۸ھ
نامعلوم	۱۲	۲۴- سریہ موتہ، ۸ھ
۱۴	۲	۲۵- غزوہ فتح مکہ، ۸ھ

۹۵	x	۲۶- سر یہ خالد بن ولیدؓ، ۸ھ
۷۱	۶	۲۷- غزوہ حنین، ۸ھ
<u>x</u>	<u>۱۳</u>	۲۸- غزوہ طائف، ۸ھ
۸۲۸	۳۲۲	
جن جنگوں میں باقاعدہ فریقین میں معرکہ کارزار گرم ہوا ان میں مقتولین کی تعداد درج ذیل ہے۔		
	مسلمان	غزوات
۷۰	۲۲	۱- غزوہ بدر
۳۰	۷۰	۲- غزوہ احد
۱۰	۶	۳- غزوہ احزاب
۴۰۰	۴	۴- غزوہ بنو قریظہ
۹۳	۱۸	۵- غزوہ خیبر
نامعلوم	۱۲	۶- غزوہ موتہ
۱۲	۲	۷- غزوہ مکہ
۷۱	۶	۸- غزوہ حنین
<u>x</u>	<u>۱۲</u>	۹- غزوہ طائف
۶۸۶	۱۵۲	

اس کے مقابلے میں دیکھئے کہ نیولین کی جنگوں میں ۲۰ لاکھ افراد موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اور ۲ کروڑ زخمی اور بے کار ہوئے۔ پہلی جنگِ عظیم میں مقتولین کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق ۸۵ لاکھ ۲۸ ہزار کے لگ بھگ، مجروحین قیدی اور لاپتہ لوگوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مصارفِ جنگِ عربوں ڈالر تک جا پہنچے اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ صرف یہ کہ بڑی بڑی طاقتوں نے بندر بانٹ کے ذریعہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۱۹)

دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹-۴۵ء) میں ۲۸ ملین شریک ہوئے۔ مقتولین کی تعداد ایک کروڑ ۵۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایٹم بم پھینک کر جان و مال کی جو بربادی کی گئی وہ سب کے سامنے ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگوں میں کشت و خون سے قطعی پرہیز فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کی جنگوں کا مقصد ہی عالمی امن کا قیام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سو جانیں ضائع ہوئیں مگر نو لاکھ مربع



میل کے علاقے پر امن و امان قائم ہو جاتا ہے۔ ۲۷۶ مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست اور ایک وحدت میں مدغم ہو جاتی ہیں اور ۸۲ لاکھ ۵۰ ہزار آدمی (حضور ﷺ کی زندگی میں) خدائے واحد کے پرستار بن جاتے ہیں۔



## حوالہ جات باب نہم

- ۱- سید سلیمان ندوی، ”تاریخ عرب“ (ترجمہ)، ص ۲۸۴۔
- ۲- ڈاکٹر گستاوی بان، ”تمدن عرب“، ص ۳۷۷-۳۷۸۔
- ۳- مظہر الدین صدیقی، ”اسلام اور مذاہب عالم“، ص ۲۳۶۔
- ۴- Deam Melman, "History of the Jews," p 191.
- ۵- محمد حسین بیگل، ”سیرۃ الرسول ﷺ“، ص ۹۷-۹۸۔
- ۶- قاضی عظیم اللہ، ”امن و سلامتی“، ص ۳۱-۳۸۔
- ۷- کوثر نیازی، ”بنیادی حقیقتیں“، ص ۳۲-۳۵۔
- ۸- ابن الاثیر (۲/۱۰۵)۔
- ۹- ابوالاعلیٰ مودودی، سلامتی کا راستہ، ص ۲۷-۲۸۔
- ۱۰- نعیم صدیقی، ”محسن انسانیت“، ص ۵۴۵-۵۴۶۔
- ۱۱- مسند احمد بن حنبل بحوالہ شبلی نعمانی، ”سیرۃ النبی ﷺ“، جلد ۲، ص ۱۹۲۔
- ۱۲- صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اعناقہ الحدود۔
- ۱۳- نعیم صدیقی، ”محسن انسانیت“، ص ۵۳۳۔
- ۱۴- ڈاکٹر حمید اللہ، ”رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی“، ص ۳۳۱۔
- ۱۵- طبرانی، بحوالہ زادیراہ، ص ۶۹۔
- ۱۶- تفسیر قرطبی، بحوالہ امن عالم اور اسلام، سید قطب۔
- ۱۷- بخاری، بحوالہ زادیراہ، ص ۲۹۵-۲۹۶۔
- ۱۸- محمد حسین بیگل، ”سیرۃ النبی ﷺ“، ص ۶۰۱-۶۰۲۔
- ۱۹- شمیم حسین قادری، ”اسلامی ریاست“

## جہشہ کی دوسری ہجرت کے شرکاء کے اکثر نام

- |                         |                          |
|-------------------------|--------------------------|
| ۲۵۔ معمر بن ابی سرحؓ    | ۱۔ حضرت عثمان بن عفانؓ   |
| ۲۶۔ عیاض بن زہیرؓ       | ۲۔ ابو حذیفہؓ            |
| ۲۷۔ جعفر بن ابی طالبؓ   | ۳۔ عبد اللہ بن جحشؓ      |
| ۲۸۔ خالد بن سعیدؓ       | ۴۔ شجاع بن وہبؓ          |
| ۲۹۔ معقیب بن ابی فاطمہؓ | ۵۔ عتبہ بن غزوٰانؓ       |
| ۳۰۔ خالد بن حزامؓ       | ۶۔ طلیب بن عمیرؓ         |
| ۳۱۔ اسود بن نوفلؓ       | ۷۔ عبد الرحمن بن عوفؓ    |
| ۳۲۔ عمرو بن امیہؓ       | ۸۔ عبد اللہ بن مسعودؓ    |
| ۳۳۔ یزید بن زمعہؓ       | ۹۔ مقداد بن عمروؓ        |
| ۳۴۔ ابوالردم بن عمیرؓ   | ۱۰۔ ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ |
| ۳۵۔ خراس بن نغرؓ        | ۱۱۔ مصعب بن عوفؓ         |
| ۳۶۔ جہم بن قیسؓ         | ۱۲۔ عامر بن ربیعہؓ       |
| ۳۷۔ ابو فلقبہؓ          | ۱۳۔ قیس بن حذافہؓ        |
| ۳۸۔ مطلب بن ازہرؓ       | ۱۴۔ عثمان بن مظعونؓ      |
| ۳۹۔ عقبہ بن مسعودؓ      | ۱۵۔ عبد اللہ بن مظعونؓ   |
| ۴۰۔ شرجیل بن حسنہؓ      | ۱۶۔ قدامہ بن مظعونؓ      |
| ۴۱۔ حارث بن خالدؓ       | ۱۷۔ سائب بن عثمانؓ       |
| ۴۲۔ عمرو بن عثمانؓ      | ۱۸۔ ابوصبرہ بن ابی رہمؓ  |
| ۴۳۔ عباس بن ابی ربیعہؓ  | ۱۹۔ عبد اللہ بن مخرمہؓ   |
| ۴۴۔ ہاشم بن ابو حذیفہؓ  | ۲۰۔ حاطب بن عمروؓ        |
| ۴۵۔ ہبار بن سفیانؓ      | ۲۱۔ عبد اللہ بن سہلؓ     |
| ۴۶۔ عبد اللہ بن سفیانؓ  | ۲۲۔ سعد بن خولہؓ         |
| ۴۷۔ معمر بن عبد اللہؓ   | ۲۳۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ   |
| ۴۸۔ عبد اللہ بن حذافہؓ  | ۲۴۔ سہیل بن بیضاءؓ       |

- ۴۹۔ قیس بن حذافہؓ  
 ۵۰۔ ہشام بن عاصؓ  
 ۵۱۔ ابوقیس بن حارثؓ  
 ۵۲۔ سائب بن حارثؓ  
 ۵۳۔ حجاج بن حارثؓ  
 ۵۴۔ تمیم بن حارثؓ  
 ۵۵۔ سعید بن حارثؓ  
 ۵۶۔ سعید بن عمروؓ  
 ۵۷۔ حمیہ بن جزوؓ  
 ۵۸۔ حاطب بن حارثؓ  
 ۵۹۔ خطاب بن حارثؓ  
 ۶۰۔ سفیان بن معمرؓ  
 ۶۱۔ خالد بن سفیانؓ  
 ۶۲۔ جنادہ بن سفیانؓ  
 ۶۳۔ شماس بن عثمانؓ  
 ۶۴۔ سلیط بن عمروؓ  
 ۶۵۔ سکران بن عمروؓ  
 ۶۶۔ مالک بن زمعہؓ  
 ۶۷۔ عمرو بن حارثؓ  
 ۶۸۔ عثمان بن عبد الغنمؓ
- ۶۹۔ سودہ بنت زمعہؓ  
 ۷۰۔ فاطمہ بنت علقمہؓ  
 ۷۱۔ عمیر بنت سعدیؓ  
 ۷۲۔ حقہ ام شرجیلؓ  
 ۷۳۔ ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ  
 ۷۴۔ ام سلمہ بنت ابی امیہؓ  
 ۷۵۔ ریطہ بنت حارثؓ  
 ۷۶۔ رملہ بنت ابی عوفؓ  
 ۷۷۔ لیلیٰ بنت ابی حشمہؓ  
 ۷۸۔ سہلہ بنت سہیلؓ  
 ۷۹۔ اسماء بنت عمیسؓ  
 ۸۰۔ فاطمہ بنت صفوانؓ  
 ۸۱۔ امینہ بنت خلفؓ  
 ۸۲۔ خزیمہ بنت جہمؓ  
 ۸۳۔ ام حرملہؓ بنت عبد الاسود  
 ۸۴۔ فاطمہ بنت مجللؓ  
 ۸۵۔ فکیہہ بنت یسارؓ  
 ۸۶۔ برکہ بنت یسارؓ  
 ۸۷۔ اسماء بنت عمیسؓ

## مہاجرینِ مدینہ کے بعض نام

- |                                |                             |
|--------------------------------|-----------------------------|
| ۲۵۔ مالک بن ابی خوئیؓ          | ۱۔ عبداللہ بن جحشؓ          |
| ۲۶۔ ایاس بن بکیرؓ              | ۲۔ ابواحمد بن جحشؓ          |
| ۲۷۔ عامر بن بکیرؓ              | ۳۔ عکاشہ بن محصؓ            |
| ۲۸۔ عاقل بن بکیرؓ              | ۴۔ شجاع بن وہبؓ             |
| ۲۹۔ خالد بن بکیرؓ              | ۵۔ عقبہ بن وہبؓ             |
| ۳۰۔ طلحہ بن عبید اللہؓ         | ۶۔ ارہب بن حمیرہؓ           |
| ۳۱۔ صہیب بن سنانؓ              | ۷۔ منقذ بن مناتہؓ           |
| ۳۲۔ حمزہ بن عبدالمطلبؓ         | ۸۔ یزید بن رقیشؓ            |
| ۳۳۔ زید بن حارثہؓ              | ۹۔ سعید بن رقیشؓ            |
| ۳۴۔ کنانہ بن حصینؓ             | ۱۰۔ محرز بن تفصلہؓ          |
| ۳۵۔ آنسہؓ                      | ۱۱۔ قیس بن جارؓ             |
| ۳۶۔ ابو کبشہؓ                  | ۱۲۔ عمرو بن محصینؓ          |
| ۳۷۔ عبیدہ بن حارثؓ             | ۱۳۔ ملک بن عمروؓ            |
| ۳۸۔ طفیل بن حارثؓ              | ۱۴۔ صفوان بن عمروؓ          |
| ۳۹۔ حصین بن حارثؓ              | ۱۵۔ ثقیف بن عمروؓ           |
| ۴۰۔ مسطح بن اثاثہؓ             | ۱۶۔ ربیعہ اسلمؓ             |
| ۴۱۔ سویبط بن سعدؓ              | ۱۷۔ زبیر بن عبیدہؓ          |
| ۴۲۔ طلیب بن عمیرؓ              | ۱۸۔ تمام بن عبیدہؓ          |
| ۴۳۔ جناب مولیٰ عتبہ بن غزو انؓ | ۱۹۔ حزہ بن عبیدؓ            |
| ۴۴۔ زبیر بن عوامؓ              | ۲۰۔ مجرب بن عبداللہ بن جحشؓ |
| ۴۵۔ ابوسبرہؓ                   | ۲۱۔ عمرو بن خطابؓ           |
| ۴۶۔ مصعب بن عمیرؓ              | ۲۲۔ عیاش بن ابی ریحؓ        |
| ۴۷۔ ابو حذیفہؓ                 | ۲۳۔ زید بن خطابؓ            |
| ۴۸۔ سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ      | ۲۴۔ عمرو بن سراقہؓ          |

- ۴۹۔ عبد اللہ بن سراقہؓ  
 ۵۰۔ حنیس بن حذافہؓ  
 ۵۱۔ سعید بن زیدؓ  
 ۵۲۔ عمرو بن نفیلؓ  
 ۵۳۔ واقد بن عبد اللہؓ  
 ۵۴۔ خولی بن ابی خویؓ  
 ۵۵۔ ام حبیب بنت ثمامہ  
 ۵۶۔ آمنہ بنت رقیش  
 ۵۷۔ سخرہ بن تمیمؓ
- ۵۸۔ عتبہ بن غزو انؓ  
 ۵۹۔ عثمان بن عفانؓ  
 ۶۰۔ زینب بن جحشؓ  
 ۶۱۔ ام حبیب بنت جحشؓ  
 ۶۲۔ جذامہ بنت جلالؓ  
 ۶۳۔ ام قیس بنت محصؓ  
 ۶۴۔ آمنہ بنت جحشؓ  
 ۶۵۔ ام سلمہؓ

## بیعت عقبہ ثانی کے شرکاء کے نام

- |                      |                         |
|----------------------|-------------------------|
| ۲۵۔ ذکوان بن عبد قیس | ۱۔ اسید بن حفیر         |
| ۲۶۔ عبادہ بن قیس     | ۲۔ ابو بردہ بن تیار     |
| ۲۷۔ حارث بن قیس      | ۳۔ عبد اللہ بن جبیر     |
| ۲۸۔ ابراء بن معرور   | ۴۔ سلمتہ بن سلامہ       |
| ۲۹۔ بشر بن ابرار     | ۵۔ ابوالہشیم بن القیہان |
| ۳۰۔ سنان بن صفی      | ۶۔ ظہیر بن رافع         |
| ۳۱۔ طفیل بن نعمان    | ۷۔ نیر بن الہشیم        |
| ۳۲۔ معقل بن مندر     | ۸۔ رفاعہ بن عبد المندر  |
| ۳۳۔ یزید بن مندر     | ۹۔ سعد بن خثیمہ         |
| ۳۴۔ مسعود بن یزید    | ۱۰۔ ابن ثعلبہ           |
| ۳۵۔ ضحاک بن حارثہ    | ۱۱۔ معن بن عدی          |
| ۳۶۔ جبار بن صخر      | ۱۲۔ ابویوب خالد بن زید  |
| ۳۷۔ طفیل بن مالک     | ۱۳۔ معاذ بن الحارث      |
| ۳۸۔ یزید بن خدام     | ۱۴۔ عوف بن الحارث       |
| ۳۹۔ کعب بن مالک      | ۱۵۔ معوذ بن الحارث      |
| ۴۰۔ سلیم بن عمرو     | ۱۶۔ عباس بن عبادہ       |
| ۴۱۔ قطبہ بن عامر     | ۱۷۔ عمارہ بن حزم        |
| ۴۲۔ یزید بن عامر     | ۱۸۔ اسعد بن زرارہ       |
| ۴۳۔ ابوالیسر         | ۱۹۔ سہل بن عتیک         |
| ۴۴۔ صفی بن اسود      | ۲۰۔ اوس بن ثابت         |
| ۴۵۔ ثعلبہ بن غنمہ    | ۲۱۔ ابو طلحہ            |
| ۴۶۔ عمرو بن غنمہ     | ۲۲۔ قیس بن ابی صعصعہ    |
| ۴۷۔ عبس بن عامر      | ۲۳۔ عمرو بن غزیہ        |
| ۴۸۔ عبد اللہ بن انیس | ۲۴۔ سعد بن ربیع         |

- ۴۹۔ خارجہ بن زید  
۵۰۔ عبداللہ بن رواحہ  
۵۱۔ بشیر بن سعد  
۵۲۔ عبداللہ بن زید  
۵۳۔ خلاد بن سوید  
۵۴۔ عقبہ بن عمرو  
۵۵۔ زیاد بن لبید  
۵۶۔ فردہ بن عمرو  
۵۷۔ خالد بن قیس  
۵۸۔ رافع بن مالک
- ۵۹۔ خالد بن عمرو  
۶۰۔ عبداللہ بن عمرو  
۶۱۔ جابر بن عبداللہ  
۶۲۔ معاذ بن عمرو  
۶۳۔ ثابت بن الجذع  
۶۴۔ عمیر بن الحارث  
۶۵۔ معاذ بن جبل  
۶۶۔ اوس بن عباد  
۶۷۔ عباد بن صامت  
۶۸۔ عباس بن عبادہ



## غزوة اُحد میں ستر شہداء کے نام

- |                                 |                                    |
|---------------------------------|------------------------------------|
| ۲۵۔ کیسان                       | ۱۔ حمزہ بن عبدالمطلبؑ              |
| ۲۶۔ سلیم بن حارث                | ۲۔ عبد اللہ بن جحش                 |
| ۲۷۔ نعمان بن عبد عمرو           | ۳۔ مصعب بن عمیر                    |
| ۲۸۔ خارجہ بن زید ابو زہیر       | ۴۔ عباس بن عثمان                   |
| ۲۹۔ سعد بن الربیع بن عمرو       | ۵۔ عمرو بن معاذ بن نعمان           |
| ۳۰۔ اوس بن ارقم بن زید          | ۶۔ حارث بن انس بن رافع             |
| ۳۱۔ مالک بن سنان                | ۷۔ عمارہ بن زیاد بن سکن            |
| ۳۲۔ سعید بن سوید بن قیس         | ۸۔ سلمہ بن ثابت بن وقش             |
| ۳۳۔ عتبہ بن ربیع بن رافع        | ۹۔ عمرو بن ثابت بن وقش             |
| ۳۴۔ ثعلبہ بن سعد بن مالک        | ۱۰۔ ثابت بن وقش                    |
| ۳۵۔ ثقف بن فروہ                 | ۱۱۔ رفاعہ بن وقش                   |
| ۳۶۔ عبد اللہ بن عمرو بن وہب     | ۱۲۔ حسیل بن جابر                   |
| ۳۷۔ صخرہ بن عمرو                | ۱۳۔ صفی بن قنیطی                   |
| ۳۸۔ نوفل بن عبد اللہ            | ۱۴۔ حباب بن قنیطی                  |
| ۳۹۔ عباس بن عبادہ               | ۱۵۔ عباد بن سہل                    |
| ۴۰۔ نعمان بن مالک بن ثعلبہ      | ۱۶۔ حارث بن اوس بن معاذ            |
| ۴۱۔ مجزر بن زیاد                | ۱۷۔ ایاس بن اوس                    |
| ۴۲۔ عبادہ بن حساس بن عمرو       | ۱۸۔ عبید بن تیہان                  |
| ۴۳۔ رفاعہ بن عمرو               | ۱۹۔ حبیب بن یزید بن تمیم           |
| ۴۴۔ عبد اللہ بن عمرو بن حرام    | ۲۰۔ یزید بن خابط بن امیہ بن رافع   |
| ۴۵۔ عمرو بن جموح بن زید بن حرام | ۲۱۔ ابوسفیان بن حارث بن قیس بن زید |
| ۴۶۔ خلاد بن عمرو بن جموح        | ۲۲۔ خنظلہ بن ابو عامر              |
| ۴۷۔ ابوا یمن                    | ۲۳۔ انیس بن قتادہ                  |
| ۴۸۔ سلیم بن عمرو بن جدیدہ       | ۲۴۔ ابو حبیہ                       |

- ۴۹۔ عبداللہ بن جبیر بن نعمان  
 ۵۰۔ خثیمہ ابوسعید بن خثیمہ  
 ۵۱۔ عبداللہ بن سلمہ  
 ۵۲۔ سبیح بن حاطب بن حارث بن قیس  
 ۵۳۔ عمرو بن قیس  
 ۵۴۔ قیس بن عمرو بن قیس  
 ۵۵۔ ثابت بن عمرو بن زید  
 ۵۶۔ عامر بن فخلد بن حارث  
 ۵۷۔ ابوہبیرہ بن حارث بن علقمہ  
 ۵۸۔ عمرو بن مطرف بن علقمہ  
 ۵۹۔ اوس بن ثابت  
 ۶۰۔ انس بن نضر  
 ۶۱۔ قیس بن مخلد
- ۶۲۔ عنترہ  
 ۶۳۔ سہل بن قیس بن ابی کعب  
 ۶۴۔ ذکوان بن عبدقیس  
 ۶۵۔ عبید بن معلیٰ بن لوزان بن حارثہ  
 ۶۶۔ مالک بن نمیلہ  
 ۶۷۔ حارث بن عدلی بن خرشہ  
 ۶۸۔ مالک بن ایاس  
 ۶۹۔ ایاس بن عدلی  
 ۷۰۔ عمرو بن ایاس

## غزوة اُحد میں قریش کے مقتولین کے نام

- |                                |                                 |
|--------------------------------|---------------------------------|
| ۱۲۔ عبد اللہ بن حمید بن زہیر   | ۱۔ طلحہ بن ابو طلحہ             |
| ۱۳۔ ابوالحکم بن الاخنس بن شریف | ۲۔ ابوسعید بن ابو طلحہ          |
| ۱۴۔ سباع بن عبدالغری           | ۳۔ عثمان بن ابو طلحہ            |
| ۱۵۔ ہشام بن ابی امیہ بن مغیرہ  | ۴۔ مصاح بن طلحہ                 |
| ۱۶۔ ولید بن العاص بن ہشام      | ۵۔ جلاس بن طلحہ                 |
| ۱۷۔ ابوامیہ بن ابو حذیفہ       | ۶۔ کلاب بن طلحہ                 |
| ۱۸۔ خالد بن الا علم            | ۷۔ حارث بن طلحہ                 |
| ۱۹۔ عمرو بن عبد اللہ           | ۸۔ ارطاة بن عبد شرجیل بن ہاشم   |
| ۲۰۔ ابی بن خلف بن وہب          | ۹۔ ابو یزید بن عمیر بن ہاشم     |
| ۲۱۔ عبیدہ بن جابر              | ۱۰۔ صواب، ابو یزید کا حبشی غلام |
| ۲۲۔ شیبہ بن مالک بن مضرب       | ۱۱۔ قاسط بن شریح بن ہاشم        |

## غزوة خندق کے شہداء کے نام

- |                              |                            |
|------------------------------|----------------------------|
| ۴۔ طفیل بن مالک بن نعمان     | ۱۔ انس بن اوس بن عتیک      |
| ۵۔ کعب بن زید بن قیس بن مالک | ۲۔ عبد اللہ بن سہیل بن زید |
| ۶۔ سعد بن معاذ بن نعمان      | ۳۔ ثعلبہ بن عتمہ بن عدی    |

## غزوہ خیبر کے شہداء کے نام

- |                    |                                |
|--------------------|--------------------------------|
| ۱۰۔ اوس بن عائد    | ۱۔ ربیعہ بن اکثم بن سجرہ       |
| ۱۱۔ انیف بن حبیب   | ۲۔ عبداللہ بن پیب بن اہب       |
| ۱۲۔ ثابت بن واثلہ  | ۳۔ مسعود بن سعد بن عامر بن عدی |
| ۱۳۔ طلحہ           | ۴۔ محمود بن مسلمہ              |
| ۱۴۔ عمارہ بن عقبہ  | ۵۔ ثقیف بن عمرو                |
| ۱۵۔ عامر بن اکوع   | ۶۔ رفاعہ بن مسروح              |
| ۱۶۔ اسود راعی      | ۷۔ ابو ضیاح بن ثابت            |
| ۱۷۔ مسعود بن ربیعہ | ۸۔ حارث بن حاطب                |
| ۱۸۔ اوس بن قتادہ   | ۹۔ عروہ بن مرہ بن سراقہ        |

## جنگِ موتہ کے شہداء کے نام

- |                           |                           |
|---------------------------|---------------------------|
| ۸۔ سراقہ بن عمرو          | ۱۔ جعفر بن ابی طالب       |
| ۹۔ جابر بن ابی صعصعہ      | ۲۔ زید بن حارثہ           |
| ۱۰۔ ابو کلاب بن ابی صعصعہ | ۳۔ مسعود بن اسود بن حارثہ |
| ۱۱۔ عباد بن قیس           | ۴۔ وہب بن سعد بن ابوسرح   |
| ۱۲۔ مسعود بن الاسود       | ۵۔ عبداللہ بن رواحہ       |
| ۱۳۔ سوید بن عمرو          | ۶۔ عبادہ بن قیس           |
| ۱۴۔ ہویجہ بن بکیر بن عامر | ۷۔ حارث بن نعمان          |

## پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں تباہی کے اعداد و شمار

ہلاک (دوسری جنگ عظیم)	قیدی یا لاپتہ	ہلاک (پہلی جنگ عظیم)	پہلی جنگ عظیم دوسری جنگ عظیم
۲۶۹۷۶			آسٹریلیا ہنگری صرف پہلی جنگ
۲۸۰	۲۲۰۰۰۰۰۰	۱۲۰۰۰۰۰۰	آسٹریا
۱۳۹۳۹۶	۶۰۰	۶۵۰	اٹلی
۲۹۱۵۵۷	۲۵۰۰	۱۲۶	امریکہ
۳۵۷۱۱۶	۹۹۱۶۵۲	۹۰۸۳۷۱	برطانیہ
۸۳۶۰	۳۳۶۵۹	۱۳۷۱۶	بلجیم
۶۶۷۱	۲۷۰۲۹	۸۷۵۰۰	بلغاریہ
	۱۲۳۱۸	۷۶۶۶	پرتگال
۶۶۳			پولینڈ
	۲۵۰	۳۲۵	ترکی
۱۲۷۰	۳	۳۰۰	جاپان
۳۲۵۰	۱۱۵۲۸۰۰	۱۷۷۳۷۰۰	جرمنی
۶۶۸۳			جنوبی افریقہ
۹۳۳			برازیل
۶۶۸۳			چیکوسلواکیہ

۱۳۲۲۵۱۶			چین
۲۳۳۹			ڈنمارک
۶۱۱۵۰۰۰	۲۵۰۰	۱۷۰۰	روس
۳۵۰	۸۰	۳۳۵۷۰۶	رومانیہ
	۱۵۲۹۵۸	۲۵	سربیا
۲۰۰۵۶۸	۵۳۷	۱۳۵۷۰۸۰۰	فرانس
۷۹۰۲۷			فن لینڈ
۳۲۲۱۲			کینیڈا
۲			ناروے
۶۵۰۰			نیدر لینڈ
۱۱۶۲۵			نیوزی لینڈ
۳۲۱۲۱			ہندوستان
۲۷۲۳۵			ہنگری
۳۰۵			یوگوسلاویہ
۱۷۰۲۲	۱	۵	یونان
۱۲۹۳۲۹۶۲	۸۵۳۳۹۱۹	۸۵۲۸۳۱۵	

(عالمی معلومات، فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۳۷۷ تا ۳۷۹)

## انسانی حقوق کا عہد آفرین چارٹر ”خطبہ حجۃ الوداع“

اے اللہ کے بندو، میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس اطاعت کی دعوت دیتا ہوں اور ابتدا کرتا ہوں اس سے جو مکمل خیر ہے۔ لوگو غور سے سنو! میں یہ بات وضاحت سے تمہارے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں اس جگہ نہ مل سکوں۔ تمہارا خون تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے یہاں تک کہ تم خدا کے سامنے پیش ہو جیسا کہ یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر تمہارے لئے قابل احترام ہے۔ بتاؤ، کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے؟ اے خدا تو گواہ رہنا۔

جس کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اسے اس کے مالک کے حوالے کر دے۔ دورِ جاہلیت کے سودی کاروبار آج سے ممنوع قرار دے دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا (حضرت) عباسؓ کی سودی رقمیں معاف کرتا ہوں۔

جاہلیت کے تمام مفاخر ختم کئے جاتے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا عہدہ باقی رکھا جائے گا۔ قتلِ عمد کا قصاص ضروری ہے۔ عمد کا مشابہ وہ قتل ہے جو لاشی یا پتھر سے واقع ہو۔ اس کی دیت سوانٹ ہیں۔ جو زیادہ چاہے گا وہ اہلِ جاہلیت میں سے ہوگا۔ لوگو، شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گیا کہ سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے لیکن وہ اس پر بھی مطمئن ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی تعمیل کی جائے گی۔

لوگو، مہینے کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں زیادتی کرنا ہے۔ کافر اس کی گمراہی پھلاتے ہیں۔ ایک سال جس مہینے کو حلال کرتے ہیں دوسرے سال اسی کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ جو گنتی اللہ نے رکھی ہے اسے کسی نہ کسی طرح پورا کر لیں۔ زمانہ گھوم پھر کر وہیں آ گیا جہاں سے کائنات کی پیدائش کا دن شروع ہوا تھا۔ خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے اور اس نے اسے اپنی کتاب میں لکھ دیا تھا جس دن آسمان اور زمین پیدا ہوئے تھے۔ اس دن سے چار مہینے محترم ہیں۔ تین مہینے پے در پے ہیں اور چوتھا الگ ہے۔ ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

لوگو، عورتوں کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے ان پر حقوق ہیں۔ تمہارے حقوق یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ سلائیں اور تمہاری اجازت کے بغیر ایسے لوگوں کو گھر میں نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور فحش کلام نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو خدا نے تمہیں ان سے علیحدہ ہونے، ان سے الگ سونے کا، اعتدال کے ساتھ مارنے کی بھی اجازت دے رکھی ہے۔ اور اگر ایسا کرنے سے رک جائیں اور تمہاری اطاعت شروع کر دیں تو ان کا نان نفقہ اور لباس تمہارے ذمے ہے۔ تمہارے پاس عورتیں قیدیوں کی طرح ہیں خود کچھ نہیں کر سکتیں۔ تمہارے پاس وہ خدا کی امانت کی طرح ہیں اور تم اس کے نام سے اس کو اپنے لئے حلال کرتے ہو پس ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان کے لئے بھلائی سوچا کرو۔ کیا میں نے بات پہنچادی؟ اے خدا گواہ رہنا۔

لوگو، سب مومن بھائی بھائی ہیں۔ کسی مومن کو اپنے بھائی کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لوگو، میرے بعد کافر ہو کر ایک دوسرے کے قتل کے درپے نہ ہو جانا۔ میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑتا ہوں جس پر عمل کرنے سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز قرآن مجید ہے۔

لوگو، تمہارا پروردگار ایک اور تمہارا باپ ایک ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ تم میں اللہ کے نزدیک محترم و مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی برتری حاصل نہیں۔

کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ گواہ رہنا۔ حاضرین کو چاہئے کہ وہ یہ باتیں دوسروں تک پہنچادیں۔







رسول الله  
صلى الله عليه وآله وسلم

کی خارجیہ پیامی

اسد سلیم شیخ